شیخِ اکبر

محی الدین ابن عربی

محمد شفیع بلوچ

شیخ اکبر

محی الدین ابن عربیؒ

محمد شفیع بلوچ

مکتبۂ جمال

تھرڈ فلور، حسن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب: .... شیخ اکبر محی الدین ابن عربی

مصنف .... محمد شفیع بلوچ

اہتمام: .... میاں غلام مرتضٰی کھٹانہ

ناشر: .... مکتبہ جمال' لاہور

مطبع: .... تایاسنز' لاہور

سن اشاعت: 2006ء

قیمت: 200روپے

مکتبہ جمال

تھرڈ فلور' حسن مارکیٹ' اردو بازار' لاہور فون: 7232731

Email: maktaba_jamal@email.com
maktabajamal@yahoo.co.uk

فہرست مضامین

اظہاریہ 9
دیباچہ 11

پہلا باب

احوال 15
ولادت 15
خاندان 15
تعلیم 20
اساتذہ 21
ابن رشد سے ملاقات 24
ابتدائی مشاغل 26
تصوف وسلوک میں ورود اور مشائخ سے اکتسابِ فیض 27
اشبیلیائی مشائخ 33
اسفار وفتوحات 33
قرطبہ کا سفر 34
سفرِ تیونس 35
حضرت خضرؑ سے ملاقاتیں 36
پہلی ملاقات 36
دوسری ملاقات 36
تیسری ملاقات 37
تلمسان اور دیگر شہروں کا سفر 39
سفرِ مکہ 42
جذب وشوق 43
شادی واولاد 46
تصنیف وتالیف 74
سفر بغداد 47
موصل 49
قونیہ میں قیام 49

دمشق میں قیام	56
شمس تبریز سے ملاقات	57
مشاہدات اور کشف وخوارق	57
مذہب ومسلک	67
سلاسل خرقہ جات	67
وفات	70
تصانیف	72
معاصرین	84
ابن الابار	84
ابوالحسین محمد بن احمد بن سعید بن جبیر بن محمد الکتابی	85
شیخ سعدالدین محمد بن موید بن ابی بکر عبداللہ بن ابی حسین علی بن حمویہ	85
ابوالولید محمد بن احمد بن رشد	85
محمد عبدالحق بن ابراہیم بن محمد سبعین مرسی اندلسی	86
ابوالحسن علی بن عبداللہ بن عبدالجبار	86
ابوحفص شرف الدین عمر ابن الحسن المعروف بہ ابن فارض	86
ابوشامہ	87
زکریا رازی	87
سعدیؒ شیرازی	88
شیخ شہاب الدین	89
عزالدین بن عبدالسلام	90
فخرالدین ابراہیم عراقیؒ	91
امام فخرالدین رازی	92
فریدالدین عطارؒ	93
موئدالدین بن محمد جندی	94
موسیٰ بن میمون	94
نجم الدین کبریٰ	95
البرٹس میگنس: بوریا	96
تھامس اکیونس	96
سینٹ فرانسس: اسیسی	96

دوسرا باب

افکار	97
اندلس میں فلسفہ وحکمت کی روایت، ابن عربی تک	97
اکتساب	100
تبحّر علمی	102
تفسیری بصیرت	103
شاعری	104
فتوحاتِ مکیّہ	110
فَصُوص الحِکَم	115
عربی کی شرحیں	117
فارسی تراجم وشرحیں	118
نظریات	125
وحدت الوجود	125
شیخ اکبر کا نظریہ وحدت الوجود	127
دیگر افکار	133
حقیقت محمدیہ ﷺ	133
علم کی اقسام	134
عقل وقلب	136
معرفت	137
حق	139
تشبیہہ وتنزیہہ	139
صفات واسمائے الٰہیہ	140
اعیانِ ثابتہ	142
تنزلاتِ ستہ	143
قضا وقدر	143
عالم اور حق تعالیٰ	144
انسان	145
انسانِ کامل	147
ولائت	147

عقائد	148
اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ	148
حضور رسالت مآب ﷺ کے متعلق عقیدہ	152
مزید شرائط ایمان	153
تیسرا باب: ناقدین	155
حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ اور شیخِ اکبرؒ	164
علامہ اقبالؒ اور ابنِ عربیؒ؛ گریز و کشش کی روداد	180
چوتھا باب	
موئیدین شارحین و مقلدین	198
عرفا و علمائے تشیع	201
شارحین	203
سلسلہ اکبریہ	502
برِصغیر میں اثر و نفوذ: (وحدت الوجود کے حوالے سے)	206
مغرب اور شیخ الاکبر	231
محی الدین ابن عربی سوسائٹی	237
پانچواں باب:	
وحدت الوجود اور شاعری	239
عربی	240
فارسی	344
اُردو	248
پنجابی	256
سندھی	264
سرائیکی	268
پشتو	271
بلوچی	275
براہوی	277
کشمیری	278
ہندی	279
حواشی، حوالہ جات و تعلیقات	283

انتساب:

حقیقت الحقائق، وجہ تخلیقِ کائنات، محبوبِ رب العالمین، شفیع المذنبین، حضور ختمی مرتبت علیہ الصلوٰۃ والتسلیم

کی بارگاہِ اقدس میں تمام تر عاجزی وانکساری کے ساتھ۔

نگاہِ عشق ومستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں، وہی فرقاں، وہی یٰسیں، وہی طٰہٰ

دیباچہ

محمد شفیع بلوچ صاحب کی ہمت ہے کہ انھوں نے ایک ایسی ہستی پر قلم اٹھایا ہے جس کی طرف رُخ کرتے ہوئے بھی بڑے بڑوں کا کلیجا پانی ہو جاتا ہے۔ شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کا یہ مدّاحانہ تعارف گو کہ مکمل نہیں کہا جا سکتا ہے لیکن پھر بھی مبتدیوں کے لیے خاصی افادیت کا حامل ہے۔ ایک ایسے قاری کو جو شیخ اکبر کے بارے میں کچھ زیادہ نہیں جانتا، یہ کتاب یقیناً مفید معلوم ہوگی۔

علم خواہ عمومی سطح کا ہو، برکت اور فائدے سے خالی نہیں ہوتا اور اعلیٰ مدارج کے لیے بنیاد کا کام دیتا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کتاب روشنی کی لکیر کی طرح اپنے قارئین کو ایک صحیح راستہ ضرور فراہم کرے گی جس پر چل کر اُن کی رسائی اُن مقامات تک بھی ہو سکتی ہے جہاں استعداد اور علم میں مطلوبہ ترقی میسر آتی ہے۔ ہمیں چاہیے کہ محمد شفیع بلوچ صاحب کی اس تعارفی تحریر کو شیخ اکبر کے واقعی احوال و مراتب تک پہنچنے کا ابتدائی زینہ تصور کریں اور اسے پڑھنے کے بعد ابن عربی پر لکھی جانے والی بہت سی عمدہ تحریروں تک پہنچنے کی کوشش کریں۔ یہ کتاب اُس کوشش کو انشاءاللہ آسان بنا دے گی۔

ہماری عرفانی روایت ایک نظامِ شمسی ہے جس کا مدار شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ ہیں۔ ان کے ہاں بیان ہونے والا تصورِ حقیقت اپنی تمام تفصیلات اور اطلاقات سمیت، ہمارا کل اثاثہ ہے۔ ہم مابعد الطبیعی حقائق کا جتنا بھی علم اور تجربہ رکھتے ہیں، وہ سارے کا سارا انہی کا فراہم کردہ ہے۔ شیخ اکبر کا ایک بڑا امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے حقائق کے جو علمی اور احوالی مراتب دریافت کیے، اُن سے ایک پوری عرفانی کائنات کی تشکیل ہوئی۔ حقائق کے حصول و حضور کی پوری درجہ بندی کر کے

حقیقت کبریٰ کے حتمی اعتبار اور قطعی محل کی تعیین، ابن عربی کا وہ کارنامہ ہے جس کی بدولت ہمارے عرفانی اصول اور قواعد کا قیام عمل میں آیا۔ شیخ سے غیر متعلق ہو کر تحقیق حق کے نام سے اُٹھایا جانے والا ہر قدم محض خلا میں ہوگا۔ صحیح بات یہ ہے کہ معرفت کا کوئی بھی اسلوب اور نتیجہ اُس وقت تک قابلِ قبول نہیں ہو سکتا جب تک اُس کی اساس شیخ اکبر کی بنائی ہوئی زمین پر نہ ہو۔ اُن سے اختلاف کرنے کے لیے بھی انہی سے مدد لینی پڑتی ہے، اور عرفانیات کے دائرے میں اُن کے ایک قول سے کیا جانے والا اختلاف خود انہی کے دوسرے قول سے رفع ہو جاتا ہے۔ گویا ابن عربی کے ساتھ اختلاف کی صحت کی سند بھی خود انہی کے ہاں سے ملتی ہے۔

محمد شفیع بلوچ صاحب نے حتی المقدور شیخ اکبر کے سوانحی اور علمی تعارف میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ سوانحی حصہ معلومات افزا ہے اور ابن عربی کی زندگی کے اہم ادوار کا احاطہ بھی کرتا ہے۔ تاہم اُن کی علمی اور عرفانی بلندیوں اور وسعتوں کا بیان ابتدائی درجے میں تو مفید اور مؤثر ہے مگر اس کی بنیاد پر شیخ کے علمی اور عرفانی مراتب کا اندازہ قائم کرنا مشکل ہے۔ خیر یہ بھی کیا کم ہے کہ اس حصے کو پڑھ کر قاری میں ابن عربی کی بلند مقامی کا ایک تصور باندھنے کی صلاحیت پیدا ہو سکتی ہے۔

اس کتاب میں بس ایک کمی ایسی ہے جس کی طرف فاضل مصنف کو توجہ دینی چاہیے۔ شیخ اکبر سے جن لوگوں نے اختلاف کیا ہے ایک تو ان کا تعارف بہت سرسری سا ہے، اور دوسرے وجوہِ اختلاف کو بھی علمی طریقے سے نقل نہیں کیا گیا۔ کسی علمی کتاب میں ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اُمید ہے اگلی اشاعت میں اس کا ازالہ کر دیا جائے گا۔

محمد سہیل عمر

اظہاریہ:

محی الدین محمد بن علی الحاتمی الطائی المعروف ابن عربی کا شمار دنیا کے چند اہم صوفیہ اور فلاسفہ میں ہوتا ہے۔ وہ ایک عالمِ باعمل اور عارفِ کامل کے رُتبہ پر فائز تھے۔ اُن کے افکار و نظریات کو مشرق و مغرب میں پذیرائی حاصل ہوئی۔ آسمانِ علم و عرفان پر وہ مانندِ خورشید چمک رہے ہیں۔ جہاں بھی تصوف کی روائت موجود ہے وہاں ابن عربی کا نام ضرور لیا جائے گا۔ ان کے علوم و معارف کو سمجھنا کوئی آسان معاملہ نہیں---مبہم، مشکل اور کثیر الاحتمال۔ خود ان کی زندگی بھی ان کے افکار کی طرح۔

ایک معمہ ہے سمجھنے کا نہ سمجھانے کا

ان کی رمزی تحریروں کی وجہ سے ایک طرف انہیں ''شیخ الاکبر'' کے لقب سے نوازا گیا تو دوسری طرف انہیں ملحد اور امت کے شیطان کے طور پر پیش کیا گیا۔ انہوں نے اپنی تصانیف میں دینیات، کلام، رواقیت، اشراقیت اور بالخصوص تصوّف اور اس کے متعلقات کو انتہائی تاویلی اور رمزی انداز میں پیش کیا۔ انہوں نے مختلف فکری عناصر کا ایسا مربوط و مستحکم فکری حصار قائم کیا کہ ابھی تک کسی صوفی و متکلم سے یہ حصار نہیں ٹوٹا۔ تصوف کی ساری دنیا شیخ کے افکار کے گرد گردش کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور تمام متصوّفانہ سرمایہ ان کی کتب کی حاشیہ آرائیوں پر مشتمل محسوس ہوتا ہے۔ نہ صرف عالم اسلام بلکہ دنیا کے بیشتر حکماء و عُرفا کی ایک طویل فہرست ہے جن پر شیخ کے اثرات مرتسم ہوئے اس لیے کہ انہوں نے ایک چونکا دینے والا اور مبہوت کر دینے والا تخلیقی و امتزاجی نظامِ فکر پیش کیا۔ انہیں بلا مبالغہ اسلام کی علمی تاریخ کا سب سے بڑا خلاق اور مفکر کہا جا سکتا ہے۔ کوئی باطنی اور معروضی طلسماتی تخلیق کاری ہے جو ان کی تخلیقات، خصوصاً ''فصوص الحکم'' اور ''فتوحاتِ مکیہ'' میں رچی بسی ہے۔

وحدت الوجود شیخ کا سب سے اہم اور مرغوب موضوع ہے جس کے اظہار کے انہوں نے ہزاروں پیرائے اختیار کیے۔ شیخ کا علم ایک بحرِ ناپیدا کنار ہے جس میں ایک ایسا شخص بھلا کیسے غوطہ زن ہو سکتا ہے جو خود ناشناور ہو، جو ابھی ساحلِ علم پر سیپیوں سے کھیل رہا ہو۔ یہاں تو قال کے بجائے حال اور صاحب سلوک ہونا از بس ضروری ہے۔ ان کے علوم و معارف کا تجزیاتی مطالعہ تو رہا ایک طرف خود ان معارف کی تفہیم کے سلسلے میں مجھے اپنی علمی بے بضاعتی کا اعتراف ہے اسی لیے کتاب میں 'تفکیر' یا 'تحقیق

اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

یوں تو شیخ پر سیکڑوں اور ہزاروں مضامین و مقالات لکھے گئے ،متعدد کتب کے علاوہ سلاسل ، حلقے ،سوسائٹیوں اور سیمیناروں کا تو شمار ہی نہیں۔فارسی زبان میں شیخ پر ڈاکٹریٹ کی سطح کا کام ہو چکا ہے ۔ڈاکٹر محسن جہانگیری کا وہ مقالہ اردو میں ترجمہ ہو کر شائع بھی ہو چکا ہے۔دعویٰ تو نہیں لیکن اپنی سی معلومات کی حد تک یہ اردو میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے جس میں شیخ کے احوال وآثار اور اس کے متعلقات کو یکجا کرنے کی مقدور بھر کوشش کی گئی ہے۔اس سلسلے میں متعدد احباب کی رہنمائی ،مشاورت اور تعاون شامل حال رہا بالخصوص پروفیسر ناصر عباس نیر ،پروفیسر سیّد سلیم تقی شاہ ،سلطان ارشد القادری، معروف دانشور اور اقبال اکیڈمی کے ڈائریکٹر جناب محمد سہیل عمر اور نگران مجلسِ علمی محترم سید قاسم محمود، کے تو میں نیازمندوں میں شامل ہوں۔انہوں نے کتاب کو آپ تک پہنچانے میں خصوصی دلچسپی لی۔میں ان تمام مصنفین اور پبلشرز کا بھی مشکور ہوں جن کی کتب ،رسائل اور مقالات سے استفادہ کیا گیا۔اللہ تعالیٰ تمام دوستوں کو جزائے خیر عطا فرمائے۔میری کمزوریاں اور فروگزاشتیں ہی میری رہنما ہو سکتی ہیں بشرطیکہ آپ مجھے آگاہ فرمائیں۔ میں ہوں، کہتر کمتر

محمد شفیع بلوچ

موضع درگاہی شاہ، ڈاکخانہ ۱۸۔ ہزاری،

تحصیل وضلع جھنگ

(رمضان المبارک ۱۴۲۵ھ / اکتوبر ۲۰۰۴ء)

دیباچہ:

یہ بات پورے تیقن سے کہی جا سکتی ہے کہ مُسلم صوفیانہ فکر جس 'صوفی فلسفی' کے افکار سے سب سے زیادہ متاثر ہوئی ہے، وہ محی الدین ابن عربی ہیں۔ تصوّف کے نظری اور وارداتی لٹریچر میں اُن کا مرتبہ بے حد بلند ہے۔ انہوں نے صوفیانہ طرزِ فکر کی نہج ہی بدل دی اور اپنے اور آنے والے زمانے کے لیے بیک وقت ایک چیلنج اور انسپریشن کا ذریعہ بنے۔ نتیجۂ جہاں ابن عربی کے مقلدین ہر زمانے میں موجود رہے ہیں، وہاں ان کے ناقدین کی بھی کوئی کمی نہیں۔

تقلید وتنقید ہر دو میں چونکہ انتہا پسندی پیدا ہو ہی جاتی ہے، اس لیے ابن عربی کے نظامِ فکر کا بنیادی متن متضاد و متنوع تعبیروں میں گھرا ہوا ہے۔ جب کوئی نیا آدمی اس نظامِ فکر کی طرف ملتفت ہوتا ہے تو ان تعبیروں سے صَرفِ نظر نہیں کر سکتا۔ ایک زاویے سے یہ تعبیریں (یا ثانوی متون) اس کا آسرا بنتی ہیں۔ (یعنی مشکل مسائل کو سہل بناتی ہیں) تو دوسری طرف ایک رکاوٹ بھی (یعنی اس نظامِ فکر کی حقیقی اور راست تفہیم کی راہ میں حائل ہوتی ہیں)۔ چنانچہ کسی راہ ساز مفکر کے نظریات وتصوّرات پر قلم اُٹھانے کے لیے ضبط وحوصلے کی ہی، عمیق وبسیط تفکر کی بھی ضرورت ہوتی ہے اور محض تقلید یا فقط تنقید سے بچنے کی حاجت بھی ہوتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں نظریات کی سادہ شرح لکھنے یا پہلے سے موجود شرحوں پر اکتفا کرنے سے حذر کرنا بھی لازمی ہوتا ہے اور نظریات کو مسخ کر کے پیش کرنے سے گریز بھی کرنا ہوتا ہے۔ بلاشبہ یہ پُل صراط ہے، اس لیے اسے 'مستانہ وار' عبور کرنے والے خال خال، اور چند ہی قدموں کے بعد ڈگمگا کر گرنے والوں کا ایک انبوہِ کثیر ہے۔

یہ ایک حیران کُن بات ہے کہ ابن عربی ایسے مفکر پر اردو میں اب تک کوئی جامع کتاب نہیں لکھی گئی تھی (راقم کی معلومات کی حد تک)۔ اس ضمن میں محمد شفیع بلوچ کو اوّلیت حاصل ہے اور ہر اوّلیت ایک اعزاز ہوا کرتی ہے۔ ابن عربی پر اردو میں پوری کتاب تصنیف نہ کرنے کی وجہ یہ نہیں کہ اردو والوں کو ابن عربی سے کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ دلچسپی رہی ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ابن عربی کے وجودی تصورات پر نہ صرف مقالات لکھے گئے ہیں بلکہ ابن عربی کی کتابوں (بالخصوص فتوحاتِ مکیہ اور فصوص الحکم) اور ابن عربی پر دوسری زبانوں میں لکھی گئی کتابوں کے اردو تراجم بھی ہوئے ہیں۔ اردو میں ابن عربی کے افکار پر باقاعدہ کتب تصنیف نہ کرنے کا سبب غالباً ان کے افکار کا 'مُبہم' اور 'پیچیدہ' ہونا

ہے۔وحدت ولوجود کے نظریے کی سادہ شرح ایک مقالے میں کی جا سکتی ہے مگر اس کے ہمہ جہت تجزیے،اس کے مضمرات واطلاقات کے جائزے اور اسے اس کے درست پسِ منظر میں سمجھنے کے لیے ایک نہیں کئی کتابوں کی ضرورت ہے۔

ہمارے ہاں افکار ونظریات (خواہ مشرقی ہوں یا مغربی) کو جستہ جستہ پڑھنے اور ان کی شرحیں لکھنے یا زیادہ سے زیادہ ان پر تبصرہ کرنے کی روایت ہی مستحکم ہوئی ہے۔بڑے اور بنیادی فکری مسائل کے 'مائیکرو مطالعے' کا قومی رجحان نہیں پنپ سکا۔اس تناظر میں محمد شفیع بلوچ کی یہ کتاب بے حد اہمیّت کی حامل ہے۔

محمد شفیع بلوچ نے ایک مشکل اور پھیلے ہوئے موضوع کو نبھانے کا بیڑہ اُٹھایا ہے اور اسی مناسبت سے انہون نے اس کتاب میں جو مطالعاتی منہاج اختیار کیا ہے،وہ فیکرو اور تحقیقی ہے۔ابتدا میں انہوں نے مستند حوالوں سے ابن عربی کی سوانح مرتب کی ہے۔اسی ضمن میں ابن عربی کے اساتذہ اور معاصرین کا تفصیلی تعارف بھی پیش کیا ہے۔اس کے بعد ان کی کتابوں اور کتابوں میں پیش ہونے والے اہم تصوّرات سے متعلق لکھا ہے۔ابن عربی کی فکر سے اتفاق اور اختلاف کرنے والوں کو تفصیل کے ساتھ معرضِ بحث میں لائے ہیں۔ابنِ عربی کی فکر کے ان نکات کو بھی واضح کیا ہے جن کی بنیاد پر اتفاق یا اختلاف کیا گیا۔ابن عربی کے اثرات کے ضمن میں محمد شفیع بلوچ عربی،فارسی،اردو اور پاکستانی زبانون کے ادبیات کو بھی زیرِ بحث لائے ہیں۔

اس وسیع موضوع پر کام کرنے کے لیے انہیں سیکڑوں کتب کا مطالعہ کرنا پڑا اور ان کی خوشہ چینی کرنا پڑی۔محمد شفیع بلوچ ابن عربی کے فکر وفلسفہ کے اثرات کے مطالعے میں،صدیوں پر پھیلی ہوئی مسلم فکر کے اہم نشانات کو بھی سامنے لاتے چلے گئے ہیں۔

ابن عربی کا سب سے اہم نظریہ وحدت الوجود ہے۔اس کا سمجھنا اور سمجھانا آسان نہیں۔ایک طرف یہ فلسفیانہ تصور ہے جو نظامِ کائنات کی توجیہہ وتعبیر کرتا ہے اور دوسری طرف یہ ایک واردات ہے ۔یہ عقلی دلائل پر اُستوار بھی ہے اور صوفیانہ اذہبی تجربے میں بھی اپنی اساس رکھتا ہے۔خود ابن عربی کی اصطلاحوں میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ 'علمِ نظری' بھی ہے،فلسفیانہ اصطلاحات سے لیس اور داخلی منطقی ارتباط بھی رکھتا ہے جو ایک نظریے کے لیے لازمی ہے،اور 'علمِ اسرار' بھی ہے جس کا سرچشمہ عقل نہیں ہے بلکہ

حقیقتِ مطلقہ ہے جو عقل کی رسائی سے باہر ہے۔

چونکہ وحدت الوجود پر ساری گفتگو اس کے علمِ نظری ہونے کے حوالے سے ہی ہوتی ہے، اس لیے اس کا فہم ادھورا ہوتا ہے۔ وحدت الوجود پر سارے اعتراضات کا باعث یہ ہے کہ اس کے وارداتی پہلو سے صرف نظر کیا جاتا ہے، اور واردات کا معاملہ یہ ہے کہ اس کا فہم واردات کے ذریعے ہی ہو سکتا ہے۔ اس کی تجلی عقلی اصطلاحوں میں نہیں سما سکتی۔ زیادہ سے زیادہ اس کے لیے ایک رمزیہ اور علامتی اسلوب ہی اختیار کیا جا سکتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ وحدت الوجود کو شعرا نے قبول کیا ہے (کہ وہ رمزیہ اور علامتی پیرایے میں اظہار کرتے ہیں)۔

محمد شفیع بلوچ کا بنیادی مقصد چونکہ وحدت الوجود کے حقیقی تصور کو سامنے لانا ہے اس لیے وہ اس کے تجزیاتی جھنجھٹ میں نہیں پڑے، چنانچہ انہوں نے اس ضمن میں ابن عربی کے اپنے خیالات کو بھی تفصیلاً پیش کیا ہے اور ابن عربی کے اہم مفسرین کی آرا سے بھی خاصا استفادہ کیا ہے۔ وحدت الوجود کا نظریہ حدّ درجہ اعتراضات کی زد میں رہا ہے۔ اس نظریے کے اہم معترضین میں ابن تیمیہؒ، مجدد الف ثانیؒ اور علامہ اقبالؒ ہیں۔

ابن تیمیہ کا زمانہ ۱۳ویں صدی عیسوی، مجدد الف ثانی کا زمانہ ۱۶ویں صدی عیسوی اور علامہ اقبال کا زمانہ بیسویں صدی عیسوی ہے۔ خود ابن عربی ۱۲ویں صدی عیسوی سے تعلق رکھتے ہیں۔ اس بات سے مقصود یہ ہے کہ ابن عربی کی فکر نے مختلف صدیوں کے بڑے دماغوں کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔

محمد شفیع بلوچ نے جہاں وحدت الوجود کے مؤیدین و مقلدین کا ذکر کیا ہے وہاں اس سے اختلاف کرنے والوں کے نقطہ ہائے نظر کو بھی شرح و بسط سے پیش کیا ہے اور اعتراضات کے متن کو مسخ کر کے پیش نہیں کیا، علمی دیانتداری کا تقاضہ بھی یہی تھا۔

غور سے دیکھا جائے تو محمد شفیع بلوچ کا فکری جھکاؤ 'وحدت الوجود' کی طرف ہے۔ وحدت الوجود کے مؤیدین کے افکار کو جواباً پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے کہ اکثر اعتراضات یا تو لفظی نزاع ہیں یا پھر غلط فہمی کا نتیجہ۔

محمد شفیع بلوچ نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے فرق کو لفظی نزاع اور علامہ اقبال کے ابنِ عربی کے فلسفے پر اعتراضات کو ہنگامی قرار دیا ہے۔ بلوچ صاحب کی یہ رائے (جسے انہوں نے مختلف

وجودی مفکرین کے دلائل کی مدد سے مدلل اور مستحکم بنانے کی سعی کی ہے البتہ تجزیے کی متقاضی ہے۔

آخر میں مجھے محمد شفیع بلوچ کو اس بات پر بطور خاص دادِ تحسین پیش کرنی ہے کہ انہوں نے ایک چھوٹے سے گاؤں (موضع درگاہی شاہ) میں رہ کر ایک بڑے موضوع پر جم کر کام کیا ہے۔ اس موضوع سے متعلق کتب کو حصل کرنا بجائے خود ایک مشکل کام تھا۔ انہوں نے نہ صرف سیکڑوں متعلقہ کتب جمع کیں بلکہ دیدہ ریزی سے ان کا مطالعہ بھی کیا۔ ایک ایسے موضوع پر مسلسل ارتکاز خاصا دشوار ہوتا ہے جس کی فوری مادی افادیت نہ ہو۔ اس ارتکاز کو وہی آدمی جاری رکھ سکتا ہے، جس کی زندگی میں مادی مفادات کو ترجیح حاصل نہ ہو اور جسے زندگی کی بعض بڑی سچائیوں کا عرفان حاصل ہو اور یہ عرفان اسے مسلسل سرشار رکھ سکتا ہو۔ وہ اپنے باطنی منطقے میں قیام پذیری کے نایاب تجربے سے فیض یاب رہے اور خارج کی تغیر پذیر اور سطحی حقیقتوں سے بے نیاز رہے۔ اگر اس بے نیازی کا ثمر کسی تخلیقی یا فکری کارنامے کی صورت میں سامنے نہ آئے تو اسے ایک منفی معاشرتی رویہ قرار دیا جائے گا، خواہ یہ بے نیازی کتنے ہی گہرے روحانی نشاط کی علمبردار ہو۔ محمد شفیع بلوچ نے اپنے باطن میں گوشہ گیری اختیار کر کے ایک نہایت اہم موضوع پر اردو میں اپنی نوعیت کی پہلی تصنیف پیش کی ہے اور ایک علمی اور تہذیبی ضرورت کو پورا کیا ہے۔

(پروفیسر) ناصر عباس نیّر

گورنمنٹ کالج جھنگ

پہلا باب

﴿احوال﴾

ولادت:

شیخ اکبر محی الدین محمد بن علی بن محمد بن احمد بن عبداللہ بن حاتم طائی، المعروف بہ ابن عربی، اندلس(۱) کے شہر مُرسیہ(۲) میں دوشنبہ (پیر)' ۱۷ رمضان المبارک ۵۶۰ھ بمطابق ۲۸ جولائی ۱۱۶۵ء کو پیدا ہوئے۔(۳)

اکثر مآخذ میں ان کی کنیت ابوبکر لکھی ہوئی ہے۔لیکن وہ خود **فتوحات مکیہ** میں تحریر کرتے ہیں:

"نعند ما دخلت علیه قال لی یا ابا عبدالله" (۴)

علاوہ ازیں **ابن افلاطون** اور اندلس میں **ابن سراقہ** کی کنیت سے معروف رہے۔مغرب میں ابن العربی اور مشرق میں ابن عربی کے نام سے مشہور ہیں۔ان کے بہت سے القاب ہیں مگر ان کے مقلدوں اور ارادت مندوں میں ایک ہی لقب سب سے زیادہ مشہور و معروف ہے **الشیخ الاکبر** بلاشبہ یہ لقب اپنی تمام تر معنویت اور شکوہ کے ساتھ ان کو زیبا ہے۔(۵)

خاندان:

شیخ اکبر کے جدِ اعلیٰ حاتم طائی عرب کے قبیلہ بنو طے کے سردار اور اپنی سخاوت کے باعث نہ صرف عرب ممالک بلکہ پوری دنیا میں مشہور تھے۔(۶) اندلس میں مسلمانوں کی حکومت قائم ہو جانے پر ابن عربیؒ کا خاندان وہاں جا بسا۔عزت وجلالت' علم وتقویٰ اور زہد و پارسائی میں ان کا خانوادہ ممتاز حیثیت رکھتا تھا۔ابن الشعار کی ایک غیر مطبوعہ تصنیف **عقود الجمان** کے مخطوطے میں ایک روایت ملتی

ہے کہ ابن عربی کا خاندان امرائے بلاد کی فوجی ملازمت میں چلا آتا تھا اور وہ خود بھی ایک عرصہ فوجی خدمات انجام دیتے رہے-(۷)

ابن عربی کے دادا محمد اندلس کے قضاۃ اور علماء میں سے تھے- جن کی دنیاوی دولت وثروت کا بھی کوئی ٹھکانہ نہ تھا- والد علی بن محمد فقہ وحدیث کے آئمہ اور زہد وتصوف کے بزرگوں یا ابن عربی کے الفاظ میں منزل انفاس کیے محققین میں سے تھے- تصوف کے سلسلہ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے- اس کے علاوہ عظیم فلسفی ابن رشد کے دوست اور ایک روایت کے مطابق ابن مردنیش کی فوج میں ملازمت کرتے تھے اور سلطان اشبیلیہ کے وزیر بھی رہے- ابن عربی کی پیدائش کے وقت ان کی عمر پچاس برس تھی- انہوں نے ۵۹۰ھ/۱۱۹۴ء میں وفات پائی- اشبیلیہ میں قیام کے دوران شیخ ابومحمد عبداللہ القشن سے ایک ملاقات کا تذکرہ کرتے ہوئے ابن عربی روح القدس، (ص ۱۰۶) میں لکھتے ہیں:

''ایک موقعہ پر میں نے انہیں (شیخ ابومحمد عبداللہ القشن) کو اپنے گھر میں شب بسری کی دعوت دی- جب وہ بیٹھ چکے کہ اس دوران میرے والد بھی آ گئے- میرے والد سلطان کے آدمیوں میں سے تھے- لیکن جب وہ داخل ہوئے تو باوجود بزرگ ہونے کے شیخ نے ان کی تعظیم کی- نماز پڑھ چکنے کے بعد جب میں شیخ کے لیے کھانا لایا تو میرے والد بھی شیخ کی صحبت سے فیض یابی کے لیے بیٹھ رہے- کچھ دیر بعد شیخ نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا' ''اے ناخوش بوڑھے شخص! کیا اب بھی خدا کے آگے شرمندگی محسوس کرنے کا وقت نہیں آیا- تم کب تک ظلم وناانصافی کا ساتھ دو گے' تمہیں رتی بھر شرم نہیں- تم کیسے یقین کر سکتے ہو کہ بدی کی اس حالت میں تمہیں موت نہیں آئے گی'' پھر میری طرف اشارہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا' تمہارا بیٹا تمہارے لیے ایک سبق ہے جس نے اپنی جوانی کے باوجود اپنی نفسانی خواہشات پر قابو پا لیا ہے اور شیطانی وساوس کو نکال باہر کیا ہے- خدا کی طرف رجوع کیا ہے اور خدا کے بندوں کی صحبت اختیار کی جبکہ تم بوڑھے شخص لب بام پہ ہو' میرے والد ان کے الفاظ پر رو پڑے اور اپنی غلطیوں کو تسلیم کیا- میرے لیے یہ سب کچھ حیران وششدر کر دینے والا واقعہ تھا-''(۸)

فتوحات مکیہ میں اپنے والد کی کرامات کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''میرے والد منزل انفاس کے محققوں میں سے تھے- وفات کے بعد ان کے چہرے پر حیات کی نشانیاں بھی دیکھی گئیں اور موت کی بھی- رحلت سے پندرہ روز پہلے انہوں نے نہ صرف اپنی وفات کی خبر دے دی تھی بلکہ چہار شنبے کا دن بھی بتا دیا تھا- اور ایسا ہی ہوا جب رخصت کا دن آ پہنچا تو سخت بیماری کے باوجود کسی چیز سے ٹیک لگائے بغیر بیٹھ گئے اور مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ بیٹے! میں آج اس دنیا سے کوچ کر کے واصل بحق ہو جاؤں گا- میں نے ان سے عرض کی' خدا آپ کا یہ سفر آسان اور اپنا دیدار مبارک فرمائے- وہ اس بات پر خوش ہوئے اور مجھے دعا دی'' (فتوحاتِ مکیہ، جلد اول، باب ۳۵ ص ۲۲۲)

شیخ الاکبر کی والدہ انصار سے تعلق رکھتی تھیں چنانچہ وہ خود کہتے ہیں:

''و کانت امی تنسب الی الانصار''(۹)

شیخ کی تحریروں میں ہمیں ایسا کوئی مواد میسر نہیں کہ جس سے ان کی والدہ کی شخصیت واضح ہو سکے- روح القدس میں دو مقامات پر ان کی والدہ کا ذکر ملتا ہے- ایک مقام پر ہمیں صرف اتنا پتہ چلتا ہے کہ شیخ اپنی والدہ کے انتہائی تابع فرمان بیٹے تھے اور ان کی بہت زیادہ عزت کرتے تھے- دوسری جگہ پہ ہم پڑھتے ہیں کہ ان کی والدہ' ان کے والد کی وفات کے بعد جلد ہی انتقال کر گئیں اور شیخ کو تنہا اپنے خاندان کا کفیل بننا پڑا-(۱۰)

اپنے چچا کے بارے میں شیخ الاکبر لکھتے ہیں:

''میرے ایک چچا تھے عبداللہ بن محمد بن العربی- انہیں مقام نَفَسِ الانفاس الرحمانیہ حساً اور معناً حاصل تھا- طریق عرفان میں آنے سے پہلے گویا اپنے زمانہ جاہلیت میں' میں نے ان کے ذریعے اس مقام کا مشاہدہ کیا تھا''(۱۱)

ابن عربی کے بقول عمر کے آخری حصے میں یعنی اسی برس کے سن میں ایک خرد سال لڑکے کے ذریعے جسے خود اس راستے کا علم نہیں تھا طریق عرفان میں داخل ہوئے اور مجاہدہ و ریاضت میں مصروف ہوئے یہاں تک کہ بہت بلند مقام کو پہنچ گئے- اس طریق میں داخل ہونے کے تین برس بعد وہ اس دنیا سے رحلت کر گئے- درۃ الفاخرہ میں شیخ لکھتے ہیں:

''آپ اپنے گھر کے قریب واقع ایک پنساری کی دکان پر جا کر بیٹھا کرتے تھے جو جڑی

بوٹیاں بیچتا تھا۔ ایک روز دکاندار کی غیر حاضری میں آپ وہاں پر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک خوبرو لڑکا آیا اور آپ کو دکان کا مالک سمجھتے ہوئے آپ سے ایک خاص پودے کے سفید بیج مانگے۔ آپ ہنس دیے اور پوچھا کہ وہ کیا ہوتا ہے؟ لڑکے نے کہا کہ اسے ایک تکلیف ہے جس کا علاج ایک عورت نے اس پودے کے سفید بیج بتایا تھا۔ چچا نے کہا کہ میں تمہاری بے علمی کے سبب ہنسا تھا کیونکہ اس پودے کا بیج سفید نہیں سیاہ ہوتا ہے۔ اس پر لڑکے نے کہا۔ چچا! میری اس بارے میں لاعلمی کا مجھے اللہ کی نظر میں کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ مگر آپ کی اللہ سے غفلت آپ کے لیے بہت نقصان کا موجب بنے گی بالخصوص جب آپ عمر رسیدگی کے باوجود اس کی مخالفت پر اڑے ہوئے ہیں۔ یہ بات چچا کے دل کو لگی اور ان کے اندر ایک انقلاب برپا کرنے اور ان کے طریقہ کی طرف رجوع کرنے کا باعث بنی'' (۱۲)

اپنے اس چچا کے ذریعے ابن عربی متعدد صوفیہ سے ملے۔ انہی میں ایک ابوعلی الشکاز تھے جو اکثر ان کے گھر میں ملنے آتے رہتے۔ (۱۳)

شیخ کے دو ماموں یحیٰی بن یغان سنہاجی شاہِ تلمسان (المتوفی ۵۳۷ھ) اور ابومسلم خولانی بھی اپنے وقت کے نامور زاہدوں میں شمار ہوتے تھے۔ یحیٰی بن یغان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''میرے ایک ماموں یحیٰی بن یغان شاہ تلمسان تھے۔ ان کے عہد میں ایک فقیہہ اور تارک الدنیا بزرگ تھے جو اہل تیونس میں سے تھے۔ انہیں ابوعبداللہ تونسی کہا جاتا تھا۔ وہ تلمسان سے باہر ایک مقام پر عباد کے نام سے کسی مسجد میں دنیا کے جھمیلوں سے الگ تھلگ عبادت میں مشغول رہتے تھے۔ اب اسی جگہ ان کا مزار زیارت گاہ خاص و عام ہے۔ ایک دن اتفاقاً یہ تلمسان تشریف لے گئے جہاں ایک گزرگاہ پر میرے ماموں یحیٰی بن یغان شاہ تلمسان سے ان کا سامنا ہوا۔ یحیٰی بن یغان شاہانہ طمطراق کے ساتھ حزم و حشم کے جلو میں تھے۔ کسی نے بتایا کہ یہ ابوعبداللہ تونسی ہیں۔ بڑے عبادت گزار اور پرہیزگار بزرگ۔ انہوں نے گھوڑے کی لگام کھینچی اور شیخ کو سلام کیا۔ شیخ نے ان کے سلام کا جواب دیا۔ بادشاہ نے اپنے لباس فاخرہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دریافت کیا کہ اے شیخ! اس لباس میں نماز جائز ہے کہ نہیں۔ شیخ نے خندہ کیا۔ بادشاہ نے پوچھا' آپ کیوں ہنسے؟ شیخ بولے! تیری کم عقلی اور

تیرے جہل اور تیرے نفس اور تیرے حال پر- تُو میری نظر میں کتے کی طرح ہے جو مُردار کھاتا ہے اور اسی کے خون اور غلاظت میں لتھڑ جاتا ہے- اس حالت میں بھی موتتے وقت اپنی ٹانگ اٹھالیتا ہے- کہ کوئی چھینٹ نہ پڑ جائے- تُو اس برتن کی مانند ہے جو حرام سے بھرا ہوا ہے- اللہ کے بندوں کا خون تیری گردن پر ہے اور تو اس حالت میں مجھ سے لباس کے بارے میں سوال پوچھتا ہے''- یہ سب سن کر بادشاہ رونے لگا اور اپنے مرکب پر سے اتر آیا- وہیں کھڑے کھڑے بادشاہی سے ہاتھ کھینچ لیا اور شیخ کی خدمت میں داخل ہو گیا- تین روز تک شیخ نے اسے اپنی نگاہ میں رکھا- تیسرا دن گزرنے پر اس کے لیے تھوڑی سی رسی لائے اور فرمایا' اے بادشاہ مہمانی کے ایام پورے ہو گئے- اب لکڑی کاٹنے کا کام کر- شیخ کے حکم کے مطابق بادشاہ اس کام میں مشغول ہو گیا- لکڑیوں کا گٹھہ سر پر دھر کے بازار میں وارد ہوا- لوگ اسے دیکھتے تھے اور روتے تھے- اس نے گٹھہ بیچا اور اس کے مول میں سے اپنی روکھی سوکھی کے لیے کچھ گرہ میں ڈالا اور بقیہ صدقہ کر دیا- مستقل یہی معمول رہا یہاں تک کہ وفات پائی اور شیخ کے مقبرے کے باہر مدفون ہوا- آج اس کی قبر زیارت گاہ ہے- جب کبھی لوگ شیخ کی خدمت میں آ کر دعا کی درخواست کرتے شیخ ان سے فرماتے یحییٰ بن یغان سے دعا کراؤ کیونکہ وہ تخت و تاج تک پہنچنے کے بعد اس سے دستبردار ہو کر زہد و پارسائی میں مشغول ہوا- اگر میں اس پھندے میں گرفتار ہوتا جس میں یہ پھنسا ہوا تھا تو ممکن تھا کہ میں اس طرف نہ آتا-

اپنے دوسرے ماموں ابو مسلم خولانی کے بارے میں شیخ الاکبر لکھتے ہیں:

''میرے ماموں ابو مسلم خولانی اکابر ملامیتہ میں سے تھے- شب بیدار اور شب زندہ دار تھے' جب ان کی ٹانگیں تھک جاتی تھیں تو انہیں چھڑیوں سے مارتے تھے اور کہتے تھے کہ تمہیں مارنا بہتر ہے اپنی سواری کے جانور کو مارنے سے- وہ کہا کرتے تھے کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ سمجھتے ہیں کہ حضور صرف ان کے لیے ہیں- اللہ کی قسم ہم ان پر اس طرح ہجوم کر کے آپ کی طرف بڑھیں گے کہ انہیں پتہ چل جائے گا کہ انہوں نے اپنے پیچھے مردوں کو چھوڑا ہے جو آپ کے مستحق ہیں''(۱۴)

آپ کی دو بہنیں تھیں۔ اپنی کتاب الدرۃ الفاخرہ میں شیخ صالح عدوی کی سوانح حیات میں ابن عربی لکھتے ہیں کہ شیخ نے آپ سے آپ کی بہنوں کے بارے میں پوچھا جن کی ابھی شادی نہ ہوئی تھی۔ آپ نے بتایا کہ بڑی کی منگنی امیر ابوالاعلیٰ بن غازون کے ساتھ ہو چکی ہے مگر شیخ نے کہا کہ امیر اور ابن عربی کے والد دونوں اس شادی سے پہلے وفات پا جائیں گے اور ماں اور دونوں بہنوں کی کفالت ان کے کندھوں پر آن پڑے گی۔ چنانچہ یہی ہوا اور ہر طرف سے ابن عربی پر زور ڈالا جانے لگا کہ وہ ریاست کی ملازمت اختیار کر لیں۔ بلکہ خود امیر المومنین کی طرف سے آپ کو یہی پیغام ملا جس کے لانے والے قاضی القضاۃ یعقوب ابوالقاسم بن تقی تھے۔ مگر آپ نے انکار کر دیا۔ آپ کو امیر المومنین کی خدمت میں حاضر ہونے کو کہا گیا۔ امیر نے آپ کی بہنوں کے بارے میں پوچھا اور مناسب رشتہ تلاش کر کے خود ان کی شادی کرنے کی پیشکش کی مگر ابن عربی نے کہا کہ وہ یہ کام اپنے طور پر کرنا چاہتے ہیں۔ امیر نے کہا کہ وہ اس سلسلے میں اپنے آپ کو ذمہ دار سمجھتے ہیں غالباً اس طرح وہ ابن عربی کو خدمات کا صلہ دینا چاہتے تھے۔ جب ابن عربی نے بات ماننے سے انکار کر دیا تو امیر نے انہیں سوچ کر جواب دینے کو کہا اور اپنے دربان کو ہدایت کی کہ جب ان کی طرف سے جواب آئے تو خواہ دن ہو یا رات اس کی اطلاع انہیں فوراً کر دی جائے۔ ابن عربی وہاں سے رخصت ہو کر گھر لوٹے اور امیر کا ایلچی امیر کا پیغام لے کر پہنچ گیا جس میں امیر نے اپنی پیشکش کو دہرایا تھا۔ آپ نے ایلچی کا شکریہ ادا کیا اور اسی روز اپنے خاندان سمیت فاس کے لیے روانہ ہو گئے۔ امیر نے چند دنوں کے بعد آپ کے بارے میں پوچھا تو بتایا گیا کہ آپ فاس کوچ کر گئے ہیں۔ دونوں بہنوں کی شادی آپ نے وہاں پر کر دی (۱۵)

تعلیم:

مُرسیہ میں ابن عربی کا قیام صرف آٹھ برس رہا۔ ۵۶۷/ ۱۱۷۱ء میں ابن مردنیش کی وفات کے بعد مُرسیہ پر موحدوں کا قبضہ ہو گیا جس کے نتیجہ میں آپ کے خاندان کو وہاں سے ہجرت کرنا پڑی۔ چونکہ اشبیلیہ پہلے سے ہی موحدوں کے ہاتھ میں تھا اس لیے آپ کے والد لشبونہ (حالیہ پرتگال کا دارالحکومت لزبن) میں پناہ لی۔ البتہ جلد ہی اشبیلیہ کے امیر ابو یعقوب یوسف کے دربار میں آپ کے والد کو ایک معزز عہدہ (اغلباً فوجی مشیر) کی پیشکش ہوئی۔ چنانچہ آپ کے والد اپنے خاندان سمیت ۵۶۸ھ میں اشبیلیہ منتقل ہو گئے۔ اشبیلہ میں ابن عربی نے اپنی جوانی کا زمانہ گزارا۔ قریباً بارہ برس کی عمر

میں ذیل کا واقعہ پیش آیا جو حالتِ عالم مثال میں ان کا پہلا ورود تھا- فتوحات میں لکھتے ہیں:

''میں ایک دفعہ ایسا بیمار ہوا کہ حالتِ بے ہوشی میں چلا گیا یہاں تک کہ لوگوں نے مجھے مردہ سمجھ لیا- میں نے اس حالت میں بہت ہی بھیانک اور ڈراؤنے چہرے والی ایک قوم دیکھی جو مجھے آزار پہنچانا چاہتی تھی اور انکے مقابلے میں ایک نہایت حسین وجمیل اور خوشبو میں بسا ہوا شخص تھا جو انہیں مجھ سے دور کر رہا تھا یہاں تک کہ وہ شخص قوم پر غالب آ گیا- ''آپ کون ہیں؟'' میں نے پوچھا- میں سورہ یٰسین ہوں تمہارا محافظ- اس نے جواب دیا- اس کے فوراً بعد میں ہوش میں آ گیا اور دیکھا کہ میرے والد رحمۃ اللہ میرے سرہانے رو رہے ہیں اور سورۃ یٰسین پڑھ رہے ہیں- اس وقت تک وہ سورۃ ختم کر چکے تھے- میں نے جو کچھ دیکھا تھا ان کے گوش گزار کر دیا'' (فتوحاتِ مکیہ، جلد چہارم، ص ۶۴۸)

ابتدائی تعلیمی مراحل تو آپ مُرسیہ اور لشبونہ میں طے کر چکے تھے- اشبیلیہ میں آپ ۵۹۸ھ یعنی تقریباً تیس سال تک اقامت پذیر رہے- اس عرصہ کے دوران آپ حصول علم میں ہمہ تن مصروف رہے اور تمام علوم متداولہ مثلاً قرات، تفسیر، حدیث، فقہ، صرف ونحو، طب، ریاضی، فلسفہ، نجوم، حکمت اور دیگر علوم عقلیہ میں کامل دسترس بہم پہنچائی-

اساتذہ:

ابن عربی نے نامور اور اعلیٰ مقام اساتذہ سے اکتساب فیض کیا- بڑے بڑے بزرگوں سے حدیثیں سنیں اور ان سے روایت کی اجازت حاصل کی- ان اساتذہ اور مشائخ کی تعداد ستر تک پہنچتی ہے- چند اساتذہ کے کوائف حسب ذیل ہیں:

حافظ ابو بکر محمد بن خلف اللخمی (التوفی ۵۸۵ھ/۱۱۸۹ء) سے قرأت اور محمد بن شریح کی کتاب الکافی کا درس لیا- علاوہ ازیں ابو القاسم عبدالرحمٰن غالب شراط قرطبی (التوفی ۵۸۶ھ/۱۱۹۰ء)، ابوالحسن شریح بن محمد شریح رعینی، قاضی ابو محمد ابو عبداللہ بازلی (التوفی ۵۹۷ھ/۱۲۰۰ء) اور قاضی ابو بکر محمد بن احمد بن ابی حمزہ، ہر پانچ اساتذہ سے شیخ اکبر نے قراءت کی تعلیم حاصل کی- عبدالرحمٰن السہیلی (التوفی ۵۸۱ھ/۱۱۸۵ء)، حافظ قرآن، محدث اور متعدد کتب کے مصنف، مراکش میں وفات پائی) ان سے ابن عربی نے حدیث و سیر کا درس لیا- خصوصاً ان کی اپنی تصنیف روض الحنیف (جو سیرت ابن ہشام کے بارے میں ہے) کا

درس لیا- قاضی ابوعبداللہ محمد بن سعید بن دربون یا زرقون (حافظ قرآن- المتوفی ۵۸۶ھ/۱۱۹۰ء) سے ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ نمیری شاطبی کی کتب بقعی' استذکار' تمھید' استیعاب اور انتقا کا درس لیا اور روایت کی اجازت حاصل کی- ابومحمد عبدالحق بن عبداللہ اشبیلی المعروف بہ ابن خراط (فقہ' حدیث اور لغت کے بہت بڑے عالم- بجایہ کے خطیب' ۷۱ برس کی عمر میں ۵۸۱ھ میں وہیں وفات پائی-) انہوں نے اپنی معروف کتب الاحکام الصغریٰ و کبریٰ' کتاب التمجید کا شیخ اکبر کو درس دیا- نیز معروف ظاہری امام ابن حزم کی تصانیف کا بھی درس دیا- یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ عبدالحق الاشبیلی کے شیخ ابومدین (جوکہ شیخ الاکبر ابن عربی کے مرشد تھے) سے انتہائی قریبی تعلقات تھے- عبدالصمد بن محمد بن ابی الفضل بن حرستانی سے صحیح مسلم کا درس لیا اور روایت کی اجازت بھی- یونس بن یحیٰی بن ابوالحسن عباسی ہاشمی نزیل مکہ سے علم حدیث اور طریقت وسلوک وغیرہ اور خصوصاً بخاری شریف کا درس لیا- مکین الدین ابوشجاع زاہد بن رستم اصفہانی بزاز جنہیں مکہ معظمہ میں مقام ابراہیم پہ امامت کا شرف حاصل تھا سے ابوعیسیٰ بن محمد بن عیسیٰ ترمذی کی کتاب الجامع والملل کا درس اور اجازت حاصل کی- البرہان نصر بن ابی الفتوح بن عمر حصری سے سنن ابو داؤد کا درس لیا اور روایت کی عام اجازت بھی حاصل کی- سالم بن ازرق اللہ افریقی سے شیخ نے ابوعبداللہ مازری کی کتاب المعلم بفوائد مسلم کا درس لیا- محمد ابوالولید بن احمد بن محمد بن بسیل سے خود ان کی متعدد کتب پڑھیں جن میں سے نہایۃ المجتھد' کفایۃ المعتضد اور کتاب احکام الشرعہ کے اصل نسخے بھی استاد نے شیخ کو عطا کیے- ابوالوائل بن العربی سے قاضی ابن العربی کی کتاب سراج المھتدین کی سماعت کی- ابو الثنا محمود بن مظفر الملبان سے شیخ نے ابن خمیس (مجد الدین ابوعبداللہ' محمد بن محمد بن حسین رجال نام اپنے زمانہ کے مشہور فقیہہ اور قاضی- فقہ میں ابوحامد غزالی کے شاگرد المتوفی ۵۳۱ھ) کی کتب مناقب الابرار' مناسک الحج اور اخبار المنامات وغیرہ کا درس لیا- محمد بن محمد بن محمد بکری سے رسالہ قشیریہ سماعت کیا- ضیا الدین عبدالوہاب بن علی بن علی بن سکینہ' (شیخ بغداد) سے درس حدیث اور اجازت حاصل کی- ابوالخیر احمد بن اسماعیل بن یوسف تالیقانی قزوینی (پ ۵۰۲ھ قزوین وفات ۵۵۵ھ نیشاپور میں فقہ وحدیث پڑھی- بغداد میں مدرسہ نظامیہ میں پڑھاتے رہے- ہر رات ایک قرآن ختم کرتے) سے بیہقی کی تالیفات کا درس لیا اور عام اجازت بھی- اسی طرح ابوطاہر احمد بن محمد بن ابراہیم سے بھی روایت

کی اجازت حاصل کی- ابوطاہر سلفی اصفہانی (ابوطاہر صدرالدین احمد بن محمد بن احمد سلفہ بن محمد بن ابراہیم اصفہانی حروانی شافعی-۴۷۲ھ میں اصفہان میں پیدا ہوئے-تفسیر حدیث فقہ کی ابتدائی تعلیم اصفہان میں حاصل کی- بغداد میں تعلیم مکمل کی فقہ شافعی کے تبحر عالم- ادب و تجوید میں کمال حاصل کیا-صور اور اسکندریہ گئے- اسکندریہ میں ہی ۵۷۶ھ میں وفات پائی) سے شیخ نے ابوالحسن شریح رُعینی مقری اور بیہقی کی تصانیف کی سماعت کی اور روایت کی اجازت بھی حاصل کی- جابر بن ایوب حضرمی اور محمد بن اسماعیل قزوینی نے بھی روایت کی عام اجازت دی- اسی طرح معروف محدثین ابن عساکر' ابن جوزی' ابن مالک اور ابن بشکوال سے احادیث کا درس لیا اور روایت کی عام اجازت حاصل کی-

اپنی تالیفات میں شیخ اکبر نے اپنے متعدد اساتذہ اور مشائخ کا تذکرہ کیا ہے جو اپنے وقت کے عالم فاضل اور ادیب تھے ان میں سے چند کے اسمائے گرامی حسب ذیل ہیں:

ابوعبداللہ بن الغری الفاخری- ابوسعید عبداللہ بن عمر بن احمد بن منصور الصفا- قاسم بن علی بن حسنی بن ھبۃ اللہ بن عبداللہ بن حسن شافعی- یوسف بن حسن بن ابوالسقاب بن حسن- ابوالقاسم ذاکر بن کامل بن غالب-محمد بن یوسف بن علی غزنوی خفاف- ابوحفص عمر بن عبدالمجید بن عمر بن حسن بن عمر بن احمد قرشی- ابوبکر بن ابی الفتح شیخانی- مبارک بن علی بن حسین طباخ-عبدالرحمٰن بن استاد المعروف ابن علوان' عبدالجلیل بن موسیٰ زنجانی (المتوفی ۶۰۸ھ/۱۲۱۱ء سے تفسیر اور حدیث پڑھی) ابوالقاسم ھبۃ اللہ بن شداد موصلی- احمد بن ابن منصور-محمد بن ابی المعالی صوفی المعروف ابن انشاء-محمد بن ابی بکر طوسی- مہذب بن علی بن ھبۃ اللہ ضریر- رکن الدین احمد بن عبداللہ بن احمد بن عبدالقاہر طوسی خطیب-شمس الدین ابو عبداللہ قرمانی-عبدالعزیز بن اخضر- ابوعمران عثمان بن ابی یعلی بن ابی عمر ابہری شافعی-سعید بن محمد بن ابی المعالی-عبدالحمید بن محمد بن علی بن ابی المرشد قزوینی- ابوالنجیب قزوینی-محمد بن عبدالرحمٰن بن عبدالکریم فاسی- ابوالحسن علی بن عبداللہ بن حسین رازی- احمد بن منصوری جوزی- ابومحمد بن اسحاق بن یوسف بن علی- ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حجری (المتوفی ۵۹۱ھ/۱۱۹۴ء محدث- ابن عربی نے رمضان ۵۸۹ھ میں اُن سے احادیث کی سماعت کی)- ابوالصبر ایوب بن احمد مقری (المتوفی ۶۰۹ھ/۱۲۱۲ء سے حدیث کی سماعت کی)' ابوبکر محمد بن عبید سکسکی' عبدالودود بن سمعون (المتوفی ۶۰۸ھ/۱۲۱۱ء- المنقب کے قاضی تھے)' قاضی عبدالمنعم بن قرشی خزرجی (المتوفی ۵۹۷ھ/۱۲۰۰ء)-علی بن عبدالواحد بن جامع- ابوبکر بن حسین

قاضی مرسیہ- ابو جعفر بن یحییٰ ورعی ابن ہزیل- ابو عبداللہ بن فخار مالقی محدث- ابوالحسن بن صائغ انصاری- موسیٰ بن عمران میرتلی (التوفی ۶۰۴ھ/ ۱۲۰۷ء) الحاج محمد بن علی بن اخت ابی الربیع مقویٰ علی بن نضر -(۱۶)

ابوزید عبدالرحمٰن السہیلی (التوفی ۵۸۱ھ/ ۱۱۸۵ء) سے حدیث اور سیرت کا درس لیا- ابن ابی جمارہ (التوفی ۵۹۹ھ/۱۲۰۲ء سے قرات کا درس لیا) - ابوالولید ابن العربی سے ۵۹۲ھ میں ان کے گھر اشبیلیہ میں حدیث کی سماعت کی- محمد بن علی ابن الآس الہاجی سے فقہ کی تعلیم حاصل کی- عبدالحق ابن الخراط الاشبیلی (التوفی ۵۸۱ھ/ ۱۱۸۵ء- (محاضرۃ الابرار کے صفحہ ۲۶، جلد اول پر ابن عربی لکھتے ہیں کہ انہوں نے عبدالحق سے بذریعہ خط وکتابت حدیث کی تعلیم حاصل کی) - ابن مقدم الرعینی (علی بن محمد) التوفی ۶۰۴ھ/ ۱۲۰۷ء سے حدیث کا درس لیا- یحییٰ بن محمد ابن الصائغ الانصاری التوفی ۶۰۰ھ/۱۲۰۳ء سے حدیث کی سماعت کی- جابر بن ایوب الحضرمی (التوفی ۵۸۷ھ/۱۱۹۱ء یا ۵۹۶ھ/ ۱۲۱۹ء-) اشبیلیہ میں ان کی صحبت میں رہے اور ان سے حدیث کی سماعت کی اور اجازت حاصل کی- محمد بن علی بن اخت المغری- محمد بن عشون- محمد بن قاسم الفاسی (التوفی ۶۰۳ھ/ ۱۲۰۶ء)- محمد بن صاف الخمی (التوفی ۵۸۵ھ/ ۱۱۸۹ء) سے قرآن اور قراءت کی تعلیم حاصل کی- یحییٰ بن ابی علی الزواوی التوفی ۶۱۱ھ/۱۲۱۴ء سے حدیث اور فقہ کا درس لیا-(۱۷)

عبدالمنعم الجلیانی- (ادیب، شاعر اور حکیم ۶۰۲ھ/ ۱۲۰۵ء میں دمشق میں فوت ہوئے- فتوحات جلد دوم صفحہ ۱۲۹ پر ان کا تذکرہ موجود ہے لیکن یہ معلوم نہیں کہ ابن عربی انہیں کہاں ملے مغرب میں یا مشرق میں-) ابوذر ابن ابی رکب الخشنی - (شاعر، فلسفی، فقیہ، خطیب اور قاضی- ابن عربی انہیں اشبیلیہ میں ملے اور ادب پر ان کے درس سے مستفید ہوئے اور انہیں "سیدی" کہہ کر بلایا- ۶۰۴ھ/ ۱۲۰۷ء میں وفات پائی-) ابن فرقد (التوفی ۶۲۴ھ/ ۱۲۲۷ء، شاعر اور غرناطہ کے قاضی) ابن عربی کو اپنی منظومات سنائیں-(۱۸)

ابن رُشد سے ملاقات:

شیخ اکبر کے غیر معمولی علم وعرفان کا چرچا جب اندلس میں پھیلنا شروع ہوا تو مشہور فلسفی اور

قرطبہ کے قاضی القضاۃ ابوالولید ابن رشد نے ان سے ملاقات کا اشتیاق ظاہر کیا۔ ابن رشد، ابن عربی کے والد کے دوست بھی تھے۔ چنانچہ شیخ کے والد نے ابن رشد کی خواہش پوری کر دی جس کے نتیجہ میں یہ اہم تاریخی ملاقات ہوئی۔ یہ دو عظیم شخصیتوں کی ملاقات تھی۔ ایک عقل اور دلیل و برہان کا نمائندہ اور دوسرا کشف و عرفان کا بحر بیکراں۔ اس ملاقات کا احوال ابن عربی نے **فتوحات مکیہ** میں ان الفاظ میں بیان کیا ہے۔

''میں ایک روز قرطبہ میں وہاں کے قاضی ابوالولید ابن رشد کے پاس گیا۔ انہیں میری ملاقات کا شوق تھا۔ اس سبب سے جو انہوں نے میرے بارے میں سن رکھا تھا اور مجھ پر اللہ نے میری خلوت میں جو اسرار کھولے تھے، جن کے بارے میں ان کو پتہ چلا تھا۔ وہ ان سنی ہوئی باتوں پر تعجب کا اظہار کرتے تھے۔ میرے والد نے مجھے کسی حاجت کے سلسلے میں ان کے پاس بھیجا تھا اس قصد کے ساتھ کہ وہ مجھ سے ملیں کیونکہ وہ آپ کے دوستوں میں سے تھے اور میں ابھی بچہ تھا، میری مسیں ابھی نہ بھیگی تھیں۔ جب میں ان کے مکان میں داخل ہوا تو وہ محبت اور تعظیم کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مجھ سے معانقہ کیا پھر مجھ سے کہا ''واقعی'' میں نے ان سے کہا ''ہاں'' اس پر ان کو بہت خوشی ہوئی کہ میں نے ان کی بات کو سمجھ لیا تھا۔ پھر میں جان گیا کہ وہ کیوں اس بات پر خوش ہوئے تھے تو میں نے ان سے کہا ''نہیں'' اس پر انہیں انقباض ہوا اور ان کا رنگ بدل گیا اور انہیں اپنے علم کے بارے میں شک پیدا ہوا۔ انہوں نے کہا، تم نے کشف اور فیض الٰہی میں اس امر کو کیسا پایا۔ کیا وہ وہی کچھ ہے جو ہمیں سوچ و بچار سے ملتا ہے۔ میں نے کہاں: ''ہاں اور نہ، اور ہاں اور نہ کے مابین روحیں اپنے مواد سے اور گردنیں اپنے اجسام سے اڑتی ہیں۔ ☆(۱۹) اس پر ان کا رنگ زرد پڑ گیا اور وہ کانپنے لگے اور بیٹھ کر لاحول ولاقوۃ الا باللہ کی تکرار کرنے لگے کیونکہ وہ اس چیز کو جان گئے تھے جس کی طرف میں نے اشارہ کیا تھا اور یہ بالکل وہی مسئلہ تھا۔ جس کا ذکر اس قطب امام یعنی مداوی الکلوم ☆(۲۰) نے کیا تھا۔ اس کے بعد انہوں نے میرے والد سے دوبارہ ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا تا کہ وہ اپنا خیال مجھ پر ظاہر کر سکیں اور دیکھیں کہ ان کی فکر میری فکر سے موافقت رکھتی ہے یا نہیں۔ بے شک وہ ارباب فکر و دانش میں سے تھے

۔۔۔بعدازاں ابن رشد اللہ ان پر رحم کرے مجھ پر اس طرح مکشوف ہوئے کہ میرے اور ان کے درمیان صرف ایک مہین سا پردہ حائل تھا اور میں اس پردے کے پار ان کو دیکھ رہا تھا وہ مجھے نہیں دیکھ رہے تھے۔ دراصل وہ غور و تامل میں مستغرق تھے۔۔۔اس کے بعد میری ان سے ملاقات نہ ہوسکی۔ ۵۹۵ھ میں مراکش میں ان کا انتقال ہوگیا۔ ان کو قرطبہ لاکر دفن کیا گیا۔ ان کا تابوت ایک باربردار جانور پر ایک طرف لدا ہوا تھا اور وزن برابر کرنے کے لئے دوسری طرف ان کی تصانیف لدی گئی تھیں۔ میں بھی وہاں کھڑا تھا۔ میرے ساتھ فقیہہ و ادیب ابوالحسن محمد بن جبیر کاتب (سیکرٹری)، سید ابوسعید اور میرے دوست ابوالحکم عمرو بن السراج الناسخ بھی تھے۔ ابوالحکم نے میری طرف رخ کرتے ہوئے کہا ''ذرا دیکھیے تو اس سواری پر امام ابن رشد کا وزن برابر کرنے کو کیا لادا گیا ہے؟ ایک طرف امام اور دوسری طرف ان کے اعمال یعنی ان کی تصانیف۔ ابن جبیر نے جواب دیا ''بیٹا جو دیکھ رہے ہو وہی ٹھیک ہے'' **لا فُضّ فوك** (تیرا منہ نہ ٹوٹ جائے)۔ میرے لیے ابن رُشد کی موت سامانِ عبرت اور موعظت تھی۔ اللہ تعالیٰ سب پر اپنی رحمت کرے۔ ان سب لوگوں میں سے صرف میں ہی بقید حیات ہوں۔ اس کے بارے میں میرا شعر ہے۔

ھذا الامام و ھذہ اعمالہ   یا لیت شعری ھل اتت امالہ

(یہ امام اور یہ اس کے اعمال تھے۔ کاش مجھے معلوم ہوتا کہ اس کا مآل کیا ہوا۔''

(فتوحات مکیہ، جلد اول، ص ۱۵۳، ۱۵۴)

ابتدائی مشاغل:

علم میں ان کی بلند مقامی نے حکومت اشبیلیہ کو ان کی طرف متوجہ کیا جس کے نتیجہ میں انہیں دبیر اور کاتب (سیکرٹری) کا عہدہ ملا جو دیوان سلطنت کا اہم عہدہ تھا۔ آپ کے والد بھی وزیر ریاست رہے اور آپ کے خاندان کا شمار مملکت کے باوقار لوگوں میں ہوتا تھا۔ وہ دور نغمہ و شعر اور عیش و طرب میں گزرا جس میں شکار جیسے مشاغل شامل تھے۔ ابن عربی اس دور کو ''دور جاہلیت'' سے موسوم کرتے ہیں۔

فتوحات میں ایک واقعہ درج ہے:

''زمانہ جاہلیت میں ایک سفر میں اپنے والد کے ساتھ تھا قرمونیہ اور بلمہ کے درمیان سے گزر رہا تھا کہ اچانک گورخروں کا ایک جتھا سامنے آ گیا جو گھاس چرنے میں مگن تھا حالانکہ میں ان کے شکار کا بہت شوقین تھا لیکن میں نے دل ہی دل میں تہیہ کر لیا کہ ان میں سے کسی کو بھی شکار کر کے تکلیف نہیں پہنچاؤں گا - میرے خدام اس وقت دور تھے - میرے گھوڑے نے جیسے ہی گورخروں کو دیکھا تو ان کی طرف زقند بھرنے کو ہوا مگر میں نے اسے روک لیا اور اس حالت میں کہ نیزہ میرے ہاتھ میں تھا' میں ان کی ڈار میں داخل ہو گیا - ان میں سے بعضوں کی پشت سے نیزہ ٹکرایا بھی لیکن وہ چرنے میں ایسے منہمک رہے کہ خدا کی قسم سر نہیں اٹھایا یہاں تک کہ میں ان کے بیچ میں سے ہوتا ہوا نکل آیا - ذرا دیر بعد میرے خادم مجھ سے آ ملے انہیں دیکھتے ہی گورخر بھاگ گئے - میں اس وقت یہ سارا معاملہ سمجھنے کے قابل نہیں تھا ہاں جب اس طریق یعنی طریق خدا میں قدم رکھا تو اس کا بھید سمجھ میں آیا - وہ یہ ہے کہ میرے دل میں ان کے لیے جو امان تھی وہ ان کے نفوس میں سرائت کر گئی تھی'' (جلد چہارم، ص ۵۴۰)

تصوف و سلوک میں ورود اور مشائخ سے اکتساب فیض:

صفر ۵۸۰ھ/۱۱۸۴ء میں شیخ نے ۲۰ یا ۲۱ برس کی عمر میں جادہ سلوک میں قدم رکھا - ☆(۲۱) اس سے پہلے بھی ان کی صحبتیں صوفیا اور مشائخ اشبیلیہ سے کبھی کبھار رہتی تھیں - اس کا سبب حلب میں ابن الشعار سے بدھ ۶ ربیع الاول ۶۳۵ھ کو ہونے والی ملاقات میں شیخ نے یہ بتایا کہ وہ امیر ابو بکر یوسف بن عبدالمومن کی ملازمت کے زمانے میں ایک مرتبہ امیر مذکور کے ہمراہ مسجد قرطبہ میں گئے اور وہاں امیر کو رکوع و سجود کرتے اور خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑاتے دیکھ کر انہیں یہ خیال آیا کہ اگر اتنے وسیع علاقے کا بادشاہ ہو کر بھی اس شخص کی اللہ تعالیٰ کے سامنے یہ کیفیت ہے تو پھر دنیا کی کچھ حقیقت نہیں اسی دن ملازمت سے طبیعت اکھڑ گئی اور راہِ طریقت پر گامزن ہو گئی ☆(۲۲) اسی دوران ایک اور واقعہ پیش آ گیا ہوا یوں کہ آپ اشبیلیہ کے کسی امیر کبیر کی دعوت میں مدعو تھے جہاں پر آپ کی طرح دوسرے رؤسا کے بیٹوں کو بلایا گیا تھا - کھانے کے بعد جب جام گردش کرنے لگا اور صراحی آپ تک پہنچی اور آپ نے جام کو ہاتھ میں پکڑا تو غیب سے آواز آئی: ''اے محمد! کیا تم کو اس لیے پیدا کیا گیا تھا؟'' آپ نے جام کو رکھ دیا اور پریشانی کے عالم میں دعوت سے باہر نکل گئے - دروازے پر آپ نے وزیر کے

چرواہے کو دیکھا جس کا لباس مٹی سے اٹا ہوا تھا آپ اس کے ساتھ ہو لیے اور شہر سے باہر اپنے کپڑوں کا اس کے کپڑوں سے تبادلہ کیا۔ کئی گھنٹوں تک ویرانوں میں گھومنے کے بعد آپ ایک قبرستان میں پہنچے جو ایک نہر کے کنارے واقع تھا۔ آپ نے وہاں قیام کا فیصلہ کیا اور ایک ٹوٹی ہوئی قبر میں جا اترے۔ دن رات ذکر الٰہی میں مصروف ہو گئے۔ نماز کی ادائیگی کے لیے قبر سے باہر نکلتے۔ چار روز کے بعد آپ واپس آئے۔ ☆(۲۳) اس کے بعد کی کیفیات کے بارے میں فتوحات میں لکھتے ہیں:

"میں نے اپنا سب کچھ پس پشت ڈالا۔ اس وقت میرا ایسا کوئی مرشد و رہنما نہیں تھا جسے میں اپنے معاملات اور ترکہ تفویض کرتا۔ اسی لیے میں نے اپنے والد سے رجوع کیا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔ میں نے سب کچھ ترک کر دیا تھا۔ اس وقت میں نے کسی مرشد کے ذریعے خدا کی جانب مراجعت کی اور نہ ہی اس راہ کے کسی آدمی سے ملا میں تو اپنے آپ سے بھی کٹ کے رہ گیا تھا جیسے ایک مردہ شخص اپنے خاندان اور اپنی اشیاء سے۔ میں نے اپنے والد سے رجوع کیا۔ انہوں نے میرے پاس جو کچھ تھا اس کے بارے میں پوچھا میں نے سب کچھ ان کے حوالے کر دیا" (فتوحات مکیہ، جلد دوم، ۵۴۸)

طریق عرفان میں وارد ہونے کے بعد آپ کی ملاقات ابوالعباس عرینی سے ہوئی۔ شیخ الاکبر نے فتوحات میں ان کا نام ابوالعباس عرینی اور درۃ الفاخرہ میں عبداللہ عرینی لکھا ہے۔ رسالۃ روح القدس میں ان کا تعلق بلادِ مغرب سے بتایا ہے اور ان کا نام ابو جعفر احمد عرینی لکھا ہے اور ان کے زہد و تقویٰ کی بے حد مدح کی ہے، لکھتے ہیں:

"ابو جعفر احمد عرینی جب اشبیلیہ تشریف لائے تو میں طریق عرفان میں نو وارد تھا۔ میں سب سے پہلے ان کی زیارت کو گیا۔ میں نے انہیں ذکر الٰہی میں اس طرح مشغول پایا کہ اللہ کے سوا کسی کا دھیان نہ تھا۔ میں نے انہیں نام لے کر مخاطب کیا تو وہ میری طرف متوجہ ہوئے مجھے دیکھتے ہی میرا حال جان لیا اور پوچھا کیا تو نے اللہ کے راستے پر چلنے کا پکا ارادہ کر لیا ہے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں' بندہ ارادہ کر سکتا ہے لیکن اسے ثبات دینے والا خدا ہے۔ یہ سن کر مجھے ہدایت کی "سد الباب واقطع الاسباب وجالس الوهاب يكلمك ان من دون حجاب" میں نے اس ہدایت پر عمل کیا یہاں تک کہ کامیاب ہو گیا۔ حالانکہ وہ

دیہاتی تھے بلکہ اُمّی - لکھنا پڑھنا اور حساب کتاب نہیں جانتے تھے'' (۲۴)

فتوحات میں یہ واقعہ تحریر کیا ہے:

''اپنے شیخ ابوالعباس عریبی کے پاس اس حال میں پہنچا کہ سخت دل گرفتہ اور بے زار تھا- جب دیکھتا تھا کہ خلقت حق کی مخالفت میں مصروف ہے تو یوں لگتا تھا کہ زمانہ مجھ پر تاریک ہو گیا- میری یہ حالت دیکھ کر میرے مرشد نے مجھ سے فرمایا خدا سے تمسک کر- میں وہاں سے اٹھ کر ایک اور بزرگ ابوعمران میرتلی ☆(۲۵) کے ہاں پہنچا- انہوں نے میرا حال دیکھا اور کہا اپنے نفس سے تمسک کر- یہ سن کر میں ان سے بولا' سیّدی! میں آپ دونوں کے درمیان حیران کھڑا ہوں- ابوالعباس فرماتے ہیں خدا سے تمسک کر اور آپ کا ارشاد ہے اپنے نفس سے--- اور آپ دونوں ہی طریق حق کے امام اور سردار ہیں- اس بات پر ابوعمران نے گریہ کیا اور کہا: میرے دوست' جس طرف ابوالعباس نے تیری رہنمائی فرمائی ہے وہی حق ہے- تجھے چاہیے کہ ان کے حکم پر چل اور جو بات میں نے کہی ہے وہ میرے احوال کا اقتضاء تھا میں امیدوار ہوں کہ خدا مجھے اس مقام کی طرف پہنچائے جس کی طرف ابوالعباس نے اشارہ فرمایا ہے- بس ان کی بات پر کان دھر' کیونکہ وہ حقائق کو تجھ سے اور مجھ سے زیادہ جانتے ہیں- سبحان اللہ اس قوم میں کتنا انصاف پایا جاتا تھا پھر میں ابوالعباس کی طرف پلٹا اور انکے سامنے ابوعمران کی گفتگو دہرادی- ابوالعباس نے فرمایا- ''ابوعمران نے اچھی بات کہی ہے- انہوں نے تجھے طریق کی طرف بلایا ہے- اور میں نے رفیق کی طرف پس دونوں اقوال پر عمل کر کہ اس صورت میں رفیق اور طریق جمع ہو جائیں گے''۔

(فتوحات مکیہ، جلد دوم، باب ۹۲، ص ۱۷۷)

فتوحات میں ہی ایک اور جگہ ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ایک بار میرے اور شیخ ابوالعباس عریبی کے بیچ ایک مسئلہ پیش آیا- وہ کسی شخص کے بارے میں تھا- شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ وہ آدمی فلاں بن فلاں ہے- اور ایک شخص کا نام لیا جسے میں نام سے جانتا تھا- خود اسے نہیں دیکھا تھا لیکن اس کے پھوپھی زاد بھائی کو میں نے دیکھ رکھا تھا- میں نے اس کے بارے میں توقف کیا اور شیخ کی بات کو قبول نہ کیا کیونکہ میں اس

سارے معاملے سے آگاہ تھا- شیخ کو میرے اس عمل سے تکلیف پہنچی جسے انہوں نے ظاہر نہ ہونے دیا- میں اس صورت حال سے بے خبر تھا کیونکہ وہ میرا ابتدائی زمانہ تھا- ان کے پاس سے اٹھ کر اپنے گھر کی طرف آ رہا تھا کہ راستے میں ایک شخص جسے میں نہیں پہچانتا تھا میرے سامنے آ گیا- پہلے شفیق دوست کی طرح مجھے سلام کیا پھر مجھ سے مخاطب ہوا اور کہا' اے محمد! فلاں کے بارے میں شیخ ابوالعباس کا قول باور کر- پھر اس شخص کا وہی نام لیا جو میں نے ابوالعباس عرینی کی زبان سے سنا تھا- میں اس کی مراد کو سمجھ گیا اور کہا: بہتر اور اسی وقت شیخ کی طرف پلٹ گیا تا کہ انہیں یہ ماجرا سنا دوں- جیسے ہی میں ان کے سامنے پہنچا انہوں نے مجھ سے فرمایا: اے ابا عبداللہ! میں نے تیرے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا لیکن اسے ماننے میں تیرے دل نے ہٹ دکھائی لہذا میں خضرؑ کی تصدیق کا محتاج ہو گیا- اور یہ کیا بلکہ اب ہر مسئلے میں یہی ہو گا- میں نے عرض کی شاید توبہ کا دروازہ کھلا ہے- انہوں نے ارشاد فرمایا تیری توبہ قبول ہو گئی- میں نے سمجھ لیا کہ وہ بزرگ حضرت خضرؑ تھے- شیخ سے پوچھا تو انہوں نے کہا ''ہاں وہ خضر ہی ہیں''۔ (فتوحات مکیہ، جلد اول، باب ۲۵، ص ۱۸۶)

اس کے بعد آپ نے اپنے شیخ کی زیر نگرانی نو ماہ کا ایک چلہ کاٹا- اسماعیل بن سودکین النوری (التوفی ۶۴۶ھ/ ۱۲۴۸ء) کتاب وسائل السائل کے صفحہ ۲۱ پر آپ سے ایک ملاقات کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ آپ نے النوری سے کہا:

''میری خلوت فجر کے وقت سے شروع ہوئی اور فتح (اسرار کا کھلنا) طلوع الشمس سے قبل وقوع میں آئی- فتح کے بعد مجھ پر ابدار☆ (۲۶) کی حالت وارد ہوئی اور اس کے علاوہ دوسرے مقامات ترتیب وار آئے- میں اپنی جگہ پر قائم رہا- چودہ مہینوں تک ان سارے اسرار تک رسائی حاصل کی جنہیں میں نے فتح کے بعد تالیف کیا ہے اور میری فتح اس لحظہ میں ایک جذب (کی طرح) تھی'' (۲۷)

روحانی تجربہ کے بعد آپ نے ملازمت سے ہاتھ اٹھا لیا اور طریقہ کے دوسرے لوگوں کی طرح فقر کو اپنا شعار بنا لیا- شیخ یوسف بن مخلف الکومی ☆ (۲۸) کو خبر پہنچی کہ ابن عربی اپنا وقت قبرستانوں میں گزارتے ہیں چنانچہ انہوں نے کسی موقعہ پر کہا کہ سنا ہے ابن عربی نے زندوں کی مجلس کو چھوڑ کر مُردوں

کی مجلس کو اختیار کر لیا ہے- ابن عربی نے انہیں پیغام بھیجا کہ آپ خود آ کر دیکھیں کہ میں کن لوگوں کے ساتھ مجلس لگاتا ہوں چنانچہ ایک روز وہ ظہر کی نماز ادا کرنے کے بعد قبرستان گئے جہاں پر ابن عربی حاضر ہونے والی ارواح کیساتھ بات چیت کر رہے تھے- شیخ یوسف دھیرے سے آپ کے پہلو میں جا کر بیٹھے اور ابن عربی نے دیکھا کہ ان کا رنگ فق ہو گیا ہے- ابن عربی نے ان کی طرف مسکرا کر دیکھا مگر شیخ یوسف اپنے اندرونی کرب کے سبب مسکرا نہ سکے- جب مجلس ختم ہوئی تو استاد کے چہرے پر رونق لوٹ آئی اور انہوں نے شاگرد کی پیشانی کو چوما- ابن عربی نے پوچھا: استاد! کون مُردوں کے ساتھ مجلس لگاتا ہے' میں یا آپ؟ شیخ یوسف نے کہا ''خدا کی قسم میں مُردوں کیساتھ مجلس کرتا ہوں- اگر مجھ پر حال وارد ہو جائے تو میں سب کچھ چھوڑ دوں' اس کے بعد وہ لوگوں سے کہا کرتے تھے کہ جو کوئی لوگوں سے منہ موڑنا چاہتا ہے اسے ابن عربی کی طرح کرنا چاہیے کیونکہ اس میں عالم الغیب کی استقامت کا علم ہے اور وہ مخالف سے نپٹنے کی صلاحیت رکھتا ہے اور وہ عالم الوفاق ہے اور اس میں ایسا علم پایا جاتا ہے جس پر انسانی قوئی قدرت نہیں رکھتے -(۲۹)

اشبیلیہ میں قیام کے دوران شیخ اکبر نے اپنے دور کے متعدد سالکین و عارفین سے ملاقاتیں کیں اور ان سے اکتساب فیض بھی کیا جن کا ذکر انہوں نے اپنی متعدد تصانیف میں کیا ہے- ویسے تو وہ ان سب کو اپنا شیخ کہتے تھے لیکن ان کے اصل شیخِ طریقت بجایہ (تیونس) کے شیخ ابومدینؒ ☆(۳۰) ہی تھے-

شیخ الاکبر کے اشبیلیائی شیوخ ابو یعقوب یوسف الکومی' موسیٰ ابوعمران سدرانی' صالح عدوی' ابوالعباس الخشاب وغیرہ نے ابومدین کے بارے میں انہیں کچھ ایسی حکایات سنائیں کہ ابومدین سے ملنے کا شوق بڑھتا گیا- ابن عربی کی خود اپنی روایت کے مطابق موسیٰ ابوعمران سدرانی ۵۸۶ھ میں ابومدین کی ہدایت پر بجایہ سے ابن عربی سے ملنے اشبیلیہ آئے- اس کی تفصیل شیخ الاکبر روح القدس میں یوں بیان کرتے ہیں:

''جس زمانے میں شیخ ابومدین حیات تھے ایک دن نماز مغرب کے بعد میں اپنے گھر میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک میرے دل میں آیا کہ کاش شیخ ابومدین سے ملاقات ہو سکتی- شیخ اس وقت بجایہ میں تھے جو اشبیلیہ سے پینتالیس روز کی مسافت پر ہے' یہی سوچتے ہوئے دو رکعت نفل کی نیت باندھ لی- ابھی سلام پھیرا ہی تھا کہ ابوعمران وارد ہو گئے- انہوں نے مجھے سلام کیا-

میں نے انہیں اپنے پہلو میں بٹھالیا اور پوچھا: کہاں سے آرہے ہو بولے بجایہ سے' ابو مدین کے پاس سے آرہا ہوں- میں نے دریافت کیا تم نے انہیں کس وقت دیکھا؟ کہنے لگے ابھی مغرب کی نماز ان کے ساتھ ادا کی ہے- نماز ختم ہوئی انہوں نے میری طرف رخ کر کے فرمایا: اشبیلیہ میں محمد بن عربی کے دل میں ایسے ویسے خطرات گزر رہے ہیں تم ابھی ان کی طرف روانہ ہو جاؤ اور میری طرف سے انہیں یہ خبر دے دو- پھر ابو عمران نے اس آرزو کا حوالہ دیا جو کچھ دیر پہلے شیخ ابو مدین کی زیارت کے لیے میرے دل میں پیدا ہوئی تھی- اور کہا کہ ابو مدین فرماتے ہیں: ''تمہاری اور میری روح کے درمیان کامل وصل ہے لیکن جسم کے ساتھ ہماری ملاقات کو خداوند تعالیٰ نے اس جہان میں منع فرما دیا ہے'' (روح القدس، ص۱۱۳،۱۱۴)

چنانچہ شیخ الاکبر بجایہ دو بار گئے- پہلی مرتبہ ۵۹۰ھ میں اور دوسری بار ۵۹۷ھ میں جب شیخ ابو مدین نے وفات پائی- شیخ الاکبر ان کے برکات و فیوض سے مستفید ہوئے اور ان کے خلفا اور مصاحبین کی صحبت و خدمت میں تربیت پائی- فتوحات میں انہیں رجال غیب' ملک الملک کا اقطاب اور عالم علوی میں ابو النجاریہ کا نام دیا- فتوحات میں لکھتے ہیں:

''وہ میرے شیوخ میں سے تھے- ۵۸۹ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے- ہمارے شیخ کا وہ مقام تھا کہ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن میں میری سورت تبارک الذی بیدہ الملک ہے'' (فتوحات مکیہ، جلد چہارم، باب ۵۵۶، ص ۱۹۵)

مزید لکھتے ہیں:-

''بلاد مغرب میں ہمارے شیخ ابو مدین کام کاج سے ہاتھ کھینچ کر توکلاً علی اللہ بیٹھ گئے اور ان کا خدام کے بھروسے پر بیٹھ جانا عجیب شان رکھتا تھا'' (فتوحات، جلد اول، ص ۶۵۵)

ابن عربی ان کے کلام کو بے لاگ' کشف کو صحیح اور گفتگو کو پرشکوہ کہتے ہیں محاضرۃ الابرار و مسافرۃ الاخیار میں شیخ الاکبر نے کسی کا نام لیے بغیر ایک مرد صالح کا کشف نقل کیا ہے کہ اس نے دیکھا کہ اقطاب صوفیہ کی ایک بڑی جماعت جس میں ابو حامد غزالی' ابو طالب مکی' ابو یزید بسطامی اور بہت سے دیگر لوگ شامل ہیں ابو مدین سے ایک ایک کر کے عرفان کے اہم مسائل اور توحید و تصوف کے نکات پر سوال کر رہے ہیں- اور وہ انہیں جواب دے رہے ہیں- ابو حامد غزالی نے ابو مدین سے ان کی معرفت

اور محبت کا بھید معلوم کیا تو انہوں نے جواب میں فرمایا:-

''محبت میری سواری ہے' معرفت میرا راستہ ہے اور توحید میری منزل- محبت کا ایک راز ہے جو فاش نہیں ہو سکتا- اس کے ادراکات عبارت میں نہیں آتے اور اس کے منبع اور سر کی تعریف نہیں ہو سکتی اور جسے یہ مل جائے اس میں سخاء بڑھ جاتی ہے- خواص کے لیے یہ بہت اچھا راستہ ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے'' وہ انہیں دوست رکھتا ہے اور وہ اسے (سورہ مائدہ- آیت ۵۹) سوائے برادر! معرفت میرا فخر ہے اور میرے اسرار و حقائق کی اصل ہے اور اس کا پھل توحید ہے- عروج اسی سے ہے اور اسی میں توحید اصل ہے اور اس کے سوا سب کچھ فروع ہیں- یہ غایت مقامات اور نہایت احوال ہے اور حق کے علاوہ سب گمراہی ہے''(۳۱)

اشبیلیائی مشائخ:

اشبیلیہ میں انہوں نے جن مشائخ عظام سے ملاقاتیں کیں اور مستفید ہوئے ان میں سے چند کے اسماء یہ ہیں: ابوالعباس عربی، ابو عمران موسیٰ بن عمران میرتلی، ابو یعقوب یوسف بن یخلف الکومی (ان تینوں مشائخ کا ذکر پہلے آ چکا ہے) کے علاوہ ابوالحجاج شبر بلی ☆(۳۲) ابو یحییٰ صنہاجی ضریر ☆(۳۳) صالح عدوی ☆(۳۴) ابو عبداللہ محمد خیاط ☆(۳۵) ابو عبداللہ بن قیسوم ☆(۳۶) ابو احمد سلاوی ☆(۳۷) ابو عبداللہ بن زین یابُری ☆(۳۸) فاطمہ بنت ابن المثنیٰ قرطبی ☆(۳۹)

دیگر مشائخ میں موسیٰ ابو عمران سدرانی' ابو علی حسن شکاز' ابو عبداللہ محمد شرفی' ابن جمہور' صالح البربری' صالح الخراز' عبداللہ خیاط' ابوالعباس احمد بن ہمام' ابوالعباس بن تاجہ' ابوالعباس احمد بن منذر' ابو وکیل میمون بن تونسی' ام الزہرا، ابو عبداللہ قسطیلی، ابن العاص ابو عبداللہ باجی اور محمد حداد وغیرھم شامل ہیں-

اسفار و فتوحات:

شیخ الاکبر کی زندگی کے پہلے چھتیس سال مغرب میں اور دوسرے چھتیس سال مشرق کی سیاحت و اسفار میں گزرے- اسفار و سیاحت کے آغاز میں شیخ الاکبر اشبیلیہ سے قبر یق، جو رندہ کے

مضافات میں ایک قصبہ ہے، میں جا کر ابوعبداللہ بن جنید قبرفیقی سے ملے جو معتزلی تھے- ان سے اسم قیوم سے تخلق کے موضوع پر مناظرہ کیا- نتیجۃً وہ اعتزال سے دستبردار ہو گئے- شیخ الاکبر انہیں مشائخ میں تو شمار کرتے ہیں مگر اپنے مشائخ میں نہیں- انہوں نے اپنے زمانہ کے مشہور صوفی عبداللہ بن استاد موروری سے ملنے کیلئے اشبیلیہ سے مورور (اندلس کا ایک شہر) کا سفر کیا- اور ان کی فرمائش پر اپنی پہلی کتاب التدبیرات الٰہیہ تصنیف کی- کتاب مذکورہ ارسطو سے منسوب ایک کتاب سر الاسرار کی توضیح ہے- شیخ عبداللہ، شیخ ابو مدین کے خاص شاگردوں میں سے تھے- شیخ الاکبر نے شیخ عبداللہ موروری کی بلند ہمتی اور صداقت کی تعریف کی ہے- اور انہیں معتبر و صادق اور قطب متوکلان بتایا ہے- فتوحات میں اس طرح کا بیان ہے:

> جب اللہ نے مجھے قطب متوکلان کے وجود سے آگاہ فرمایا تو میں نے دیکھا کہ خود توکل ایک شخص کے گرد گھوم رہا ہے جیسے چکی کا پاٹ اپنے میخ پر اور وہ عبداللہ موروری تھے- ان کا تعلق اندلس کے شہر مورور سے تھا- اپنے زمانے کے قطب توکل تھے- میں نے انہیں خدا کے فضل سے کشف کے ذریعے دیکھا- ان سے گفتگو کی اور جب ان سے شرائط ظاہری کے ساتھ ملاقات ہوئی تو میں نے انہیں پہچان لیا جس پر انہوں نے تبسم کیا اور خدا کا شکر بجا لائے-
>
> (جلد چہارم، باب ٦، ص ٦٧)

٥٨٦ھ میں ابن عربیؒ مرشانہ گئے اور اس شہر کی مسجد کے خطیب عبدالمجید بن سلمہ سے جو صوفیا کے احوال سے آگاہ تھے، ملاقات کی- عبدالمجید اہل مجاہدہ میں سے تھے اور ریاضت میں ثابت قدم خود کو تلاوت کلام پاک کے لیے وقف کر رکھا تھا- وہ شمس ام الفقراء کی خدمت میں رہے تھے- مشائخ کی بڑی تعداد ان سے ہدایت یافتہ تھی- ابن عربی نے اسی شہر میں مذکورہ شمس ام الفقراء سے بھی ملاقات کی- شمس جن کا نام یاسمین یا شمس مسن بھی بتایا جاتا ہے اپنی زمانے کے بڑے عرفا میں سے تھیں- ابن عربی پر خاص عنایت فرماتی تھیں- ان کا شیخ پر بہت اثر تھا- ابن عربی نے بارہا ان سے ملاقات کی اور بہ تکرار ان کی مدح و ستائش کی ہے- (٤٠)

قرطبہ کا سفر:

٥٨٦ھ/١١٩٠ء ہی میں ابن عربی دوسری مرتبہ قرطبہ گئے- ان کے والد بھی ان کے ہمراہ

تھے- یہ سفر ابو محمد مخلوف قبائلی اور ابو محمد عبداللہ قطان سے استفادہ کی خاطر کیا گیا-قرطبہ کے معروف ادیب وشاعر احمد بن یحییٰ الوزاعی المتوفی ۶۱۰ھ/۱۲۱۳ء سے بھی ملاقات ہوئی- نیز قرطبہ میں ہی معروف ادیب و ماہر لسانیات' متکلم اور نحوی علی بن محمد ابن خروف الاشبیلی (المتوفی ۶۰۳ھ/۱۲۰۶ء یا ۶۰۹ھ/۱۲۱۲ء) کے ہاں بھی کچھ دن گزارے- قرطبہ ہی کے ایک اور محدث و مورخ اور ماہر لسانیات محمد بن احمد ابن محرز (المتوفی ۶۵۵ھ/ ۱۲۵۸ء) سے بھی ملے- اسی طرح ابوبکر الحفیظ المعروف بہ ابن زہر (المتوفی ۵۹۵ھ/ ۱۱۹۹ء) جو کہ زبدۃ الحکماء تھے ان کی صحبت بھی ابن عربی نے اختیار کی- وہیں عالم برزخ میں گزشتہ امتوں کے تمام اقطاب کو دیکھا اور ان کے اسماء سے آگاہ ہوئے جیسا کہ فتوحات میں لکھا ہے:

''قرطبہ میں مشہدِ اقدس کے مقام پر میں نے پچھلی تمام امتوں کے اقطاب کو جو ہم سے پہلے ہو گزرے ہیں' دیکھا- ان میں سے ایک جماعت کے نام مجھے عربی میں بتائے گئے''

(جلد اول، ص ۱۵۱)

قرطبہ جاتے ہوئے وہ اس کے قریبی شہر ''مدینۃ الزہرا'' سے جب گزرے تو اس کے کھنڈر اور ویرانوں سے ابن عربی بہت متاثر ہوئے- یہ شہر کبھی اپنی آبادی اور پرشکوہ عمارتوں کی وجہ سے اندلس کا نمایاں شہر تھا مگر اب تو وہاں پرندوں کے گھونسلے ہی تھے- اس شہر کی حالتِ زار پر انہوں نے یہ اشعار فی البدیہہ کہے ۔

درست ربوعهم و ان هوا هم ابدا جديد بالحشیٰ لا يدرس

هذا طلولهم وهذا الاربع والذكرها ابدا تذوب الانفس

(ان کے ماحول آثار مٹ گئے مگر ان کی یاد سینوں میں ہمیشہ تازہ ہے یہ ہیں ان کے ٹھکانوں کے بقیہ نشانات اور یہ سارا ماحول جس میں وہ ٹھکانے تھے جب بھی یاد آتے ہیں جانیں پگھلنے لگ جاتی ہیں)☆(۴۱)

۵۸۹ھ میں شیخ الاکبر سبتہ گئے اور محدث ابوالحسن یحییٰ بن صائغ سے ملے اور ان سے حدیث کی سماعت کی- ۵۸۹ھ میں ہی شیخ ،ابن طریف جو کہ ابو الربیع المالقی کے خلیفہ تھے ملے اور معروف محدث عبداللہ الحجری کی تصانیف سے استفادہ کیا-

سفر تیونس : ۵۹۰ھ

۵۹۰ھ/۱۱۹۳ء میں آپ تیونس گئے- حاکم شہر آپ کا معتقد و معترف تھا یہاں تک کہ حاجت مندوں نے اپنی حاجات پوری کرنے کے لیے حاکم کے ہاں انہیں اپنا سفارشی بنالیا- تیونس ہی میں شیخ الاکبر نے ابوالقاسم بن قسی کی کتاب خلع النعلین پڑھی اور اس کی شرح لکھی نیز ابوالقاسم کے بیٹے سے بھی ملاقات کی اور اس کے واسطے سے ابن قسی کی روایت نقل کی- اسی سفر کے دوران آپ کی ملاقات ابو محمد عبدالعزیز بن ابوبکر القریشی المہدوی کے ساتھ ہوئی جن کی فرمائش پر آپ نے اندلس کے صوفیاء کے تذکروں پر مشتمل اپنی کتاب روح القدس لکھی- اس کتاب میں بچپن صوفیا کا تعارف کروایا گیا ہے جن کے ساتھ آپ کا رابطہ رہا یا جو آپ کے تلامذہ تھے- غالباً اسی سفر کے دوران آپ کو ابو محمد عبداللہ بن خمیس الکنانی کی خدمت میں حاضر ہونے کا شرف حاصل ہوا- جو پیشہ کے اعتبار سے جراح تھے اور جن کا تذکرہ آپ نے اپنی کتب روح القدس اور درۃ الفاخرہ میں کیا ہے- ان کی صحبت میں آپ ایک سال سے کچھ کم عرصہ رہے تھے- (۴۲)

حضرت خضرؑ سے ملاقاتیں:

فتوحات میں شیخ الاکبر، حضرت خضرؑ کے بارے میں لکھتے ہیں-

> ''اے دوست! اللہ تعالیٰ آپ کی مدد فرمائے جاننا چاہیے کہ یہ وتد (رجلِ عظیم) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی حضرت خضر علیہ السلام ہیں- اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس وقت تک ان کی عمر طویل کی ہوئی ہے اور ہم نے اس شخص کو دیکھا ہے جس نے انہیں دیکھا ہے اور ہمارے لیے ان کی شان میں امرِ عجیب ہے'' (۴۳)

پہلی ملاقات:

طریقِ عرفان میں داخل ہونے کے بعد جب آپ شیخ ابوالعباس عریبی سے ملے تو اس عرصہ کے دوران آپ کی ملاقات حضرت خضرؑ سے ہوئی جس کی تفصیل شیخ عریبی کے حالات کے ضمن میں آ چکی ہے-

دوسری ملاقات:

''پھر دوسری مرتبہ ان سے ملاقات کا اتفاق ہوا- میں تیونس کی بندرگاہ پر کشتی میں سوار ہوا تو میرے پیٹ میں درد شروع ہو گیا- اہل کشتی سوئے ہوئے تھے اور میں کشتی کے ایک جانب کھڑا تھا- اس رات چاند کی

چودھویں تھی- میں نے چاند کے طلوع کے بعد چاندنی میں سمندر کی طرف ایک شخص کو دیکھا جو پانی پر چلتا ہوا میرے پاس آیا اور کھڑا ہو گیا- اس نے ایک پاؤں اٹھایا اور دوسرے پاؤں کو اس کا سہارا بنالیا تو میں نے اس کی پشتِ پا کو دیکھا جسے تری نہ پہنچی تھی- پھر اس نے دوسرا پاؤں اٹھا کر پہلے پاؤں کا سہارا بنایا تو وہ بھی ویسے ہی تھا یعنی اس میں بھی پانی کی تری کا نشان نہ تھا- پھر اس نے میرے ساتھ جو گفتگو کرنا تھی کی اور سلام کہہ کر اس مینار کی طرف لوٹ گیا جو ساحل سمندر پر ایک ٹیلے کے اوپر تھا- میرے اور اس مینار کے درمیان دو میل سے زیادہ فاصلہ تھا اور اس نے یہ فاصلہ دو یا تین قدموں میں طے کر لیا- میں نے اس کی آواز سنی جو مینار پر ظاہر ہوتی تھی وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھ رہا تھا- میں اپنے شیخ جراح بن خمیس کنانی کی خدمت میں حاضر ہوا وہ اپنی قوم کے سردار اور عیدون کی بندرگاہ پر رہائش پذیر تھے- میں اسی شب ان کی خدمت میں حاضر ہوا جس رات میری اس شخص سے ملاقات ہوئی تھی جو پانی پر چل کر آیا تھا- چنانچہ جب میں صبح کو شہر میں داخل ہوا تو میری ملاقات ایک صالح شخص سے ہوئی- اس نے مجھے کہا! حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ آپ کی گذشتہ شب ملاقات کیسی رہی؟ آپ نے ان سے کیا کہا اور انہوں نے آپ سے کیا کہا؟؟''(۴۴)

تیسری ملاقات:

''اس تاریخ کے بعد جب میں بحرِ محیط کے ساحل کی طرف سیر کو نکلا تو میرے ساتھ ایک ایسا شخص تھا جو صالحین کے خرقِ عادات کا انکار کرتا تھا- میں اور میرا یہ ساتھی ایک ویران مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے داخل ہوئے تو اسی دوران سیاحوں کی ایک جماعت داخل ہوئی جنہوں نے دنیا سے انقطاع کر رکھا تھا- وہ لوگ نماز پڑھنے کا ارادہ کر رہے تھے اور ان میں وہ شخص بھی تھا جس نے مجھ سے سمندر پر گفتگو کی تھی اور جس کے متعلق بتایا گیا تھا کہ وہ خضر علیہ السلام ہیں- علاوہ ازیں ان میں ایک بڑی قدر و منزلت والا بہت بڑا آدمی بھی تھا اور اس کے ساتھ میری اس سے پہلے بھی دوستی کی ملاقات تھی- میں نے کھڑے ہو کر اسے سلام کہا تو اس نے مجھ پر سلام لوٹایا اور میرے ساتھ مل کر اظہار مسرت کیا اور آگے کھڑے ہو کر ہمیں نماز پڑھائی- جب ہم لوگ فارغ ہوئے تو امام باہر نکلا اور میں بھی اس کے پیچھے نکلا اور مسجد کے دروازہ پر آ گئے یہ دروازہ بحرِ محیط کے سامنے مغربی جانب اس جگہ تھا جسے بکہ کہتے ہیں-

میں مسجد کے دروازہ پر کھڑا ان سے گفتگو کر رہا تھا کہ اسی اثناء میں وہ شخص بھی آ گیا جس کے بارے میں' میں نے بتایا تھا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ انہوں نے مسجد کی محراب سے ایک چھوٹا سا مصلیٰ اٹھا کر ہوا میں کھول دیا۔ یہ مصلیٰ زمین سے سات گز کے قریب بلندی پر کھولا گیا تھا اور وہ ہوا میں معلق اس مصلے پر کھڑے ہو گئے اور نوافل ادا کرنے لگے۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا۔ تو نے اس شخص کو دیکھا کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ اس نے کہا جا کر اس سے پوچھ لیں۔ میں نے اپنے ساتھی کو وہیں کھڑے چھوڑا اور ان کی طرف آ گیا۔ وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے انہیں سلام کیا اور کہا

شغل المحب عن الهواء بسره ... فی حب من خلق الهواء و سخره

العارفون عقدطم معقولة ... عن کل کون ترتفیه مطهره

فهمو لدیه مکرمون و فی الوری ... احوالهم مجهولة وستره

(محب نے ہوا سے روکا ہوا ہے اور اس کی محبت میں اسے مسرور کرتا ہے جس نے ہوا کو پیدا کیا اور مسخر کیا۔ عارفوں کی عقلیں ہر کون سے معقول ہوتی ہیں وہ پسند ہیں کیونکہ وہ پاک ہیں۔ ان کے احوال وریٰ میں غیر معروف اور پوشیدہ ہیں اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں صاحب تکریم ہیں)

پھر میں اپنے ساتھی کی طرف لوٹ آیا اور وہ مسجد کے دروازہ پر میرا منتظر تھا۔ میں نے اس کے ساتھ ایک ساعت گفتگو کی اور اسے کہا: یہ شخص کون ہے جس نے ہوا میں نماز پڑھی. اس نے کہا: یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں حالانکہ میں نے اس کے ساتھ ان سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر نہیں کیا تھا۔ پھر ہم خاموش ہو گئے اور وہ جماعت واپس لوٹ گئی تو ہم بھی موضع روطہ کی طرف لوٹ آئے' جہاں دنیا سے انقطاع کر لینے والے صالحین رہا کرتے تھے۔ یہ جگہ بحرِ محیط کے ساحل پر شنکصار کے قریب ہے۔ بہرکیف یہ وہ ماجرا ہے جو ہمیں اس وتد کے ساتھ پیش آیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی رؤیت سے ہمیں فائدہ پہنچائے۔ اس کو یعنی حضرت خضر علیہ السلام کو علم لدنی اور ہر شخص کے مرتبے کے لائق عالم کیساتھ رحمت حاصل تھی اور بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پر ان کی ثنا کی ہے"(۴۵)

تلمسان اور دیگر شہروں کا سفر:

۵۹۰ھ میں آپ تلمسان گئے اور گمان غالب ہے کہ اپنے ماموں یحیٰی بن یغان کی قبر کی زیارت کو بھی گئے ہوں- اسی سال انہیں خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی- فتوحات میں اس کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:

"۵۹۰ھ میں شہر تلمسان میں رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا- مجھے بتایا گیا تھا کہ ایک شخص (ابوعبداللہ طرسوی)' شیخ ابو مدین سے دشمنی رکھتا ہے اور ان کی بدگوئی کرتا ہے- ابو مدین اکابر عارفین میں سے تھے اور میں ان کے مقام و منزلت سے آگاہ تھا سو مجھے اس شخص سے اس وجہ سے کد ہوگئی تھی کہ وہ ابو مدین سے دشمنی رکھتا ہے- رسول خدا نے مجھ سے پوچھا تو فلاں شخص سے کیوں عناد رکھتا ہے میں نے عرض کیا اس لیے کہ وہ ابو مدین کا دشمن ہے- رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ وہ خدا کو اور مجھے دوست رکھتا ہے؟ عرض کیا اے اللہ کے رسول جی ہاں- وہ خدا کو اور آپ کو دوست رکھتا ہے- آپ نے فرمایا تو پھر صرف ابو مدین سے خصومت کی وجہ سے تو اسے دشمن کیوں سمجھتا ہے اور خدا اور اس کے رسول سے دوستی کی بنیاد پر اسے پسند کیوں نہیں کرتا؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ مجھ سے خطا ہوئی- میں توبہ کرتا ہوں اور اب وہ شخص مجھے جی جان سے پیارا ہے- خواب سے بیدار ہوا تو ایک لباس اور بہت سی نقدی لے کر اس کے پاس گیا اور اپنا خواب سنایا- وہ رونے لگا اور میرا تحفہ قبول کرلیا اور اس خواب کو اللہ کی جانب سے تنبیہ جانا' اپنے کیے پر پشیمان ہوا اور ابو مدین سے دشمنی چھوڑ دی"

(فتوحات، جلد چہارم، ص ۴۹۸)

اسی سال معروف شاعر عبدالرحمٰن ابوزید الفزازی (المتوفی ۶۲۷ھ/۱۲۳۰ء) سے بھی ملاقات ہوئی- تلمسان سے واپس اشبیلیہ جاتے ہوئے راستے میں جزیرہ طریف کے معروف صوفی ابوعبداللہ القلفاظ سے ملاقات ہوئی اور غنی شاکر اور فقیر صابر کے موضوع پر مباحثہ بھی ہوا-

۵۹۰ھ کے اواخر میں شیخ الاکبر اشبیلیہ پہنچے- اسی سال ان کے والد وفات پا گئے- اشبیلیہ میں مختصر قیام کے بعد وہ ۵۹۱ھ/۱۱۹۴ء میں فاس گئے- جہاں انہوں نے علم جفر کے حساب سے موحدین کے لشکر کی نصاریٰ کی فوج پر فتح کی بشارت دی- ۵۹۲ھ میں شیخ الاکبر دوبارہ اشبیلیہ لوٹے- اس مرتبہ ان

کی تصانیف وملفوظات اور مناقب وکرامات کی وجہ سے ان کا بہت احترام کیا گیا- اسی زمانہ میں انہوں نے اشبیلیہ میں ابوالولید احمد بن محمد بن عربی سے حدیث کی سماعت کی- اسی سال انہیں عبدالرحمٰن بن علی القسطلانی نے خرقہ عطا کیا- ۵۹۳ھ میں دوسری مرتبہ فاس میں وارد ہوئے یہاں ان کی ملاقات ابوعبداللہ محمد بن قاسم فاسی سے ہوئی- نیز اسی شہر میں اسی برس مسجد ازہر میں باجماعت نماز کے دوران وہ مقام تجلی پر فائز ہوئے- ایک نور درخشندہ ان کے مشاہدہ میں آیا اور اس لمحے انہوں نے خود کو ایک جسدِ بے جہات پایا جیسا کہ خود لکھتے ہیں:

''اور یہ تجلی وہ مقام ہے کہ ۵۹۳ھ میں نماز عصر کے دوران میں اس پر فائز کیا گیا- اس وقت میں مسجد ازہر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا پھر میں نے ایک نور دیکھا کہ اس سے میرے سامنے کی ہر چیز روشن ہوگئی- لیکن جس گھڑی میں اسے دیکھ رہا تھا میری مخلوقیت مجھ سے زائل ہوگئی میرے لیے نہ سامنے رہا نہ پیچھے اور اس مشاہدے سے سمتوں کا فرق مٹ گیا بلکہ میں ایک کرے کے مانند ہوگیا اور اپنے لیے کسی سمت کی شناخت نہ کرسکا مگر انکل سے- ایسا ہی ایک مشاہدہ مجھے پہلے بھی ہو چکا تھا البتہ اس سے پہلے جو کشف ہوا تھا اس کا اندازہ مختلف تھا- اس کشف میں اشیا میرے سامنے دیوار میں سے مجھ پر ظاہر ہوئی تھیں لیکن آج کا کشف ویسا نہ تھا۔'' (۴۶)

۵۹۴ھ کا سال بھی ابن عربی نے فاس ہی میں گزارا جیسا کہ خود کہا ہے اللہ تعالٰی نے اسی سال اسی شہر میں اپنے اسرار میں سے ایک راز انہیں عطا کیا- ابن عربی نے وہ راز ظاہر کردیا کیونکہ وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ راز فاش نہیں ہونا چاہیے تھا لہذا اللہ کی طرف سے موردِ عتاب ٹھہرے (فتوحات جلد دوم- ص ۳۴۸)'- مذکورہ شہر میں اسی سال کے دوران انہیں خاتم محمدی کی معرفت عطا ہوئی اور اس کی نشانی بتلائی گئی لیکن ابن عربی نے دوسروں کو اس کا نام ونشان بتانے سے احتراز کیا- (فتوحات' جلد ۳' ص ۵۱۴)- اسی سفر کے دوران ابن عربی نے ابوعبداللہ مہدوی سے ملاقات کی جو اپنے زمانے کے مشہور صوفیوں میں سے تھے- انہوں نے ساٹھ برس اس طرح زندگی گزاری تھی کہ کبھی قبلے کی طرف پشت نہ کی- ان کی ملاقات ایک اور معروف صوفی علی بن موسیٰ بقران سے بھی ہوئی جو قرآن وحدیث کے علم میں مشہور تھے- سفرِ فاس میں ابن عربی کے ساتھی عبدالعزیز بن علی ابن الرید ان (التونی

۶۲۴ھ/ ۱۲۲۷ء) تھے جو کہ عالم وفاضل، محدث اور شاعر بھی تھے۔

۵۹۴ھ ہی میں اپنی زاد بوم مرسیہ کے لیے شیخ الاکبر، فاس سے روانہ ہوئے۔ راستے میں دیگر جگہوں کے علاوہ شہر سلا میں ٹھہرے اور وہاں حسب معمول اہل طریقت سے ملاقاتیں کیں۔ اس سفر میں غرناطہ پہنچے اور وہاں شیخ ابو محمد عبداللہ شکاز سے ملے اور ان کے معارف سے بہرہ یاب ہوئے۔ غرناطہ ہی میں ابن رشد کی تجہیز وتدفین میں حصہ لیا۔

۵۹۵ھ کے اواخر میں وہ مرسیہ پہنچے اور ہمیشہ کی طرح اہل طریقت سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ مرسیہ میں ان کا قیام مختصر رہا اور اسی سال وہ المریّہ پہنچے جہاں نسبتاً ان کا قیام زیادہ رہا۔ المریّہ میں معروف صوفی اور **محاسن المجالس** کے مصنف ابوالعباس بن عریف کے شاگرد اور خلیفہ ابو عبداللہ غزال کی صحبت اختیار کی۔ ابو عبداللہ مذکور کو وہ **فتوحات** میں ''ہمارے شیخ'' لکھتے ہیں۔ (جلد اول ص ۲۲۸) اس شہر میں شیخ الاکبر خلوت میں عبادت و ریاضت میں مشغول رہے جس کی برکت سے اللہ کی ان پر عنایت ہوئی اور انہیں الہام کیا گیا کہ تصوف پر ایسی کتاب تالیف کرو۔ جسے مرید، مرشد کی مدد کے بغیر سمجھ سکیں۔ چنانچہ امر کے طور پر انہوں نے **مواقع النجوم** تحریر کی۔

۵۹۷ھ کو شیخ الاکبر مراکش گئے اور وہاں کے معروف صوفی ابوالعباس السبتی کی صحبت اختیار کی اور فیض اٹھایا۔ مراکش ہی میں ابن عربی نے خواب میں **عرش الٰہی کی تجلی** دیکھی۔ عرش کے پائے نورانی تھے اور سایہ لامتناہی۔ اس کے نیچے ایک خزانہ دیکھا کہ اس پر **لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم** کے الفاظ ابھرے ہوئے تھے۔ یہ آدم کا خزانہ تھا اس خزانے کے نیچے اور بہت سے خزانے بھی دیکھے اور پہچانے اور دیکھا کہ عرش کے کونوں میں خوبصورت پرندے اڑ رہے تھے ان میں سے سب سے حسین طائر نے ابن عربی کو سلام کیا اور انہیں ہدایت کی کہ وہ شہر فاس جائیں اور وہاں محمد حصار سے ملاقات کریں اور انہیں لے کر مشرق کے علاقوں کی جانب سفر کریں۔ خواب سے بیدار ہوتے ہی انہوں نے بلاتردد فاس کی راہ لی اور وہاں پہنچ کر ان کی محمد حصار سے ملاقات ہوئی۔ انہیں بھی یہی خواب نظر آیا تھا اور وہ ابن عربی کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ دونوں مل کر راہی بلادِ مشرق ہوئے۔ ۵۹۷ھ میں ابن عربی ان کے ساتھ مصر پہنچے جہاں محمد حصار کا انتقال ہو گیا۔ ۵۹۷ھ ہی کے رمضان میں وہ دوسری بار بجائیہ گئے۔ ۵۹۸ھ میں انہوں نے مشرق کا سفر کرنے کی بجائے دوسری مرتبہ تیونس میں سکونت اختیار کی۔

تیونس کی یادگار ایک اہم واقعہ جس کا تعلق آپ کی روحانی ترقی سے ہے، آپ لکھتے ہیں:

''جب میں اس منزل (منزل زمین کشادہ) میں داخل ہوا تو میں اس وقت تیونس میں تھا- مجھ سے ایسی چیخ نکلی جس کا مجھے کوئی علم نہیں تھا کہ مجھ سے یہ امر وقوع میں آیا تھا- سوائے اس کے کہ جس کسی نے وہ چیخ مجھ سے سنی وہ سب گر کر بے ہوش ہو گئے- اور پڑوس کی عورتیں جو چھت سے ہم کو دیکھ رہی تھیں ان میں سے بعض گھر کے صحن میں گر گئیں اور باوجود بلندی کے ان میں سے کسی کو کوئی گزند نہیں پہنچا- ان سب میں سے پہلے جو ہوش میں آیا وہ میں ہی تھا اس وقت ہم ایک امام کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے وہاں جس کسی کو میں نے دیکھا وہ سب بے ہوش تھے- کچھ دیر کے بعد وہ ہوش میں آئے تو میں نے ان سے پوچھا کہ تم لوگوں کو کیا ہوا تھا- انہوں نے کہا کہ آپ کو کیا ہوا تھا کہ آپ نے ایک ایسی چیخ ماری جس کا اثر آپ اس جماعت میں دیکھ رہے ہیں میں نے کہا' خدا کی قسم! مجھے اس بات کا کچھ پتہ نہیں ہے کہ میں نے ایسی چیخ ماری تھی'' (فتوحات مکیہ، جلد اول، ص ۱۷۳)

تیونس میں سارا عرصہ انہوں نے مشہور صوفی ابومحمد عبدالعزیز کے ہاں گزارا اور انکی خواہش پر اپنی کتاب انشاء الدعائر تالیف کی- اسی سال یعنی ۵۹۸ھ میں وہ پھر مصر گئے وہاں ان کے دوست محمد الخصار وفات پا چکے تھے اس لیے ان کا قیام مختصر رہا- اسی سال اُنہوں نے مدینہ اور بیت المقدس کی بھی زیارت کی-

سفر مکہ:

۵۹۸ھ میں شیخ الاکبر مکہ پہنچے اور وہاں کے عابد' زاہد اور صالح علماء و مشائخ سے مصاحبت رکھی- شیخ مکین الدین ابوشجاع زاہر بن رستم بن ابی الرجائی اصفہانی (المتوفی ۶۰۹ھ/۱۲۱۲ء) ان میں سے ایک تھے- اپنی کتاب ترجمان الاشواق میں حمد و ثنا کے بعد لکھتے ہیں:

جب میں ۵۹۸ھ میں مکہ پہنچا تو وہاں فضلاء کی ایک جماعت اور ادبا و صلحاء کے گروہ کے مرد و زن سے ملاقات کی اور ان میں سے کسی کو امام مقام ابراہیم شیخ عالم النزیل مکہ مکین الدین اصفہانی رحمۃ اللہ اور ان کی عمر رسیدہ بہن بنت رستم شیخۃ الحجاز اور فخر زنان کی طرح خود میں مگن اور اپنے روز و شب کی واردات میں گم رہنے والا نہ پایا- میں نے شیخ مکین الدین سے ادب

دوست فضلاء کی ایک جماعت کے ہمراہ ابوعیسیٰ ترمذی کی حدیث کی کتاب کی ساعت کی- شیخ مکین کا ساتھ ایسا خوشگوار تھا گویا ان کے پاس بیٹھنے والا اپنے تئیں کسی پر بہار باغ میں محسوس کرتا تھا- ان کی دوستی لطیف اور گفتگو اور مجلس ظریفانہ ہوتی تھی- ان کے پاس بیٹھ کر استقامت نصیب ہوتی تھی- وہ اپنے ساتھیوں سے محبت اور شفقت کرتے تھے- ان کی اپنی ایک شان تھی جس نے انہیں ہر چیز سے بے نیاز کر رکھا تھا- اس وقت تک بات نہ کرتے تھے جب تک ضروری نہ ہوتا لیکن ان کی بہن فخر النساء بلکہ یوں کہیے کہ فخر الرجال والعلماء تھیں- میں ان کے پاس گیا تا کہ ان سے حدیث کی روایت سنوں کیونکہ وہ روایت میں نہایت بلند مقام رکھتی تھیں- انہوں نے مجھے کہا "اب کوئی آرزو ہی نہیں- وقت آخر ہو چلا ہے، ہاں عمل کا شوق مجھے اپنے آپ میں مشغول رکھتا ہے- گویا موت تاک جھانک کر رہی ہے- ندامت کے سن یعنی بڑھاپے نے اپنا کام دکھا دیا ہے- لہذا مجھے نقل روایت کا دماغ نہیں-" ان کی یہ بات سن کر میں نے انہیں کہا: "میرا اور آپ کا حال روایت میں ایک سا ہے- میرا مقصود علم حاصل کرنے اور اس پر عمل کرنے کے سوا کچھ نہیں-" چنانچہ انہوں نے اپنے بھائی کے وہاں لکھ کر بھیجا کہ وہ ان کی طرف سے نیابۃً مجھے تحریری اجازت دے دیں- انہوں نے بہن کا عندیہ پا کر اپنی جانب سے اور اپنی بہن کی جانب سے اجازت لکھ کر مجھے دی- اللہ ان سے راضی ہو- ان کے بارے میں میرے قصیدے کا ایک شعر یوں تھا: "میں نے ترمذی کی ساعت شیخ مکین سے کی جو بلد الامین میں لوگوں کے امام ہیں" (۴۷)

جذب و شوق:

ترجمان الاشواق میں درج یہ اشعار شیخ الاکبر کے جذب و شوق کے ترجمان ہیں:

وبیت لأوثان وكعبة طائف　　　والواح تورات و مصحف قرآن

ادين بدين الحب أنى توجهت　　　كائبه فاالدين(فالحب؟)دين و ايمان

(میرا دل ہر ایک صورت کا مسکن بن گیا ہے- یہ غزالوں کے لیے ایک چراگاہ اور عیسائی راہبوں کے لیے خانقاہ اور بت پرستوں کے لئے مندر اور حاجیوں کے کعبہ اور الواح تورۃ اور کتاب القرآن- میں مذہب عشق کا پیرو ہوں اور اسی سمت چلتا ہوں جدھر اس کا کارواں

مجھے لے جائے کیونکہ یہی میرا دین ہے اور یہی میرا ایمان) (۴۸)

ابن عربی میں شخصی جذب کی مثال دو خواتین سے ان کی ملاقات سے ملتی ہے۔ قیامِ مکہ کے دوران شیخ مکین الدین کی بیٹی **نظام نعمت عین الشمس والیہا** جو تقویٰ' پارسائی' اخلاق اور حسنِ ظاہری میں یگانہ روزگار تھی، اسے دیکھ کر ابن عربی پر غیر معمولی اثر ہوا اور اس کی کشش نے انہیں اس کا والا و شیفتہ بنا دیا۔ بارہ سال بعد جذب و شوق کی یہ داستان ترجمان الاشواق کی صورت میں سامنے آئی۔ اپنے اس دیوان میں **نظام** کے بارے میں یوں دادِ سخن دی ہے:

''ہمارے اس استاد (اللہ اس سے راضی ہو) کی ایک دوشیزہ بیٹی تھی،
اس کا نام نظام اور لقب عین الشمس والیہا (چشمہ نور روز یبائی) تھا،
وہ عبادت گزار' عالم' پرہیزگار اور اعتکاف کا معمول رکھنے والی تھی،
اور سچ تو یہ ہے کہ عورتوں میں پیشوائے حرمین تھی،
اور بلد الامین کی صحیح معنوں میں پروردہ!
جب بات کو طول دیتی تو سخن درماندہ ہو جاتا،
اور کوتاہ کرتی تو بے سکت!
باوجود یکہ زبان اور اس کی گفتگو خوب واضح اور صاف ہوتی تھی،
جب زبان کھولتی تو قیس بن ساعدہ (عرب کا حکیم اور فن بلاغت کا ماہر) گنگ ہو جاتا!
دستِ بخشش دراز کرتی تو معن بن زائدہ (عرب کا جواں مرد) اپنا منہ چھپا لیتا!
اور دادِ سخن دیتی تو سموال (ایک پرندہ) اپنی پرواز روک لیتا اور اڑتا اڑتا زمین پر گر پڑتا!
اگر لوگوں کے نفوس کمزور' بیمار اور بدبیں نہ ہوتے تو میں اس کے حسنِ خلق کہ باغ کی طرح شاداب تھا کے بارے میں دادِ سخن دیتا،
وہ شمس العلماء ہے اور ادیبوں کے بیچ ایک چمن
فریدۂ دہر اور کلمہ عصر ہے!
اس کا خوانِ کرم وسیع اور ہمت رفیع ہے''

ایک اور جگہ لکھتے ہیں:

''اس کا نام لینے سے ہر طرف خوشبو پھیل جاتی ہے،
اس کی جبیں سورج کی طرح چمکتی ہے اور اس کی زلفیں سیاہی شب ہیں،
کتنی عجیب بات ہے کہ اس کے چہرے پر سورج اور رات
دونوں ایک ساتھ اکٹھے ہوئے گئے ہیں'' (۴۹)

ترجمان الاشواق میں وہ ایک بہت اہم اور دلچسپ واقعہ بیان کرتے ہیں جو ان کی حیاتِ فکری کے اہم ترین واقعات میں سے ہے اور انکے بہت سے عاشقانہ اشعار اور الہامی نغمات کا سبب بھی- یہ واقعہ مکہ میں پیش آیا- شام ڈھلے وہ مکہ میں مشغول طواف تھے کہ اچانک اپنے اندر ایک آنند سا محسوس کیا اور اپنے حال میں آرام- پھر وہ خلوت کی تلاش میں شہر سے باہر نکل گئے اور ریگزار میں چل دیے اس عالم میں مندرجہ ذیل اشعار ان پر وارد ہوئے

یست شعری ہل دروا الی قلب ملکوا   وفقرادی لوردی ای شعب سلکوا
اتراہم سلموا لم تراہم ہلکوا   حار ارباب الھوی فی الھوای وارتبکوا

اس وقت وہ گویا از خود رفتہ ہو گئے تھے کہ اچانک مخمل سے زیادہ نرم ایک ہاتھ نے ان کا کندھا چھوا- سر گھما کر دیکھا تو ایک دختر رومی کو اپنے برابر کھڑے پایا کہ اس وقت تک انہوں نے اس جیسی حسین پیشانی نہ دیکھی تھی اور اس جیسی شیوا بیانی نہ سنی تھی اور ایسی نکتہ سنج، شیریں زباں اور خوش سخن دوشیزہ سے پہلے کبھی سامنا نہ ہوا تھا جو ظرافت اور ادب و معرفت اور جمال و سلیقہ میں اپنی زمانے کی عورتوں اور دوشیزاؤں میں سب سے ممتاز تھی'' (۵۰)

مذکورہ قصیدے جب مُلّائے معر تک پہنچے تو انہوں نے ابن عربی پر بولہوسی کے الزام لگائے جس پر انہیں اپنے اشعار کی تشریح خود کرنی پڑی اور انہوں نے ان پر عشق حقیقی کا رنگ چڑھایا-

نظام پہلی خاتون تھی جو ابن عربی کی زندگی میں آئی- اپنی اس محبت کو انہوں نے پاکیزہ اور حقیقی قرار دیا- بہر حال یہ واضح ہے کہ طریق عرفان میں داخل ہونے کے بعد مکہ میں قیام تک (۵۸۰ھ/ جون ۱۱۸۴ تا ۵۹۸ھ/ جولائی/ اگست ۱۲۰۲ء) انہوں نے مجرد زندگی گزاری- اس وقت ان کی عمر چھتیس سال تھی جب عورتوں کے بارے میں ان کے خیالات میں تبدیلی آئی جیسا کہ ذیل کے اقتباس سے معلوم ہوگا:

''میں ان لوگوں میں سے تھا جو عورتوں کو سخت ناپسند کرتے تھے اور پھر اسی اصول پر اٹھارہ سال تک قائم رہا- اس طریق عرفان میں جب ابتداً داخل ہوا تو میرا یہی خیال تھا مگر اب بحمد للہ عورتوں کی یہ نفرت مجھ سے نکل گئی ہے- جب میں نے پیغمبرِ خدا ﷺ کا یہ فرمان پڑھا کہ خدا نے عورتوں کو میرے لیے محبوب بنا دیا ہے- اب میں ان لوگوں میں سے ہوں جو عورتوں پر سب سے زیادہ مہربان ہیں اور ان کے حقوق کی سب سے زیادہ نگہداشت کرتے ہیں- میں اب اس معاملہ میں بصیرت پر ہوں کہ یہ بات خدا کی طرف سے ہے یعنی اسی نے عورتوں کو میرے لیے محبوب بنایا ہے- یہ بات کوئی طبیعت کا اقتضا نہیں ہے'' (۵۱)

شادی و اولاد:

شیخ الاکبر کی کم از کم دو اور ایک اور روایت کے مطابق چار شادیوں کا پتہ چلتا ہے-(۵۲)
پہلی شادی فاطمہ بنت یونس بن یوسف امیر الحرمین سے ۵۹۸ھ/۱۲۰۲ء میں مکہ میں ہوئی- فاطمہ مکہ کے معزز اور متقی خاندان کی فرد تھیں- ان کے بطن سے ابن عربی کے بیٹے محمد عماد الدین ☆(۵۳) ۵۹۹ھ/۱۲۰۳ء میں مکہ میں پیدا ہوئے-(۵۴)

ان کی دوسری بیوی مریم بنت محمد بن عبدون البجائی تھیں-(CLAUDE ADDAS انہیں پہلی بیوی لکھتے ہیں اور کہتے ہیں ان کی شادی اوائل میں اشبیلیہ میں ہوئی ☆(۵۵) یہ بعید از قیاس ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے- مریم کے بارے میں شیخ الاکبر فتوحات میں لکھتے ہیں:

''میری صالحہ زوجہ مریم بن محمد بن عبدون بن عبدالرحمٰن البجائی نے مجھ سے خمسہ باطنہ روایت کیے- کہا کہ میں نے خواب میں ایک شخص کو دیکھا جو میرے وقائع میں مجھ سے عہد و پیماں باندھ رہا تھا میں نے اسے جاگتی آنکھوں کبھی نہیں دیکھا تھا- اس نے مجھ سے پوچھا ''کیا طریق میں داخل ہونے کا قصد رکھتی ہو؟'' میں نے جواب میں کہا خدا کی قسم ہاں- میں قصدِ طریق رکھتی ہوں مگر نہیں جانتی کہ اسے کس طرح حاصل کیا جائے- اس نے کہا کہ پانچ چیزوں سے طریق حاصل ہو سکتا ہے- توکل، یقین، صبر، عزیمت اور صدق- جب مریم نے اپنا یہ خواب مجھے سنایا تو میں نے اسے بتایا کہ اہل طریق کا یہی مذہب ہے''

(جلد اول، باب ۵۳، ص ۲۷۸)

اسی کتاب کی تیسری جلد میں ایک جگہ لکھا ہے:

''میں نے اپنی زوج مریم بنت محمد کے سوا کسی کو نہیں دیکھا کہ ذوقاً اس مقام پر فائز ہو- ایک مرتبہ اس نے مجھے بتایا کہ میں نے ایک شخص کو دیکھا ہے اور پھر اس شخص کے احوال مجھے سنائے- میں سمجھ گیا کہ وہ شخص اس مقام کے لوگوں میں سے ہے- سوائے اس کے کہ اس نے اپنے احوال بیان کر دیے جو اس مقام میں اس کی ناپختگی اور کمزوری پر دلالت کر رہا تھا''

(فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، باب ۳۵۲، ص ۲۳۵)

مریم سے شیخ الاکبر کے دو بچے ہوئے: **زینب** ☆(۵۶) اور محمد سعد الدین ☆(۵۷)-

فتوحات کی جلد چہارم کے صفحہ ۵۵۴ پر فاطمہ بنت یونس کا ذکر ملتا ہے- **فتوحات** کی یہ سطریں ۶۳۶ھ میں لکھی گئیں- اس کا مطلب ہے کہ ۶۳۶ھ تک ان کی پہلی بیوی حیات تھیں- اسی طرح **نظم الفتوح** میں مریم کا ذکر ملتا ہے جو ۶۳۰ھ کی تصنیف ہے- تازہ تحقیق کے مطابق دمشق کے مالکی قاضی القضاہ زین الدین عبدالسلام زواوی کی بیٹی سے آپ کا نکاح ہوا- خاتون کا نام معلوم نہیں- اسی طرح اپنے قریبی دوست مجد الدین اسحاق کی بیوہ (صدر الدین قونوی کی والدہ) سے بھی ۱۲۲۲ء کے لگ بھگ شادی کی-(۵۸)

تصنیف و تالیف:

مکہ کے مقدس شہر میں انہوں نے پورے اطمینان قلب سے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کیا اور ۵۹۹ھ/۱۲۰۲ء میں مکین الدین ابوشجاع' بدر الحبشی ☆(۵۹) اور یونس بن یحیٰی الہاشمی ☆(۶۰) سے ساعت کی ہوئیں ایک سو ایک احادیث قدسی کا مجموعہ ''مشکوٰۃ الانوار'' کے نام سے مرتب کیا-

اسی سال اس مقدس شہر میں **خاتم الولایۃ** کے منصب پر فائز ہونے کا یہ خواب دیکھا جسے فتوحات میں کچھ یوں بیان کیا ہے:

''۵۹۹ھ میں مکے میں' میں نے ایک خواب دیکھا' کیا دیکھتا ہوں کہ کعبہ سونے اور چاندی کی اینٹوں سے بنا ہوا ہے' مکمل' پورا جس میں کوئی نقص نہیں- اس کی سج دھج دیکھ کر میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں- اچانک نظر پڑی کہ رکن یمانی اور رکنِ شامی کے درمیان ذرا سا رکنِ شامی کی طرف کو دیوار میں دو اینٹوں کی جگہ خالی ہے- ایک سونے

کی اور ایک چاندی کی- اوپر کے ردے میں سونے کی کم تھی اور نیچے والے میں چاندی کی- اس وقت میں نے مشاہدہ کیا کہ وہ خالی جگہ میری ذات سے پر ہوگئی اور گویا میں خود وہ دو اینٹیں بن گیا- اس طرح دیوار مکمل ہوگئی اور کعبے میں کوئی چیز کم نہ رہی- میں نے جان لیا کہ وہ اینٹیں میرا عین ہیں اور میں ان کا اور مجھے اس میں کوئی شک نہ رہا- جب بیدار ہوا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور اس خواب کی اپنے لیے یوں تعبیر کی کہ میں اولیاء میں ویسا ہی ہوں گا جیسے انبیاء میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور شاید یہ مجھے ختم ولائت کی بشارت ہے" (جلد اول، باب ۶۵، ص ۳۱۸، ۳۱۹)

مکہ میں اپنے دو سالہ قیام کے دوران شیخ الاکبر نے مشکوٰۃ الانوار کے علاوہ فتوحات مکیہ لکھنے کا آغاز کیا اور اس کا دفتر اول مکمل کیا- فتوحات کی تکمیل وفات سے دو برس قبل ۶۳۶ھ میں ہوئی- اس کتاب کو انہوں نے شیخ ابو مدین کے صحبت یافتہ سرزمین مغرب کے عظیم صوفی شیخ عبدالعزیز ابو محمد بن ابی بکر قرشی نزیل تیونس کے نام معنون کیا- حضور ﷺ کے عمزاد بھائی حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی قبر کی زیارت کے لیے طائف گئے جہاں ابوعبداللہ محمد بن خالد صدفی تلمسانی اور اپنے ساتھی اور دوست عبداللہ بدر حبشی کی فرمائش پر رسالہ حلیۃ الابدال اور شیخ عبدالعزیز کے لیے رسالہ روح القدس تحریر کیا- اسی سال ان کی ملاقات قاضی عبدالوہاب ازدی اسکندری سے ہوئی جنہوں نے ابن عربی کو کتب حدیث کی اہمیت سے متعلق ایک خواب سنایا-

سفر بغداد:

۶۰۱ھ/۱۲۰۴ء میں مشرقی ممالک کے بارہ سالہ طویل سفر پر روانہ ہوئے- اور اس سفر کے دوران وہ علماء و مشائخ سے ملتے ہیں اور تصنیف و تالیف کا کام بھی کرتے ہیں- اس سفر کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ انہیں ایک ایسا ساتھی اور مصاحب ملتا ہے جو قریباً بیس برس سے بھی زائد عرصہ تک ان کے ساتھ رہتا ہے اور وہ ہیں اناطولیہ کے شیخ مجدالدین اسحاق بن یوسف- شیخ مجدالدین ملاطیہ جو کہ جنوب مشرقی اناطولیہ کا ایک اہم قصبہ تھا کے رہنے والے تھے اور سلجوقی سلطنت کے ایک اہم عہدیدار اور اپنے وقت کے عظیم صوفی بھی تھے- بادشاہ وقت ان پر بہت اعتماد کرتے تھے- وہ کافی عرصہ بغداد میں بھی رہے- ۶۰۰ھ/۱۲۰۴ء میں وہ بغرض حج مکہ آئے تو سب سے پہلے شیخ الاکبر ابن عربی سے ملے اور یوں

دوستی اور مصاحبت کا یہ رشتہ مضبوط ہوتا چلا گیا۔ ۱۲۰۴ء میں جب ابن عربی مشرق کے اسلامی ممالک (فلسطین، شام، عراق اور اناطولیہ) کے سفر پر روانہ ہوئے تو یہ مجد الدین ہی تھے جنھوں نے ان کا تعارف ان ممالک کے سربراہان اور وزراء سے کرایا۔ شیخ مجد الدین ایک بیٹے کے باپ بھی بن چکے تھے۔ صدر الدین القونوی ☆ (۶۱) جو بعد میں شیخ الاکبر کے سوتیلے بیٹے اور خلیفہ بنے۔

شیخ الاکبر کا پہلا قیام یروشلم تھا جہاں وہ تھوڑا عرصہ رکے اور وہاں انہوں نے فتوحات کے ساتھ ساتھ دیگر مختصر کتب تصنیف کیں۔ مارچ ۱۲۰۵ء کو وہ بغداد پہنچے۔ سلجوقیوں کی طرف سے کیخسرو اوّل نے مجد الدین کو بغداد میں اپنا سفیر مقرر کیا تھا یوں بغداد میں ابن عربی نے شیخ مجد الدین کی معرفت عباسی خلیفہ الناصر سے ملاقات بھی کی علاوہ ازیں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے صحبت یافتگان اور خلفا سے بھی ملاقاتیں کیں اور ان سے فیض اٹھایا۔ انہی میں ابوالسعو د ابن الشبل بھی شامل تھے جن کا تذکرہ آپ کی تصانیف میں ملتا ہے۔

موصل:

اپریل میں ابن عربی موصل گئے اور وہاں رمضان المبارک کا پورا مہینہ گزارا اور تنزلات الموصلیہ نامی کتاب لکھی علاوہ ازیں کتاب الجلال والجمال اور مریدین کی ہدایت کے لیے ایک کتاب لکھی۔ موصل ہی میں علی بن عبداللہ بن جامع سے ملاقات کی اور ان کے علوم و معارف سے بہرہ یاب ہوئے۔ علی بن عبداللہ اس زمانے کے صوفیا اور عرفا میں سے تھے اور حضرت خضرؑ سے تعلق ارادت رکھتے تھے۔ انہوں نے شیخ الاکبر کو شہر موصل سے باہر اپنے باغ میں وہ خرقہ پہنایا جو حضرت خضرؑ نے خود اپنے ہاتھ سے انہیں عطا کیا تھا۔ اس واقعہ سے بہت پہلے ابن عربی کو تقی الدین عبدالرحمٰن بن علی بن میمون بن اب وزری کے ہاتھ سے خرقۂ خضرؑ عطا ہو چکا تھا۔

قونیہ میں قیام:

موصل سے شیخ اپنے دوست اور قریبی ساتھیوں مجد الدین اسحاق اور بدر الحبشی کے ہمراہ جون ۱۲۰۵ء میں ملطیہ پہنچے جو مجد الدین کی جائے ولادت تھا۔ پھر سلطان کیکاؤس اول ☆ (۶۲) کی دعوت پر مجد الدین اور ابن عربی قونیہ پہنچے جہاں ان کا زبردست استقبال ہوا۔ سلطان ان کے اوصاف و مقامات سے پہلے ہی آگاہ تھا لہٰذا اس نے ابن عربی سے قونیہ میں قیام کی درخواست کی اور حکم دے دیا کہ ان کے

لیے ایک پر شکوہ مکان (جو ایک لاکھ درہم قیمت کا تھا) فراہم کیا جائے۔ ابن عربی مدتوں اس گھر میں رہے۔ ایک مرتبہ چند سائلین نے ان سے سوال کیا تو شیخ نے ان سے کہا کہ میرے پاس تو اس مکان کے سوا کچھ بھی نہیں یہ کہہ کر مکان انہیں دے دیا۔ ☆(۶۳) قونیہ میں قیام کے دوران انہوں نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رکھا اور مشاھدہ الاسرار اور رسالۃ الانوار فی ما یمنح صاحب الخلوۃ من الاسرار نامی کتب تصنیف کیں۔ قلمکاری کے علاوہ صوفیا وعرفا سے ملاقاتوں اور مریدین وتلامذہ کی تربیت وتعلیم کا سلسلہ بھی جاری رکھا۔ قونیہ میں ان کے سب سے مشہور اور نہایت اہم شاگرد صدرالدین قونوی ہیں جنھوں نے مشرق میں ان کی تعلیمات کو رواج دیا۔

قونیہ ہی میں ستمبر ۱۲۰۵ء میں ایک اور عظیم عارف وصوفی اوحدالدین حامد کرمانی ☆(۶۴) سے ابن عربی کی ملاقات ہوئی جو دوستی میں بدل گئی۔ یہ ملاقات کتاب الامر المحکم المربوط کی تکمیل پر ہوئی۔ ☆(۶۵) قونیہ میں شیخ کا قیام تقریباً نو ماہ رہا اس کے بعد آپ ملطیہ واپس آ گئے۔ یوسف آغا کے ایک قلمی نسخے ولایت الابدال ۴۸۶۸/۴۳ کے مطابق شیخ الاکبر ملطیہ میں اکتوبر ۱۲۰۵/ ۹ ربیع الاول ۶۰۲ھ کو پہنچے۔ ☆(۶۶) کیخسرو کے بیٹے کیکاؤس ملطیہ کے سلطان بنے اور مجدالدین کو سلطان کا اتالیقِ خاص مقرر کیا گیا خود ابن عربی بھی نوجوان سلطان کے استاد رہے اور استاد شاگرد کے یہ تعلقات تیرہ برس تک قائم رہے۔

۱۲۰۶ء میں شیخ الاکبر بیت المقدس اور مکہ کے سفر پر روانہ ہوئے۔ یہ پہلا موقعہ تھا جب وہ شام، حلب اور دمشق (جہاں بعد میں آپ نے باقی کا عرصہِ حیات گزارا) سے گزرے۔ بیت المقدس کے قیام کے دوران آپ نے کتاب الباء اشارات القرآن' تنزلات الموصلیہ وغیرہ لکھیں۔ مئی میں وہ ہیبرون گئے جہاں انہوں نے حضرت ابراہیمؑ کے روضہ پر کتاب الیقین لکھی اور اپنے مریدین وخلفاء کو روح القدس کا درس دیا۔ جون یا جولائی ۱۲۰۶ء کو فریضہ حج کی ادائیگی کے لئے عازم مکہ ہوئے۔ ۱۲۰۷ء میں شیخ کا اپنے اندلسی احباب ابوالعباس حریری اور ان کے بھائی محمد الخیاط اور عبداللہ الموروری کے ساتھ قاہرہ میں قیام ہوتا ہے۔ قاہرہ میں اقامت کے دوران (محاضرۃ الابرار و مسامرۃ الاخیار ص ۵۴ کے مطابق) ایک خواب دیکھا:

''ایک رات ایک واقعے سے دوچار ہوا۔ ہوا یوں کہ میں صالحین کی ایک جماعت کے ساتھ

مصر میں تھا- اس جماعت میں ابوالعباس حریری' امام محلہ زقاق القنادیل' اس کا بھائی محمد خیاط اور عبداللہ موروری' محمد ہاشمی لشکری اور محمد بن ابوالفضل شامل تھے- ہم لوگ ایک نہایت تاریک گھر میں شب باش ہوئے- وہاں ہمارے پاس روشنی کا انتظام نہ تھا ہاں مگر وہ روشنی جو ہمارے جسموں سے پھوٹ رہی تھی اس کے پھیلنے سے ماحول روشن ہو گیا تھا- پھر ایک شخص جو حسنِ صورت اور حسنِ کلام میں بے مثال تھا ظاہر ہوا اور ہم سے یوں مخاطب ہوا- میں تمہارے پاس اللہ کا بھیجا ہوا ہوں- میں نے اس سے پوچھا کہ تیرا پیغام کیا ہے اور تو ہمارے لیے کیا لایا ہے؟ اس نے کہا جان لو خیر وجود میں ہے اور شر عدم میں- اور خدا نے انسان کو اپنی رحمت سے پیدا کیا اور اسے وہ اکیلی ہستی قرار دیا جس کا وجود اس کے وجود سے مبائن ہے- لیکن جس میں اللہ کے اسماء وصفات پائے جاتے ہیں- مشاہدۂ ذات کے وقت صفات سے توجہ ہٹ جاتی ہے اور وہ ذات سے ذات کو دیکھتا ہے- کثرت اپنی اصل یعنی وحدت کو لوٹ جاتی ہے پس نہ وہ رہتا ہے نہ تو''

قاہرہ ہی میں روح القدس کے درس کے ساتھ ساتھ ایک اور کتاب کتاب الالہام الشآن لکھی- اپنے مصاحب' دوست اور خلیفہ بدر الحبشی کی طرح ایک اور نوجوان صوفی ابن سودکین☆ (٦٧) نے بغیر کسی صلے کی تمنا کے شیخ کی بہت خدمت کی ان کے مسودات کو پڑھ کر سنایا اور ان کی نوک پلک سنواری- خود ابن سودکین کا کام بھی شاندار تھا انہوں نے مشاھد الاسرار، کتاب الاسرا' کتاب التجلیات اور کتاب الوسائل وغیرہ لکھیں- حلب میں ان کا گھر ابن عربی کی تصانیف کی تدریس کے لیے آئندہ چالیس برس تک مخصوص رہا-(٦٨)

ان دنوں ابن عربی کرامات وخوارق اور اسرار ورموز طریقت کھول کر بلکہ بے دھڑک انداز میں بیان کر رہے تھے جس پر فقہا نے سختی سے ان کی مخالفت کی- انہیں بدعتی کہا، ان کی تکفیر کی اور سلطانِ وقت سے انہیں قید بلکہ قتل کرنے کی درخواست کی تاہم ان کے شفیق دوست شیخ ابوالحسن البجائی کی پامردی کی وجہ سے انہیں جیل سے رہائی ملی- نفح الطیب میں لکھا ہے:

''اہل مصر نے ان پر اعتراضات کیے- ان کے خون کے پیاسے ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے شیخ ابوالحسن بجائی کے ہاتھوں ابن عربی کو رہائی دلائی- جنہوں نے ان کی رہائی کی کوشش کی- ان

کے اقوال کی تاویل کی اوران کے رہا ہونے کے بعدان کے پاس آئے اور کہا۔

کیف یحبس من حل منه الاهوت فی الناسوت

(وہ اسے جیل میں کیسے ڈال سکتے ہیں جس کی انسانی فطرت میں روحانی فطرت گھر کیے ہوئے ہے)(۶۹)

۱۲۰۷ء میں شیخ پھر مکہ جاتے ہیں۔شاید حج کی ادائیگی اوراپنے روزمرہ کے مشاغل جس میں لکھنا پڑھنا اورعرفا وصالحین سے ملاقاتیں شامل تھیں۔ان کا قیام ابوشجاع بن رستم کے ہاں ہی رہا۔بعد ازاں وہ پھر شمال کا سفر کرتے ہوئے دمشق جاتے ہیں جہاں وہ ہمیشہ کے لیے مقیم ہوئے۔بعد کے سات آٹھ برس انہوں نے عرفانی تعلیمات کی اشاعت میں صرف کیے۔انہوں نے اس سلسلہ میں اناطولیہ' حلب' دمشق' بغداد اور قاہرہ کے درمیان ہزاروں میل کا سفر طے کیا۔اناطولیہ اور بالخصوص ملطیہ ان کے لیے خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔کیونکہ ان کے دوست مجد الدین اسحاق کا مسکن جو وہی تھا۔چنانچہ وہ سیر و سیاحت کے اشتیاق میں اور شاید کچھ اوروجوہ کی بنا پر قونیہ سے نکل کر قیصریہ' ملطیہ اور سیواس (یہ سب ایشیائے کوچک کے شہر ہیں) سے گزرتے ہوئے ایران کی سرحدوں کے نزدیک پہنچتے ہیں اور پھر ارمنستان میں ارض روم سے ہوتے ہوئے عراق میں حراں اور دیار بکر میں دینسر کے مقامات پر رکتے ہیں پھر سفر کرتے ہوئے ایک ایسی جگہ پہنچتے ہیں جہاں دریائے فرات کا پانی سردی کی شدت سے جما ہوا ہے۔اتنا سخت کہ قافلے منجمد پانی پر چل کر دریا کو عبور کرتے ہیں۔اس سفر کے دوران وہ جن شہروں سے گزرے وہاں کے کچھ صوفیاء سے بھی ملے۔(۷۰)

۶۰۸ھ/مئی ۱۲۱۲ء میں شیخ عراق کے شہر بغداد میں دوبارہ گئے اورگمان غالب ہے کہ اس سفر کے دوران مجد الدین اسحاق بھی ان کے ہمراہ تھے جنہوں نے اناطولیہ کے حکومتی عہدیدار کے طور پر خلیفہ الناصر سے بغداد میں ملاقات کی۔شیخ الاکبر بھی اس وقت موجود تھے۔جبکہ شیخ کا خاندان شامی کاروان کے ساتھ مکہ کی جانب رواں دواں تھا۔بغداد کے اس مختصر قیام کے دوران دوعراقی مورخ ابن الدبیثی ☆(۷۱) اورابن النجار ☆(۷۲) بھی ان سے ملے۔اول الذکر اس ملاقات کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''مغرب میں پیدا ہونے والے ابوعبداللہ محمد بن علی بن محمد ابن العربی ۶۰۸ھ میں بغداد میں

آئے- وہ متصوفانہ علوم کے جامع اور ان لوگوں میں سے تھے جنہوں نے سچائی، ترکِ علائق اور صوفیانہ جہد کے لیے اپنی زندگی کو وقف کر رکھا ہو- میں نے دمشق، شام اور حجاز کے متعدد صوفیا کو ان کی عظمت اور بزرگی کا اعتراف کرتے دیکھا- ان کے لاتعداد عقیدت منداور مریدین ہیں- میں نے ان کی چند ایک تصانیف پڑھیں جو خوابی تجربات پر مشتمل ہیں جس میں خواب میں پیغمبر سونے والے سے مخاطب ہوتے ہیں- ابن عربی ایسے ہی خوابی تجربات بیان کرتے ہیں- جب ہم ملے تو ایسی ہی کچھ چیزیں انہوں نے مجھ سے اور میں نے ان سے سن کر قلمبند کیں'' (۷۳)

اسی دوران بغداد میں (اور ایک روائت کے مطابق مکہ میں) معروف صوفی شہاب الدین ابو حفص عمر سہروردی ☆ (۷۴) سے ملے جو بغداد میں رہتے تھے اور خلیفہ الناصر کے ذاتی استاد بھی تھے-

اگلے تین سالوں میں ہمیں شیخ الاکبر کی مصروفیات کا بمشکل پتہ چلتا ہے- صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنے پیارے شاگرد، دوست اور ساتھی ابن سودکین کے آبائی شہر حلب میں کچھ وقت گزارا اور ابن سودکین کی شرح تجلیات پر تقریظ لکھی-

دسمبر ۱۲۱۴ء/ رجب، شعبان اور رمضان ۶۱۱ھ میں وہ صرف تین ماہ کے لیے مکہ گئے جہاں ان سے دوستانہ تعلقات رکھنے والے استاد شیخ ابوشجاع مکین الدین رستم دو سال قبل انتقال کر گئے تھے- اس وقت ابن عربی پچاس برس کے ہو چکے تھے- قیام مکہ کے دوران انہوں نے اپنی شاعری کا دیوان ترجمان الاشواق ترتیب دیا- اسی برس وہ پھر حلب پہنچتے ہیں جہاں انہیں ترجمان الاشواق کی وجہ سے سخت تنقید اور اتہامات کا سامنا کرنا پڑا چنانچہ اپنے ساتھی بدر الحبشی اور فرزندِ روحانی اسماعیل ابن سودکین کے کہنے پر ترجمان الاشواق کی شرح ذخائر الاعلاق کے نام سے لکھی- فتوحات میں اس بارے میں تفصیل یوں لکھتے ہیں:

''ان اشعار کی شرح کا سبب یہ ہوا کہ میرے فرزندوں بدر حبشی اور اسماعیل بن سودکین نے خواہش ظاہر کی کہ میں اس کا جواب لکھوں کیونکہ ان دونوں نے سنا تھا کہ حلب کے فقہا میں سے ایک اس بات سے انکار کرتا ہے کہ یہ اشعار اسرار الٰہی کا بیان کرتے ہیں اور کہتا ہے چونکہ ابن عربی صالح اور متدین کہلاتے ہیں لہٰذا وہ واقعات کو چھپانے کے لیے تقدس اور

الوہیت کی آڑ لے رہے ہیں پس ان اشعار کی شرح کر دی اور قاضی ابن ندیم نے فقہا کی ایک جماعت کے سامنے اس شرح کا کچھ حصہ پڑھا- مذکورہ فقیہہ نے اسے سن کر توبہ کر لی اور مجھ پر اعتراض سے باز آ گیا- میں نے یہ تحریر لکھتے ہوئے اللہ سے استخارہ کیا اوران اشعار کی شرح کی جو میں نے رجب شعبان اور رمضان کے مہینوں میں مکہ مکرمہ میں مناسکِ عمرہ انجام دیتے ہوئے کہے تھے اوران ابیات میں معارف ربانی' انوار الٰہی' اسرار روحانی اور علوم عقلی و شرعی سمجھائے تھے اور ان کی جانب اشارہ کیا تھا- یہ اسرار و معارف میں نے زبانِ تغزل و تشبیب میں اس لیے بیان کیے تھے اوران کے لیے عشقیہ زبان اس لیے استعمال کی تھی کہ لوگوں کو ایسی عبارت' ایسی تحریر زیادہ بھائی اور ایسی تعبیرات کی طرف ان کا میلان زیادہ ہوتا ہے اور نتیجۃً انہیں سننے اور ان کی طرف کان لگانے کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے عشقیہ زبان ہر خوش ذوق ادیب اور صاحبِ دل صوفی کی زبان ہے-- اگر میں شعر کہتا ہوں کہ تقدیر مجھے نجد یا تہاء لے گئی اور اسی طرح اگر میں کبھی کہتا ہوں کہ بادل رو پڑے اور شگوفے مسکرا اٹھے یا چودھویں کے چاند کی بات کرتا ہوں جو اوٹ میں چلا گیا یا سورج جو طلوع ہوا یا سبزہ جو اگ آیا یا برق و رعد کی بات یا صبا کا ذکر یا نسیم کا تذکرہ یا جنوب اور آسمان اور راستہ یا عقیق یا تودۂ ریگ یا پہاڑ یا ٹیلے یا صدائے سنگ یا قریبی دوست یا جرس یا بلندیاں یا باغات یا جنگلات یا قرق گاہ یا ابھرے ہوئے پستان والی عورتیں جو سورج کی طرح لو دیتی ہیں یا کسی بت کا قصہ اور مختصر یہ کہ ان میں سے ہر چیز یا ان جیسی کسی بھی چیز کا جب میں ذکر کرتا ہوں تو وہ اس لیے ہوتا ہے کہ تو ان سے چھپے ہوئے حقائق جان لے جو ظاہر ہو چکے ہیں اور ان انوار کا مشاہدہ کر لے جو واضح ہو چکے ہیں- خداوند افلاک نے ان چیزوں کو میرے یا مجھ ایسے کسی دوسرے آدمی کی قلب پر جو عالم بھی ہو وارد کیا ہے- قدسی و علوی صفات نے مجھے جاننے والا کیا ہے جو میری سچائی کا نشان ہے- پس اپنے ذہن کو ان کے ظاہر سے پھیر کر ان کے باطن کو طلب کر تا کہ تو جان سکے"- (جلد سوم، ص ۵۶۳)

رمضان ۶۱۲ھ/ ۱۲۱۶ء میں ابن عربی، سیواس جاتے ہیں جہاں وہ سلطان کیکاوس کے انطاکیہ پر قبضے کا خواب دیکھتے ہیں- سیواس سے وہ ملطیہ چلے گئے جہاں انہوں نے کیکاوس کو منظوم خط لکھا اور

اسے فتح کی خوشخبری والا خواب بیان کیا- اس خواب کے ٹھیک بیس دن بعد عید الفطر کے دن انطا کیہ پر سلطان کا قبضہ ہو گیا-۶۱۳ھ میں وہ حلب گئے اور وہاں کے سلطان، ملک الظاہر☆(۷۵) جو اسی سال وفات پا گئے ان سے ملے- ملک الظاہر انہیں بنظر احترام دیکھتا تھا- لوگ ابن عربی کی وساطت سے بادشاہ کو اپنی حاجات پیش کرتے اور وہ پوری ہو جایا کرتیں یہاں تک کہ ایک ملاقات میں لوگوں کی ۱۱۸ عرضیاں ابن عربی نے سلطان کو پیش کیں اور وہیں بیٹھے بیٹھے ان سب کی حاجت براری کر دی گئی یہی نہیں بلکہ ان کے کہنے سننے سے بادشاہ نے اپنے ایک درباری کی (جس نے خیانت کی تھی اور بادشاہ کے کچھ راز فاش کر دیئے تھے) جان بخشی کر دی-(۷۶)

ملطیہ جو کہ مجد الدین کی زاد بوم تھا اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا مجد الدین اسحاق کے ساتھ ابن عربی کے انتہائی قریبی گھریلو قسم کے تعلقات تھے چنانچہ وہاں ابن عربی قریباً پانچ برس قیام پذیر رہے اور مضافات کے شہروں میں بھی آتے جاتے رہے- اسی عرصہ کے دوران ۱۷-۱۲۱۶ء میں جلال الدین رومی کے والد بہاؤ الدین ولد (۱۱۴۸ء-۱۲۳۱ء) کی قونیہ یا ملطیہ میں ابن عربی سے ملاقات ہوئی- رومی اس وقت آٹھ نو برس کے تھے اور وہ بھی ساتھ تھے- ابن عربی نے جاتے وقت رومی کے بارے میں یہ جملہ کہا کہ ''کیا غیر معمولی بصارت ہے! بحرِ لا مُحیط'' ☆(۷۷) اگر چہ رومی اور ابن عربی کی ایک اور ملاقات کا تذکرہ شبلی کی سوانح مولانا روم میں ملتا ہے تاہم رومی اور صدر الدین قونوی کی شخصی سطح پر شاگرد اور استاد کے حوالے سے بے مثال دوستی، رومی اور ابن عربی کے تعلق کا بہت بڑا حوالہ ہے-☆(۷۸)

ملیطہ میں اکتوبر ۱۲۱۷ء/۶۱۴ھ میں انہوں نے ترجمان الاشواق کو آخری شکل دی- مئی ۱۲۱۸ء میں اصطلاحات الصوفیہ لکھی- ۱۲۲۰ء میں وہ حلب آ گئے اور ابن سودکین کے گھر میں رہ کر تصنیف و تالیف اور درس و تدریس میں معروف ہو گئے- ۱۲۲۱ء/ ۶۱۸ھ کا سال ان کے لیے دکھ بھرا سال ثابت ہوا- اس سال سب سے پہلے تو ان کے سفر و حضر کے ساتھی اور دوست و غمگسار مجد الدین اسحاق وفات پا گئے- ان کا بیٹا صدر الدین اس وقت صرف سات آٹھ برس کا تھا- اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت کی ساری ذمہ داری ابن عربی نے اپنے ذمہ لی اور ان کی بیوہ سے نکاح بھی کر لیا- اسی سال ان کے ایک اور ساتھی بدر الحبشی وفات پا گئے جن کی خدمات ۲۳ سال کے طویل عرصہ پہ محیط تھیں- ۱۲۱۸ء/ ۶۱۵ھ میں کیکاؤس وفات پا گیا اور اس کے بھائی کیقباد اول سے ابن عربی کے تعلقات کی وہ

گرمجوشی نہ رہی جو کیکاوس سے تھی یوں ملطیہ بلکہ پوری سلجوق سلطنت سے شیخ اکبر کا تعلق بالآخر اپنے انجام کو پہنچا۔

دمشق میں قیام:

تمام سیر و سیاحت اور اہل طریق اور اربابِ فقہ سے ملاقات' اہل حکومت و سیاست سے تعلق اور علم و حکمت کے گوناں گوں شعبوں میں بہت سی گراں قدر کتابیں لکھنے کے بعد ۶۲۰ھ/۱۲۲۳ء میں ساٹھ سال کی عمر میں شیخ الاکبر دمشق میں اقامت گزیں ہو گئے اور آخر عمر تک اسی شہر میں رہے البتہ ایک مرتبہ ۶۳۵ھ/ ۱۲۳۷ء میں حلب گئے۔ حلب کا یہ ان کا تیسرا سفر تھا۔ وہاں وہ ایک ایسے شخص سے بھی ملے جو موصل کے معروف شاعر ابن الشعار (۱۱۹۷ء۔۱۲۵۶ء) کے کلام کا انتخاب مرتب کر رہا تھا۔ اس نے آپ کے بارے میں لکھا:

> ''ابن عربی درحقیقت طریق عرفان میں ہی باکمال نہیں بلکہ ایک عظیم صوفی عالم ہیں وہ اپنے طریق کے پیروکاروں' وابستگان اور خلفا کے گروہ کے رہنما و مرشد ہیں انہوں نے بہت سی علمی تحریریں لکھی ہیں۔ وہ روم (اناطولیہ اور خصوصاً ملطیہ اور قونیہ) میں رہے اور قرب و جوار کے ممالک کا سفر اختیار کیا اور بغداد بھی گئے۔ آخرکار انہوں نے دمشق میں اقامت اختیار کر لی۔ انہوں نے ''الٰہیات'' پر ظاہری اور باطنی علم کے سہارے بہت عالمانہ انداز میں لکھا ہے۔ خدا نے انہیں ''آتشی سوچ'' سے سرفراز کیا ہے۔ میں نے انہیں حلب میں ۶ ربیع الاول ۶۳۵ھ/ (۱۲۷ اکتوبر ۱۲۳۷ء) کو دیکھا''۔

G.Elmore,New Evidence On the Conversation of Ibn-al-Arabi to Sufism,Arabica.tome XLV.P;60

دمشق میں شیخ الاکبر کا اعزاز و اکرام علماء و قضاۃ اور سلاطین و حکام کی جانب دوسری ہر جگہ سے زیادہ ہو۔ الشافعی فقہ کے قاضی القضاۃ احمد بن خلیل خوئی ☆(۷۹) نے ان کی غلاموں کی طرح خدمت کی۔ ہر روز ان سے ملتے اور انہیں ۳۰ درہم نذرانہ پیش کرتے۔☆(۸۰) اسی طرح مالکی قاضی القضاۃ شیخ زین الدین زاوادی ☆(۸۱) اپنے عہدے سے دستبردار ہو کر راہ طریقت میں آپ کے پیرو ہو گئے اور ہمہ وقت آپ کی خدمت میں رہتے اپنی ایک بیٹی بھی ابن عربی کے نکاح میں دی۔ دمشق کے عمال و حکام میں ملک

مظفر غازی بن ابی بکر العادل بن ایوب (متوفی ۶۴۵ھ) بھی ان کا مرید تھا۔ شیخ نے انہیں روائت حدیث اور اپنی تصانیف کی اجازت بھی دی۔

شمس تبریز سے ملاقات:

شمس تبریز (۵۶۰ھ۔۶۴۵ھ) اور اوحد الدین کرمانی بغداد کے شیخ رکن الدین ابو الغنائم کے خلفاء میں سے تھے۔ شمس بعد میں مولانا روم کے مرشد بنے۔ اوحد الدین کرمانی کے ذریعے دمشق میں شمس تبریز، شیخ الاکبر سے ملے اور کہا "ایک کوہسار ہے، اسم بامسمیٰ" شیخ الاکبر نے ان کے ساتھ اپنے عزیز خلفاء جیسا رویہ اختیار کیا جیسا کہ **مقالات شمس تبریز** جلد اول کے صفحہ ۲۴۹ پر لکھا ہے:

> "ایک دن ہم اس بحث میں منہمک تھے کہ ایسی حدیث جو قرآنی آیات سے مطابقت رکھتی ہو اسے صحیح اور مستند حدیث کا درجہ دیا جاتا ہے۔ انہوں نے (ابن عربی) ایک حدیث بیان کی اور پوچھا کہ قرآن کی کونسی آیت اس سے مطابقت رکھتی ہے؟ اس لمحے میں نے دیکھا کہ وہ حالتِ وجد میں ہیں اور میں انہیں ایک برجستہ بیان سے اس حالتِ تفرقہ سے حالتِ انضمام میں لانا چاہتا تھا اس لیے میں نے کہا کہ حدیث کی جس قسم کی آپ نے بات کی ہے اس کے صحیح یا موضوع ہونے کے بارے میں مختلف رائے ہوسکتی ہے لیکن قرآن میں اس حدیث کے ساتھ مطابقت رکھنے والی کونسی آیت ہے کہ "علماء روح کی مانند ہیں" انہوں نے سوچا کہ میں ان سے سوال پوچھ رہا ہوں اس لیے انہوں نے فوراً قرآنی آیت کے حوالے سے جواب دیا کہ "درحقیقت مومن (آپس میں) ایک ہی برادری ہیں، تمہاری تخلیق اور تمہیں (عدم سے) وجود میں لانا نہیں ہے مگر ایک روح کی مانند"۔ اس کے بعد وہ مشاہدہ نفس کی کیفیت سے باہر آئے ور میری متوجہ کرنے کی وجہ کو سمجھ گئے کہ سوال نہیں پوچھا گیا تھا۔ انہوں نے کہا: "اے میرے بیٹے! تم نے الفاظ کے سخت کوڑے برسائے" شروع میں انہوں نے مجھے "بیٹا" کہا اور آخر میں بھی مجھے "بیٹا" کہا۔ ابن عربی مسکرائے جاتے تھے کہ اس نے (شمس) اس سے کیسا بچگانہ روحانی طریقہ اختیار کیا" (۸۲)

مشاهدات اور کشف و خوارق:

شیخ کہتے ہیں:

وغـص فـی بحر ذات الذات تبصر　　　عـجـائـب مـا تبدّت الـعـيـان

واسـرار اتـراعـت مبهـمـات　　　مسـتـرة بـأ رواح الـمـعـانـی

(تُو ذات کی ذات میں غوطہ زن ہوگا تو ایسے عجائبات دیکھے گا جو واضح طور پر ظاہر ہوں گے اور ایسے اسرار بھی دیکھے گا جو مبہم نظر آتے ہیں اور معانی کی روحوں میں پوشیدہ ہیں)

فَمَنْ شَهِدَ الامْرِ الَّذِیْ فَاشْهَدُمُه　　　يَقُولُ يَقُولِی فِیْ خِفَاءِ وَاعِلَان

(۸۳)

(پس جس نے اس امر کو مشاہدہ کیا جسے ہم نے مشاہدہ کیا ہے وہ تو ہمارے ہی قول کا قائل ہوگا خفیۃً ہو یا اعلانیۃً ہو)

مشاہدات اور کشف و خوارق کے سلسلے میں ان کے خلیفہ خاص اور شارح شیخ صدر الدین قونوی بتاتے ہیں:

''میں گواہ ہوں کہ ہمارے شیخ میں متعدد ایسی چیزیں تھیں - انہوں نے مجھے بتایا کہ ایک مرتبہ خواب میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا: ''خدا تمہاری عبادات کی جزا سرانجام دینے سے پہلے ہی دے دیتا ہے'' اگر وہ کسی چیز کی حقیقت جاننا چاہتے تو اسے بغور دیکھتے اور پھر اس کے مستقبل حتیٰ کہ اس کے انجام تک کی خبر دے دیتے اور وہ کبھی غلط ثابت نہ ہوئی - وہ لوگوں کے نہ صرف حال بلکہ ماضی کے حقائق و احوال بھی جان سکتے تھے'' (۸۴)

شیخ اکبر کے روحانی تجربات، واردات اور جن مکاشفات کا بیان فتوحات کے [illegible] الباب میں ہوا ہے وہ زیادہ تر ایک فرشتہ کی وساطت سے ہیں۔ شیخ نے کعبہ میں اسے جوان آدمی کی صورت میں دیکھا۔ وہ شیخ کو اپنا تعارف یوں کراتا ہے:

''میں عالم اور اسرار وجود عین و اَین کے ساتھ مرتبہ احاطہ میں ساتواں جزو ہوں۔ خدا نے مجھے ایک قطعۂ نور کا وجود عطا فرمایا۔ میری ماں سادہ عنصر ہے۔ کلیاتِ عالم میں خدا نے مجھے ملا دیا ہے۔'' (فتوحات، جلد اول، باب اول)

شیخ زیارت و طواف کعبہ کے اعمال اور حجرِ اسود کے چومنے کی حکمت پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں تو اسی فرشتہ کی وساطت سے انہیں باری تعالیٰ کا جواب موصول ہوتا ہے۔ فتوحات میں یہ قصہ یوں

درج ہے:

''طواف کرتے وقت میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں کعبہ کا طواف کیونکر کروں حالانکہ وہ ہماری راز و نیاز اور حرکتِ طواف کو دریافت کرنے سے نابینا ہے۔ حجرِ اسود جو محض ناتراشیدہ پتھر کعبہ کے کونے میں نصب ہے وہ ہماری حرکات مثلاً اس کو چومنے اور ہاتھ لگانے سے ناواقف ہے۔ جواب میں مجھے کہا گیا او حیرت زدہ آدمی! تم ایسا اعتراض کرنے اور اس پر مُصر ہونے سے ہلاک شدہ شمار ہو گے۔ چشمِ دل سے اس خانۂ خُدا کو دیکھو کہ اس کا نور اُن دلوں کے لئے درخشاں ہو رہا ہے جو پاک ہوئے اور جن پر رازِ الٰہی کھولے گئے۔ خُدا کی قسم پاکیزہ دلوں نے نورِ کعبہ کو بغیر پردہ کے دیکھا اور اس کا بلند اور بزرگ بھید اُن پر ظاہر ہوا اور پاکیزہ دلوں کے لئے میرے جلال کے کنارۂ آسمان سے صداقت کا چاند جلوہ گر ہو رہا ہے جس کو کذب کے گہن نے نہیں چھوا۔''

ابن عربی نے اپنی متعدد کتب میں ھویت الٰھی کے ظاہر و باطن اور انبیاء و رسل علیہم السلام کے عینی مشاہدات کے واقعات رقم کیے ہیں۔ ھویت الٰھی کے دیدار کے حوالے سے ڈاکٹر محسن جہانگیری رقمطراز ہیں:

''۶۲۸ھ میں اس شہر (دمشق) میں ایک مرتبہ انہیں ھویت الٰہی کے ظاہر و باطن کا مشاہدہ ہوا کہ اس سے قبل کسی کشوف میں یہ مشاہدہ نہیں ہوا تھا۔ اس کا مشاہدہ ایک نورانی صورت میں ہوا جو نور سپید کی بنی ہوئی تھی اور جس کے پسِ منظر میں ایک سرخ نور چمک رہا تھا۔ اس کے دیکھنے سے انہیں ایسا علم اور معرفت حاصل ہوئی اور اتنی لذت و مسرت ملی کہ ان کی قدرت بیان اس کی تعریف کرنے سے قاصر تھی۔ یہ واقعہ نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں: ''اس واقعے سے پہلے میں نے کبھی ایسی صورت دیکھی تھی نہ کبھی ایسا خیال آیا تھا اور نہ کبھی قلب پر اس کا گمان گزرا تھا'' (۸۵)

فتوحات مکیہ میں ابن عربی انبیاء و رسل کے عینی مشاہدات کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے تمام انبیاء و رسل کا عینی مشاہدہ کیا ہے۔ میں نے قوم عاد کے پیغمبر حضرت ہودؑ سے براہ راست گفتگو کی ہے۔ میں نے تمام مومنین کا جو اس وقت تک پیدا ہو چکے ہیں اور قیامت

تک پیدا ہوتے رہیں گے' عینی مشاہدہ کیا ہے- اللہ تعالیٰ نے دو مختلف وقتوں میں لیکن ایک ہی جگہ ان کا مشاہدہ کرایا ہے- آنحضرت ﷺ کو چھوڑ کر میں نے باقی رسولوں کی ہم نشینی کا فیض اٹھایا ہے اور اس سے نفع حاصل کیا ہے- میں نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے قرآن پڑھا ہے- حضرت عیسیٰ روح اللہ کے ہاتھ پر توبہ کی ہے- حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے مجھے کشف وایضاح اور رات دن کے الٹ پھیر کا علم عطا فرمایا ہے اور جب مجھے یہ علم حاصل ہو گیا میرے لئے رات' رات نہ رہی بلکہ پورا ہی دن ہو گیا- میرے لئے سورج کے طلوع و غروب کا کوئی فرق باقی نہ رہا- اس کا کشف خدا کی طرف سے اس بات کی اطلاع تھی کہ آخرت میں شقاوت و بدبختی کے اندر میرا کوئی حصہ نہیں ہے- میں نے حضرت ہودؑ سے ایک مسئلہ کی وضاحت چاہی تو آپ نے مجھے اس کی معرفت بخشی اور مجھے اس زمانہ تک کے وجود کی معرفت ہوگئی- رسولوں میں سے میں نے آنحضرت ﷺ' حضرت ابراہیمؑ' حضرت موسیٰؑ' حضرت عیسیٰؑ' حضرت ہودؑ اور حضرت داؤدؑ کے ساتھ معاشرت اختیار کی- باقی رسولوں کو میں نے صرف دیکھا ہے ان کی صحبت مجھے حاصل نہیں ہوئی ہے''(جلد چہارم' ص ۷۷)

فتوحات میں مختلف مقامات پر لکھا ہے کہ ابن عربیؒ نے کئی مرتبہ بیداری میں اور خواب میں آنحضرت ﷺ کو دیکھا اور ان سے فتویٰ پوچھا- انہوں نے حضرت خضرؑ سے کئی مرتبہ ملاقات کی اور انہیں پانی پر چلتے اور فضائے آسمانی میں حصیر بچھا کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا- یہی نہیں بلکہ کئی بزرگوں کو ہوا میں اڑتے ہوئے پایا- انہوں نے کعبہ کے اندر عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے زاہد و عابد لڑکے احمد السبتی کی متجسد روح سے ملاقات کی اور اس سے حالات دریافت کیے- اس طرح مشہور صوفی ابو عبدالرحمٰن السلمی (المتوفی ۴۱۲ھ) کی متجسد روح سے بھی ملاقات کی- بڑے بڑے اوتار وابدال واقطاب سے بھی ملے- یہی نہیں بلکہ تجلی کی حالت میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ حضرت ذوالنون مصریؒ حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ حضرت جنید بغدادیؒ حسینؒ بن منصور حلاج' ابو عبداللہ المرتعشؒ اور ابن عطاؒ سے ملاقات اور گفتگو کی- ان سب نے ابن عربیؒ کی غیر معمولی قابلیت' ذکاوت و ذہانت اور لیاقت کا اعتراف کیا- حضرت جنیدؒ ان کی غیر معمولی قابلیت دیکھ کر شرمسار ہو گئے- ابن عربی نے انہیں اطمینان دلایا کہ جب انہیں ابن عربی جیسا جانشین ملا ہے تو پھر انہیں کیا خوف ہو سکتا ہے- حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ نے ابن

عربیؒ سے فرمایا' تم علم توحید میں امام ہو۔ تم نے وہ کچھ جان لیا ہے جس کو میں نہیں جان سکتا تھا۔''

انبیاء ورسل کے عینی مشاہدات کے سلسلے میں لکھتے ہیں:

''میں نے تمام انبیاء ورسل کا عینی مشاہدہ کیا ہے۔ میں نے قوم عاد کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام سے براہ راست گفتگو کی ہے۔ میں نے تمام مومنین کا جو اس وقت تک پیدا ہو چکے ہیں اور قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے' عینی مشاہدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو مختلف وقتوں میں لیکن ایک ہی جگہ ان کا مشاہدہ کرایا ہے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وسلم) کو چھوڑ کر میں نے باقی رسولوں کی ہم نشینی کا فیض اٹھایا ہے اور اس سے نفع حاصل کیا ہے۔ میں نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے قرآن پڑھا ہے۔ حضرت عیسیٰ روح اللہ کے ہاتھ پر توبہ کی ہے۔ حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے مجھے کشف وایضاح اور رات دن کے الٹ پھیر کا علم عطا فرمایا ہے اور جب مجھے یہ علم حاصل ہو گیا میرے لئے رات' رات نہ رہی بلکہ پورا ہی دن ہو گیا۔ میرے لئے سورج کے طلوع وغروب کا کوئی فرق باقی نہ رہا۔ اس کا کشف خدا کی طرف سے اس بات کی اطلاع تھی کہ آخرت میں شقاوت وبدبختی کے اندر میرا کوئی حصہ نہیں ہے۔ میں نے حضرت ہود علیہ السلام سے ایک مسئلہ کی وضاحت چاہی تو آپ نے مجھے اس کی معرفت بخشی اور مجھے اس زمانہ تک کے وجود کی معرفت ہو گئی۔ رسولوں میں سے میں نے آنحضرت ﷺ' حضرت ابراہیمؑ' حضرت موسیٰؑ' حضرت عیسیٰؑ' حضرت ہودؑ اور حضرت داؤدؑ کے ساتھ معاشرت اختیار کی۔ باقی رسولوں کو میں نے صرف دیکھا ہے ان کی صحبت مجھے حاصل نہیں ہوئی ہے''

(فتوحات مکیہ، جلد چہارم، ص: ۷۷)

حضرت آدمؑ کی رویت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''جب میرا جسم، حسین وجمیل کعبہ تک پہنچا اور امین لوگوں کا رتبہ حاصل کر لیا۔ وہاں پر میں نے ملاء اعلیٰ کو دیکھا اور حضرت آدمؑ کے ساتھیوں میں شامل ہو گیا۔ وہاں پر حضرت آدمؑ کا ایک بیٹا بھی دیکھا جو بڑے بڑے کریموں میں سے اکرم، وسیع بخشش کا مالک، صاحب تقویٰ اور فرماں بردار تھا۔ یہ سب لوگ سیاہ پوش تھے اور بیت مکرم میں سرگرم طواف تھے۔ اور میرے باپ یعنی حضرت آدمؑ بزرگ ملائکہ کے آگے آگے کمزور رفتار سے چل رہے تھے اور

بندہ یعنی ابن العربی مودب شخص کی طرح خمیدہ گردن اپنے باپ کے سامنے کھڑا تھا اور جبرائیلؑ میرے سامنے تھے۔ اپنے باپ کی خدمت کے لئے میں نے ہاتھ میں معالم ومناسک لے رکھے تھے تاکہ وہ اپنے بیٹوں کے سپرد کرسکیں۔ مجھے اپنے باپ کا یہ جاہ وجلال دیکھ کر تمام فرشتوں پر تعجب ہوا کہ اُنہوں نے اس پر زمین میں فساد کرنے اور خون بہانے کا الزام کیسے لگایا تھا۔

اب میں دیکھ رہا تھا کہ فرشتے اور میرے والدِ گرامی ایک ہی مجلس میں جلوہ افروز ہیں جبکہ میرے والد سردار اور ملائکہ اُن کے خادم تھے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعتراض کا اعادہ بصورتِ عدل کر دیا اور اُن کو خادم بنا کر بمنزلہ اِعداء قرار دیا تھا۔ گویا فرشتوں کو پہلے دن کے اعتراض کی سزا کے طور پر حضرت آدمؑ کی خدمت پر مامور کیا گیا تھا۔ جب میں نے یہ تمام حقائق ملاحظہ کیے تو میرا دل ہر قسم کے تصورات وتخیلات سے پاک ہوگیا۔''

وہ کئی مرتبہ خواب اور بیداری میں آنحضرت ﷺ کی زیارت سے بہرہ یاب ہوئے جیسا کہ فتوحات کے خطبے میں لکھتے ہیں:

''حمدِ الٰہی کے بعد میں اُس ذاتِ گرامیِ صفات کے لئے رحمت کی درخواست کرتا ہوں جس میں اس ہستی کا راز مضمر ہے اور جس کا وجودِ مسعود اس عالم کا لُبِ لباب ہے۔ تمام کائنات کا وہی مطلوب ومقصود ہے۔ وہ تمام دنیا کا سردارِ حقیقی اور تمام باتوں میں صادق القول ہے۔ جس نے راتوں رات ساتوں منازلِ سماویہ کو طے کر کے پروردگارِ عالم کا شرفِ حضوری حاصل کیا۔ یہ اس لئے ہوا کہ خالقِ پاک جس نے اس کو اس معراج سے مخصوص فرمایا۔ وہ اس کو اپنی قدرت کے عظیم نشانات دکھانا اور حقائقِ کونیہ سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے عالمِ مثال میں مکاشفۂ قلبیہ کے طور پر اس عالم میں اس کو ایسا عالی قدر سردار پایا جس کے مقاصد ومطالب آمیزشِ نفسانی سے معصوم۔ اس کے مشاہدات تلبیسِ شیطانی سے محفوظ اور وہ ہر ایک حالت میں مؤید ومنصور ہے۔ تمام فرستگانِ خُدا (رُسل وانبیاء) اُس کے روبرو صف باندھے کھڑے تھے اور اُس کی اُمت جس کو خیرالامم کا خطاب ملا ہے اُس پر پروانوں کی طرح گرتی تھی۔ ملائکہ تسخیر آپ کے پایۂ تخت کے اردگرد حلقہ زن تھے اور وہ فرشتے جو نیک عملوں سے

پیدا ہوتے ہیں سب دست بستہ حاضرِ خدمت تھے۔صدیق اکبرؓ داہنے مقدس جانب میں عُمر فاروقؓ آپ کے طرف باریاب تھے۔اورختم آپ کے سامنے زانوئے ادب تہ کر کے حدیث انثیٰ خدمتِ عالیہ میں عرض کرر ہا تھا۔علی مرتضیٰؓ ختم کے ترجمان بنے ہوئے تھے اور عثمان ذوالنورینؓ شرم وحیا کی چادر اوڑھے اپنے کام میں مشغول تھے۔سرورِ عالی قدر اور چشمہءشیریں فیض نے مجھ کوختم کے پیچھے بیٹھا ہوا دیکھ لیا۔یہ قُرب میرے اورختم کے درمیان اس وجہ سے تھا کہ میرا اوراُس کا ایک ہی حُکم ہے۔سرورِ کائنات نے اُس سے مخاطب ہو کر فرمایا:''یہ تمہارا ہمسر ہے،تمہارا بیٹا اور تمہارا دوستِ مخلص ہے اس کے لئے میرے سامنے درخت جھاؤ کی لکڑی کا منبر نصب کردو۔(آنحضرت ﷺ کا منبر اسی لکڑی سے بنا تھا)۔اس کے بعد میری طرف اشارہ کر کے فرمایا''اے محمد(ابن عربی)!میری اور میرے بھیجنے والے خالق کی تعریف بیان کرو۔تمہارے جسم میرا ایک بال ہے(ابن عربی فتوحات کے باب ۳۶۷ میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مجھے اُس مقامِ عبودیت سے جس کے ساتھ آنحضرت ﷺ مخصوص ہیں بیل کی کھال کے ایک بال کے برابر حصّہ عطا ہوا)۔اُس بال کے شوق سے میں بیتاب ہوں۔یہی بال تمہارے تمام اجزاء میں بادشاہ کا حُکم رکھتا ہے۔تُم ہمہ تن میری طرف متوجہ ہو جاؤ۔یہ ایک امر ضروری ہے کہ اس بال سے میری ملاقات ہوگی کیونکہ وہ عالمِ شقاوت کے مفہوم میں داخل نہیں۔اس کی وجہ یہ ہے کہ میری بعثت کے بعد میرا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ جزو بھی کسی چیز میں ہوتو وہ سعید ہوتی ہے اور اگر کسی کو یہ سعادت نصیب ہوتو وہ اس قابل ہوتا ہے کہ ملاء اعلیٰ(ملائکہ مقربین کی جماعت ومجلس)میں اس کی قدر دانی اور تعریف کی جائے۔''ختم نے رسالت پناہ ﷺ کے ارشاد مبارک کی تعمیل کر کے اس عالی قدر مقام میں منبر نصب کردیا۔منبر کے ایک پہلو پر نور کے قلم سے جلی حروف میں لکھا ہوا تھا:''یہ وہ مقدس درجہ ہے جس کو مقامِ محمدی کہتے ہیں۔اس مقام پر چڑھنے والا اس مقام شرف کا وارث ہے اور حق تعالیٰ اس کو اپنی شریعتِ مطاہرہ کی حفاظت کے لئے مبعوث ومقرر فرما کر بھیج دیتا ہے۔اس حالت میں مُجھ کو موہبتِ یزدانی کے طور پر حکمت ہائے الٰہیہ کا علم عطا کیا گیا۔گویا اس وقت مجھ کو جوامع الکلم(وہ الفاظ جو دریا کو کوزہ میں بند کرنے

کے مصداق ہوں) کا القا کیا گیا۔ میں خُدائے پاک کا شکر کر کے اس منبر کے بالائی حصہ پر چڑھ گیا اور ایسی جگہ پر پہنچ گیا جو آنحضرت ﷺ ہی کی جائے وقوف واستقرا تھی۔ جس جگہ پر میں کھڑا ہوا وہاں میرے لئے ایک سفید کرتے کی آستین بچھا دی گئی تا کہ جس جگہ پر آنحضرت ﷺ نے اپنا قدم مبارک رکھا ہے اس کو میں اپنے پاؤں سے نہ چھوؤں اس سے آنحضرت ﷺ کی تعظیم وتشریف اور اُن کا توقیر واحترام مقصود تھا۔ جس مقام کو آنحضرت ﷺ نے حضرتِ الٰہیہ میں پہنچ کر بے حجاب مشاہدہ کیا۔ اس مقام کو اُن کے وارث اور قائم مقام پردہ اور نقاب حائل ہونے ہی کی حالت میں دیکھ سکتے ہیں۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہمارے مکاشفہ ومعرفت اور اُن کے مکاشفہ ومعرفت میں سرِ مو فرق نہ ہوتا۔۔۔ جب میں اس مقامِ برتر میں سرورِ کائنات ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا جس کو شبِ معراج میں اپنے پروردگار جلّ سلطانہٗ سے وہ قرب حاصل ہوا جس کی فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى کی آیتِ کریمہ شارح ہے تو میں خجلت زدہ ہو کر سر جھکائے کھڑا رہا۔''

(فتوحاتِ مکیہ، مترجم: مولوی محمد فضل خان، ص: ۴۸ تا ۵۲)

اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حدوثِ عالم کے متعلق تقریر ہے جو قرآن وحدیث کے حوالے سے آپ ﷺ کی تعریف وتوصیف ہے۔ اس کے بعد شیخ لکھتے ہیں کہ پھر میں خواب کے اس مشہدِ اعلیٰ سے عالمِ سفلی کی طرف لوٹ آیا۔

پتھروں سے ذکر وتسبیحِ الٰہی کے سُننے اور اُن سے گفتگو کی واردت کا بیان ابنِ عربی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''ہمارا گوش شُنید اور چشم دید واقعہ ہے کہ پتھروں کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا زبان گویا سے ہم نے اپنے کانوں سے سُنا ہے۔ وہ ہم کو جلالِ الٰہی کے عارفین جیسے لوگوں سے خطاب کرتے ہیں۔ ہر انسان ان امور کو دریافت نہیں کر سکتا۔'' (فتوحات، اردو ترجمہ: مولوی محمد فضل خان، ص: ۵۱۵)

ابن عربی کا نظامِ فلسفہ، خوارق وکشفیات سے کم نہیں تاہم ان کی زندگی کے دو ایک واقعات یہاں درج کیے جاتے ہیں:

''ایک فلسفی شیخ الاکبر سے ملنے آیا۔ یہ شخص خوارق ومعجزات انبیاء علیہم السلام کا منکر تھا۔ اس

نے کہا ''لوگ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم آگ میں ڈالے گئے مگر جلے نہیں- یہ امر محال ہے کیونکہ ہر جلانے والی چیز جلا دیتی ہے- قرآن میں نار کے ذکر سے مراد نمرود ہے جبکہ حضرت ابراہیم کے نہ جلنے سے مقصد یہ ہے کہ حضرت ابراہیم دلیل و حجت سے اس پر غالب آ گئے تھے''۔ جب فلسفی اپنی بات کہہ چکا تو حاضرین شیخ کی طرف متوجہ ہوئے اتفاق سے جاڑے کا موسم تھا اور مجلس کے وسط میں انگیٹھی جل رہی تھی- شیخ نے بڑی متانت سے فلسفی پر نگاہ ڈالی اور فرمایا' ''تمہیں قرآن کے اس بیان سے انکار ہے' میں تمہیں یہ بات اسی جگہ دکھاتا ہوں جس کا مقصد صرف یہ ہوگا کہ معجزے کی صحت کا یقین دلایا جائے'' شیخ نے یہ کہہ کر دونوں ہاتھوں سے انگیٹھی پکڑ کر اپنے قریب کر لی اور پھر فرمایا ''کیا یہ وہی آگ ہے جس کے متعلق تم کہہ رہے ہو کہ جلانے کی صلاحیت رکھتی ہے؟'' فلسفی بولا ''ہاں' یہ وہی آگ ہے'' شیخ نے انگیٹھی اٹھا کر فلسفی کے دامن میں الٹ دی- اس نے گھبرا کر کھڑا ہونا چاہا' پھر یہ دیکھ کر حیران ہوا کہ نہ اس کے کپڑے جلے ہیں نہ ہی اس کا بدن حرارت محسوس کرتا ہے- وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر سرخ دہکتے ہوئے انگاروں کو تکنے لگا- شیخ نے اس کی اس کیفیت کو دیکھا تو زیر لب مسکرائے اور بے تکلفی سے دہکتے ہوئے انگاروں کو الٹنے پلٹنے لگے اس کے بعد انہیں اٹھا کر فلسفی کے سر اور بدن سے نچھاور کیا- جلتے ہوئے انگارے ادھر ادھر گر پڑے تھے لیکن فلسفی کا جسم اور کپڑے آگ سے ذرا متاثر نہ ہوئے- شیخ نے انگارے پھر انگیٹھی میں ڈال دیئے اور فلسفی سے کہا ''اپنا ہاتھ اس میں ڈال!'' جب فلسفی نے اپنا ہاتھ آگے بڑھایا تو وہ جلنے لگا- شیخ ابن عربی نے وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: اب یہ حقیقت عیاں ہو چکی ہے کہ آگ کا جلانا یا نہ جلانا خدا تعالیٰ کے حکم سے ہے یہ اس کی طبیعت کا خاصہ نہیں' فلسفی نے اقرار کیا-

ابن عربی ایک اور قصہ بیان کرتے ہیں کہ:

''ہم چند فقرا کو مصر کے شمع سازوں کے محلہ میں ایک بندۂ خدا نے دعوت دی- اکثر مشائخ جمع تھے- روٹی لائی گئی اور برتن بھر دیئے گئے' وہاں ایک شیشے کا برتن جو پیشاب کے لئے صاحب خانہ لایا تھا مگر وہ استعمال میں نہیں لایا گیا تھا- اس میں بھی صاحب خانہ کھانے کی چیز لے

آیا- وہ سب بندگان الٰہی روٹی کھا رہے تھے کہ اس برتن نے زبان حال سے کہنا شروع کر دیا- "جب اللہ تعالیٰ نے مجھے ان بزرگوں کا کھانے کا برتن بنا دیا تو میں نہیں چاہتا کہ آئندہ پیشاب کا برتن بنوں" یہ کہہ کر وہ دو ٹکڑے ہو گیا- ابن عربیؒ فرماتے ہیں "میں نے مشائخ سے پوچھا کہ تم نے سنا جو برتن نے کہا- انہوں نے کہا "ہاں ہم نے سنا" میں نے پوچھا "برتن نے کیا کہا؟" انہوں نے کہا "برتن کہتا ہے کہ ان عمدہ لوگوں نے جب مجھ میں کھایا میں نہیں چاہتا کہ آئندہ پیشاب کیلئے استعمال کیا جاؤں" اس لیے ٹوٹ گیا- ابن عربی فرماتے ہیں، میں نے کہا "اس برتن نے تو اور کچھ کہا ہے" انہوں نے فرمایا "کیا کہا ہے؟" ابن عربی نے جواب دیا' اس نے کہا "اے بندگان خدا! جب تمہارے دلوں کو خدا نے اپنے لئے منتخب کیا ہے اور ایمان شہودی سے نوازا ہے تو تمہیں چاہیے کہ تم اس دل کو گناہوں کی نجاست کا محل نہ بناؤ اور نہ حب دنیا کا مسکن ورنہ میری طرح ٹوٹ جاؤ یعنی مر جاؤ۔"

(فتوحات مکیہ، جلد چہارم، ص ۸۷)

عبدالوہاب شعرانی اپنی تالیف طبقات الکبریٰ میں شیخ الاکبر کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"شیخ محی الدین نے فتوحات میں ذکر کیا ہے کہ میں اور بعض ابدال کوہ قاف پر پہنچے تو ہمارا گزر ایک سانپ کے پاس سے ہوا جو اس پہاڑ کو حلقہ کیے ہوئے تھا- میرے ساتھی نے مجھ سے کہا کہ اس کو سلام کرو یہ تمہارے سلام کا جواب دے گا- چنانچہ میں نے سلام کیا اور اس نے جواب دیا- پھر اس سے پوچھا کہ کس ملک سے آئے ہو ہم نے کہا کہ بجار سے اس پوچھا کہ ابو مدین کا حال وہاں کے باشندوں کے ساتھ کیسا ہے ہم نے کہا کہ ان پر زندیق ہونے کا اتہام لگاتے ہیں اس نے کہا کہ واللہ بنی آدم کی آنکھوں پر پردے ہیں- واللہ میرا یہ گمان نہ تھا کہ اللہ عزوجل اپنے جس بندہ کو دوست رکھے گا اس کو کوئی برا سمجھے گا- پھر ہم نے اس سے پوچھا کہ تجھے اس کا علم کیوں کر ہوا اس نے کہا کہ سبحان اللہ روئے زمین پر کوئی جانور ایسا بھی ہے جو ان سے ناواقف ہو- واللہ وہ تو ان لوگوں میں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ولی بنایا اور ان کی محبت بندوں کے دلوں میں اتاری ہے ان کو تو کافر یا منافق ہی برا سمجھے گا"(۸۶)

مذهب و مسلک:

اکثر ماخذ میں لکھا ہے کہ آپ ظاہری مسلک و مذہب سے تعلق رکھتے تھے یعنی امام ابوداؤد ظاہری☆(۸۷) کے مقلد تھے-المقری، نفح الطیب جلد ۲ ص۱۰۰ پر لکھتے ہیں:

''آپ عبادات میں ظاہری مسلک کے پابند تھے اور اعتقادات میں باطنی نقطہ نظر کے حامل تھے''

ڈاکٹر محسن جہانگری کے مطابق:

''شیخ کے اکثر سوانح نگار اور مورخین انہیں اہلسنت والجماعت کے علماء میں شمار کرتے ہیں- بعض شیعہ اکابر انہیں متعصب سنی جبکہ کچھ اہلسنت نے انہیں شیعہ خیال کیا- اسماعیلی شیعہ انہیں اپنوں میں سمجھتے ہیں اور حجت کے مرتبے پر قرار دیتے ہیں علاوہ ازیں اثنا عشری شیعوں میں بھی کچھ ایسے بڑے حضرات (شیخ بہائی' میرزا محمد اخباری اور قاضی نور اللہ شوستری) نظر آتے ہیں جو ابن عربی کو اثنا عشری سمجھتے ہیں حالانکہ ان کے شیعہ ہونے کا احتمال بہت کمزور ہے ظن غالب یہ ہے کہ وہ سنی تھے''(۸۸)

تحقیق و تمحیث کے بعد ڈاکٹر موصوف اس نتیجہ پر پہنچے ہیں:

''ابن عربی نہ تو متداول معنی میں شیعہ تھے اور نہ معروف مفہوم میں سنی- وہ ایک وحدت الوجودی صوفی تھے جو وجود کو واحد جانتے تھے نیز حقیقت اور دین و مذہب کو بھی- بنابریں ان کا طریقہ یہ تھا کہ خود کو خارجی تعصبات کی قید و بند اور دینی و کلامی مناظرات اور مجادلات سے آزاد کرلیا جائے''(۸۹)

سلاسل خرقہ جات:

فتوحاتِ مکیہ میں شیخ رقمطراز ہیں:

''پس اصحابِ احوال کی عادتِ جاریہ ہے کہ اپنے ساتھیوں میں سے جب کسی میں نقص یا کمی پاتے ہیں تو چاہتے ہیں کہ اس کا حال مکمل کردیں تو اس کا شیخ اس کے ساتھ متحد ہو جاتا ہے چنانچہ اس اتحاد کے بعد شیخ کا لباس اس کے حال میں حال وارد کردیتا ہے چنانچہ شیخ اس لباس کو اتار کر اسے پہنا دیتا ہے جس کے حال کو مکمل کرنے کا ارادہ ہوتا ہے تو یہ حال اس میں سرایت کر جاتا ہے- ہمارے نزدیک یہی لباس معروف ہے اور ہمارے مشائخ میں سے

محققین سے یہی منقول ہے"(۹۰)

اصطلاحات کاشی میں لکھا ہے کہ شیخ محی الدین ابن عربی نے اپنی کتاب الملابس میں ذکر فرمایا ہے کہ انہوں نے خرقۂ تصوف ابوالحسن علی بن عبداللہ بن جامع کے دستِ مبارک سے پہنا ہے اور انہوں نے حضرت خضرؑ سے حاصل کیا۔☆(۹۱) اس کی تصریح فتوحات میں یوں کرتے ہیں:

"ہمارے مشائخ میں سے ایک شخص علی بن عبداللہ بن جامع سے میری ملاقات ہوئی۔علی بن عبداللہ، علی متوکل اور ابی عبداللہ قضیب البان کے ساتھی تھے۔قضیب البان موصلی ہیں اور موصل کے باہران کا باغ تھا اور حضرت خضرؑ نے علی بن عبداللہ کو قضیب البان کی موجودگی میں خرقہ پہنایا تھا اور شیخ نے اس مقام پر مجھے خرقہ پہنایا جہاں اس باغ میں حضرت خضرؑ نے انہیں ان کے باغ میں پہنایا تھا اور اسی صورت میں پہنایا تھا جو انکے پہننے میں ظاہر ہوئی تھی۔علاوہ ازیں میں نے حضرت خضرؑ کا خرقہ دوسرے طریق سے اپنے ساتھی تقی الدین عبدالرحمٰن بن علی بن میمون بن اب الورزی کے ہاتھ سے پہنا تھا اور انہوں نے دیارِ مصر کے شیخ الشیوخ صدرالدین ابن حمویہ کے ہاتھ سے پہنا تھا اس وقت سے میں خرقہ پہننے کے لئے کہتا ہوں اور لوگوں کو پہناتا ہوں جب میں نے دیکھا کہ حضرت خضرؑ اسے معتبر گردانتے ہیں جب کہ پیش ازیں میں اس وقت تک خرقہ معروفہ کا قائل نہیں تھا کیونکہ ہمارے نزدیک خرقہ سے مراد یہ تھی کہ صحبت و ادب اور تخلق کو اختیار کیا جائے۔اس لیے کہ خرقہ پہننا حضور رسالت مآب ﷺ کے ساتھ متصل نہیں یعنی آپ خرقہ نہیں پہناتے تھے ولیکن ادب اور صحبت کا اتصال پایا جاتا ہے اور وہ لباس تقویٰ کے ساتھ عبارت ہے"

(مترجم صائم چشتی، جلد سوم، ص ۲۱۷، ۲۱۸)

شیخ خاکی نے ابن عربی کے خرقۂ تصوف کے پانچ سلسلوں کا ذکر کیا ہے:

1۔ابن عربیؒ < از جمال الدین یونس بن یحیٰی عباسؒ قصار < از شیخ عبدالقادرؒ بن ابی صالح بن عبداللہ الجیلانیؒ < از ابوسعید مبارک بن علی مخزومیؒ (یا مخزمی) < از ابوالفرج طرطوسیؒ < از ابوالفضل عبدالواحد بن عزیزؒ تمیمی < از ابوبکر محمد شبلیؒ < از جنید بغدادیؒ < از سری سقطیؒ < از معروف کرخیؒ < از علی الرضاؑ < از موسیٰ بن جعفرؑ < از جعفر بن محمدؑ < از محمد باقرؑ < از زین

العابدینؒ < از حسین بن علیؓ < از علی ابن ابی طالب کرم اللہ < از محمد رسول اللہ ﷺ۔

2۔ ابنِ عربیؒ < از ابوعبداللہ محمد بن قاسم بن عبدالرحمٰن تمیمی فاسیؒ < از ابوالفتح محمود بن احمد بن محمود محمودیؒ < از ابوالحسن علی بن محمد بصریؒ < از ابوالفتح شیخ الشیوخؒ < از ابواسحاق بن شہریار مرشد حسین یا حسن اکاریؒ < از عبداللہ بن خفیفؒ < از جعفرؒ < از ابوعمرو اصطخریؒ < از ابوتراب نخشیؒ < از شفیق بلخیؒ < از ابراہیم بن ادھمؒ < از موسیٰ بن زید راعیؒ < از اویس قرنیؒ < از عمر بن خطابؓ و علی بن ابی طالبؓ < از رسول اللہ ﷺ۔

3۔ ابن عربیؒ < از تقی الدین عبدالرحمٰن بن میمون بن نوروزیؒ < از ابوالفتح محمود بن احمد بن محمود محمودیؒ اور پھر یہاں سے رسول اللہ ﷺ تک سلسلہ نمبر۲ کی ترتیب کے مطابق۔

4۔ ابن عربیؒ < از علی بن عبداللہ بن جامعؒ < از خضر (علیہ السلام)

5۔ ابن عربیؒ < از خضر (علیہ السلام) ☆(۹۲)

ایک اور سلسلہ تصوف کا ذکر بھی ملتا ہے جو شیخ خاکی کے اول الذکر سلسلہ سے ملتا جلتا ہے:

"شیخ محی الدین ابن عربیؒ < شیخ ابوسعود ابن الشبلیؒ < غوث الاعظم محی الدین جیلانیؒ < شیخ ابوسعید مبارک بن علی المخزومیؒ < شیخ علی بن احمدؒ < شیخ محمد بن عبداللہ طرطوسیؒ < شیخ عبدالواحد بن عبدالعزیز تمیمیؒ < شیخ عبدالعزیز بن حارث تمیمیؒ < شیخ محمد بن خلف الشبلیؒ < سیدنا جنید بغدادیؒ < سیدنا سری سقطیؒ < سیدنا معروف کرخیؒ < سیدنا داؤد طائیؒ < سیدنا حبیب عجمیؒ < سیدنا حسن بصریؒ < حضرت علی المرتضیٰؓ < سید المرسلین حضور کبریا علیہ التحیۃ والثناء۔ (۹۳)

محمد لطفی جمعہ نے ابن عربی کے سترہ شیوخ طریقت گنوائے ہیں جن کے اسماء حسب ذیل ہیں:

(۱) ابوجعفر عرینیؒ (ابن عربی کے اشبیلیہ میں پہلے شیخ)۔ (۲) ابویعقوب یوسف بن یخلف الکومیؒ (آپ ابومدین کے اصحاب میں ہیں)۔ (۳) صالح عدویؒ۔ (۴) ابوعبداللہ محمد سرقیؒ۔ (۵) ابویحییٰ صنہاجیؒ۔ (۶) ابوالحجاج یوسف شبربلیؒ۔ (۷) ابوعبداللہ محمد بن قسومؒ۔ (۸) ابوعمران موسیٰ بن عمران مارتلیؒ۔ (۹) ابوعبداللہ محمد خیاطؒ۔ (۱۰) ابوالعباس احمد اشبیلیؒ۔ (۱۱) ابوعبداللہ محمد بن جمہورؒ۔ (۱۲) ابوعلی شکازؒ۔ (۱۳) ابومحمد عبداللہ بن محمد ابن العربی الطائیؒ (شیخ اکبر کے چچا)۔ (۱۴) ابومحمد بن عبداللہ بن استاد مروزیؒ (ابومدین کے خدام میں سے

تھے) (۱۵) ابو محمد عبداللہ قطانؒ۔ (۱۶) ابو عبداللہ محمد ابن اشرف الرندیؒ۔ (۱۷) موسیٰ ابو عمران سیدرائیؒ۔'' ☆(۹۴)

وفات:

اندلس کے شہر مُرسیہ میں طلوع ہونے والا تصوف و عرفان کا سورج بالآخر دمشق میں غروب ہو گیا لیکن روشنی اب تک باقی ہے۔ شیخ الاکبر نے ۷۵ برس کی عمر میں ۲۲ ربیع الثانی ۶۳۸ھ/ ۹ نومبر ۱۲۴۰ء کو وفات پائی۔ ☆ (۹۵) مقری نے ۲۸ ربیع الثانی جمعہ کی رات لکھا ہے۔ ☆(۹۶) ابو شامہ (المتوفی ۶۶۵ھ/ ۱۲۶۸ء) جو کہ تدفین کے وقت موجود تھا، کے مطابق تاریخ وفات ۲۲ ربیع الثانی ہی ہے۔ ☆(۹۷)۔ شیخ اکبر، قاضی محی الدین الزکی ☆(۹۸) کے مکان میں فوت ہوئے۔ ☆(۹۹) R.W.J. AUSTIN اپنی کتاب SUFIS OF ANDALUSIA میں شیخ کی تاریخ وفات ۲۸ ربیع الثانی ۶۳۸ھ/ ۱۶ نومبر ۱۲۴۰ء اور عمر ۷۶ برس لکھتے ہیں۔ ☆(۱۰۰) بہر حال ان کے معاصر ابو شامہ کی بیان کردہ روایت صحیح متصور کی جاتی ہے۔ مادہ تاریخ وفات صاحب الارشاد (۶۳۸) ہے۔

عقل فرمود صاحب الارشاد سال ترحیل او بصد تزئین

(۱۰۱)

وفات کے وقت ان کے اعزہ اور مریدین بھی موجود تھے۔ قاضی محی الدین ابن زکی ☆(۱۰۲) اور جمال الدین ابن عبدالخالق نے ان کو غسل دیا اور عماد الدین بن نحاس ☆(۱۰۳) پانی دیتے رہے۔ (۱۰۴)

انہیں شہر کے شمال مغرب میں کوہ قاسیون ☆(۱۰۵) کے دامن میں قریہ صالحیہ ے مں ا پر قاضی محی الدین الزکی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ شذرات الذھب میں لکھا ہے:

''ابن عربی کا انتقال ۲۲ ربیع الاولی کو دمشق میں قاضی محی الدین الزکی کے مکان پر ہوا۔ انہیں قاسیون لے جایا گیا وہیں ان کی قبر بنی جو جنت کے باغوں میں سے ایک ٹکڑا ہے۔'' (۱۰۶)

کیا شیخ نے طبعی وفات پائی یا انہیں قتل کیا گیا۔ ہمارے پاس ایسا کوئی قابل یقین مصدر و ماخذ نہیں جس سے پتہ چل سکے کہ انہیں فی الواقع قتل کیا گیا تاہم دمشق میں ایک عجیب و غریب روایت نسل در نسل چلی آ رہی ہے جو ہر دمشقی اس وقت بیان کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے جب اس کے سامنے ابن عربی کا ذکر کیا جائے یہ کہ سیدی محی الدین کو فقہا کے ایک گروہ نے دھوکے سے قتل کیا۔ کہانی یہ ہے کہ ابن عربی ایک

امیر دمشقی تاجر کے گھر کے قریب سے گزر رہے تھے جو گھر کے باہر اپنے احباب (جن میں زیادہ تر فقہا تھے) اور گاہکوں کے درمیان بیٹھا ہوا تھا جب ان سب نے شیخ کو دیکھا تو تاجر نے انہیں بلایا اور کہا کہ ان رازوں اور خزانوں میں سے کوئی ہمیں بھی فائدہ پہنچانے والی چیز عنایت کریں جو خدا نے آپ کو عنایت کیے ہیں"۔ ابن عربی ٹھہر گئے اور کہا "جس خدا کو تم پوجتے ہو وہ میرے قدموں کے نیچے ہے" وہ شخص اور دیگر تمام لوگ ایسے "ناعاقبت اندیشانہ" جواب پر طیش میں آ گئے انہوں نے شیخ کو زدوکوب کرنا شروع کر دیا کہ ایسے مجرم کی سزا ہی یہی تھی حتیٰ کہ وہ زخموں کی تاب نہ لا کر چل بسے۔ فیصلہ کیا گیا کہ انہیں اسی جگہ دفن کر دیا جائے جہاں یہ اندوہناک واقعہ رونما ہوا۔ جب انہوں نے قبر کھودی تو انہیں اس میں سے ایک ایسا صندوق ملا جو سونے سے بھرا ہوا تھا" کہانی سنانے والے کہتے ہیں: "دراصل شیخ دکھانا یہ چاہتے تھے کہ وہ بدعنوان تاجر اور فقہا درحقیقت دنیاوی مال و اسباب کے پجاری تھے اور بس۔" اس واقعہ کے جلد ہی بعد تاجر بھی مر گیا"۔ (۱۰۷)

مسالہ لگی ہوئی یہ من گھڑت اور روائتی داستان کسی اس عوامی داستان گو کی کارستانی ہے جو شیخ کا بدخواہ تھا کہ جہاں ان کے لاتعداد عقیدت مند تھے وہاں بہت سے مخالف اور دشمن بھی تھے۔ ابوشامہ سمیت شیخ کے کسی معاصر نے یہ کہانی بیان نہیں کی۔ قاری البغدادی لکھتے ہیں:

"ابن عربی کے انتقال پر دمشق میں تین دن تک سوگ منایا گیا۔ سلطان، اس کے وزراء، شہزادے اور سیکڑوں علماء و فقہا نے جنازے میں شرکت کی۔ تین روز تک دمشق کی دکانیں بند رہیں" (۱۰۸)

قاری البغدادی کے اس بیان کے بعد یہ بات اظہر من الشمس ہو جاتی ہے کہ اوپر بیان کی گئی من گھڑت کہانی محض جھوٹ کا پلندہ ہے۔

اسلام کے اس عظیم ترین عارف کے پہلو میں نہ صرف ان کے دو فرزند بلکہ الجزائر کے مشہور پروانہ شمع وطن عبدالقادر☆ (۱۰۹) بھی مدفون ہیں۔

سلاطین آل عثمان، شیخ الاکبر کو ہمیشہ احترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور ان کے اعزاز و تکریم میں سرگرداں رہے کیونکہ وہ نصاریٰ پہ اپنی فتح اور خصوصاً قسطنطنیہ پر قبضے کو ابن عربی کی دعا کی برکت سمجھتے تھے اور ان کا اعتقاد تھا کہ ابن عربی نے اس فتح کی پہلے سے خبر دے دی تھی۔ لہذا جب سلطان سلیم خان

شام آیا تو ابن عربی کے مقبرے کی تعمیر پر توجہ دی اور مزار کے پاس ایک مسجد اور ایک بڑا مدرسہ بھی بنوایا اور اس کے لیے بہت سے اوقاف مقرر کیے۔(۱۱۰)

شیخ کے مزار پر یہ شعر کندہ ہے ۔

فِیْ کُلِّ عَصْرٍ وَاحِدٌ یَسْمُوْبِہٖ   وَاَنَا لِبَاقِی الْعَصْرِ ذَاکَ الْوَاحِد

(ہر زمانے میں کوئی ایک فرد ہوتا ہے جو اسے بلندی عطا کرتا ہے۔ اب جس قدر زمانہ باقی رہ گیا ہے اس کے لیے وہ فردِ یکتا میں ہوں) (۱۱۱)

تصانیف:

تالیفات وتصنیفات کی کثرت کے اعتبار سے پوری اسلامی تاریخ میں ایک بھی مصنف ایسا نہیں گزرا جس نے اپنے بعد اتنا بڑا اور عظیم الشان ذخیرۂ علمی اپنی یادگار چھوڑا ہوا۔ لکھنے لکھانے کے اعتبار سے کوئی ان کی ہمسری کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اگرچہ بوعلی سینا اور امام غزالی کا پایہ تصنیف وتالیف بہت بلند ہے لیکن ابن عربی کی تصنیفات، رسائل اور تالیفات ان دونوں بزرگوں کی مجموعی خدمات سے کہیں زیادہ ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان کی کتب ورسائل کی تعداد اس قدر زیادہ ہے کہ بظاہر فرد واحد سے ان کا صدور ناممکن نظر آتا ہے۔ وہ مشائخ وصوفیا کے مسلک کے مطابق عبادت وریاضت، مجاہدہ ومراقبہ، ذکر وشغل اور اوراد ووظائف، فرائض، سنت ونوافل، صبح خیزی وشب بیداری کے مشاغل میں بھی ہمیشہ سرگرم عمل رہے۔ انہوں نے دو، دو ہزار صفحات سے لے کر پچاس ہزار صفحات پر مشتمل کتابیں مرتب کیں۔ شیخ کی علمی فضیلت، جامعیت اور تحقیق کے اس پہلو کے بارے میں مولانا سید مناظر احسن گیلانی لکھتے ہیں:

''یہ واقعہ ہے کہ جس جامعیت کو ہم شیخ اکبر میں پاتے ہیں اسلامی علماء وصوفیاء کی طویل الذیل تاریخ میں اس کی نظیر صرف مشکل ہی نہیں بلکہ غالباً ناممکن ہے۔ اس زمانہ کے مروجہ علوم خواہ عقلی ہوں یا نقلی، ادبی ہوں یا دینی، شیخ کی کتابیں بتا سکتی ہیں کہ مشکل ہی سے کوئی ایسا علم یا فن اس زمانہ میں پایا جاتا ہوگا جس سے صرف معمولی لگاؤ نہیں بلکہ تحقیقی رشتہ قائم نہ تھا'' (۱۱۲)

انہوں نے مختلف اسلامی موضوعات اور بالخصوص تصوف پر اپنی تصانیف کا جو عظیم الشان ذخیرہ چھوڑا ہے وہ ان کے زمانے کے تمام علوم اسلامی کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں لکھا ہے کہ:

''ابن عربی کی بیشتر تصانیف کا موضوع تصوف ہے۔ اس وسیع و بسیط موضوع کے علاوہ ابن عربی نے حدیث، تفسیر، سیرت النبی ﷺ، ادب (جس میں متصوفانہ شاعری بھی شامل ہے)، علوم طبیعی، بالخصوص گیہاں شناسی (COSMOGRAPHY) ہیئت اور علوم مخفیہ پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ ان تصانیف کو زمانے کے اعتبار سے ترتیب دینا بہت مشکل ہے۔ ان کی صرف چند ایک کتابوں کے علاوہ باقی تمام اہم تصانیف بلاد مشرق خصوصاً مکہ معظمہ اور دمشق میں لکھی گئی تھیں اور فتوحات، فصوص اور تنزلات جیسی کتابیں جو ان کے پختہ ترین فکر کی آئینہ دار ہیں ان کی زندگی کے آخری بیس سالوں کی یادگار ہیں۔ ان کے ابتدائی دور کی تصانیف کی ایک اور امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ وہ کسی ایک موضوع سے مخصوص رسالوں کی شکل میں ہیں اور ان میں اس فلسفیانہ پختگی فکر کا کوئی نشان نہیں ملتا جو ان کی آخر عمر کی کتابوں میں نظر آتی ہے'' (۱۱۳)

مائیکل اے سیلز لکھتا ہے:

''ابن عربی کی تحریریں اس کا فلسفہ منعکس کرتی ہیں اور اندازِ تحریر ابن عربی کے فلسفہ کی زبردست قوائیت (Potentiality) کا کامل عکس ہے'' (۱۱۴)

پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی شیخ الاکبر کے رفعتِ علم اور اسلوبِ نگارش پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''علم کی وسعت، تجرباتِ حیات کی کثرت اور ذہنی بالیدگی و متانت نے ان کے قلم میں علمی وقار، ادبی اندازِ اظہار اور ابلاغ کی بے پناہ قوت پیدا کر دی تھی۔ ان کی تحریر میں بلا کی روانی بھی ہے اور معانی و مطالب کی حیران کن جولانی بھی۔ تصوف کے گداز نے ان کے قلم کو شہبازِ فکر کا ہم رکاب کر دیا ہے۔ ان کی تصنیفات و تالیفات کا ہر ہر حرف ان کی عظمت کا شاہد اور ان کے مخصوص طرزِ تحریر کا غماز ہے۔ ہر کلمہ اور ہر جملہ برملا اعلان کرتا ہے کہ وہ شیخ کے قلم کا موتی ہے۔ ان کے اندازِ تحریر اور اسلوبِ نگارش نے ان کو ایک منفرد مقام عطا کر دیا ہے اس عظمت و رفعت کے باوصف بعض اوقات شیخ کے کلام کی تفہیم میں دقت محسوس ہوتی ہے اور بسا اوقات ان کے مفاہیم قاری کے ذہن پر نہیں اترتے'' (۱۱۵)

مشہور جرمن مستشرق بروکلمان نے ابن عربی کو دنیا کا سب سے زیادہ زرخیز دماغ رکھنے والا

مؤلف اور نہایت وسیع الخیال اور وسیع المشرب مصنف قرار دیا ہے۔ اس نے ان کی ڈیڑھ سو ایک تالیفات کا بھی ذکر کیا ہے جو مخطوطات یا مطبوعات کی شکل میں موجود ہیں۔(۱۱۶)

شیخ الاکبر نے صدر الدین قونوی کے لیے اپنی تصانیف کی ایک فہرست ۶۲۷ھ/۱۲۳۰ء میں مرتب کی۔ **فہرست المؤلفات** کے دیباچہ میں شیخ لکھتے ہیں:

"لکھنے کے معاملہ میں دیگر مصنفین کی طرح میں نے کبھی مقصد وارادہ کے تحت نہیں لکھا بلکہ التہابِ الٰہی قسم کا الہام مجھے اپنے تصرف میں لے لیتا ہے اور پھر جو کچھ مجھ پہ منکشف ہوتا ہے وہ میں ذہن سے صفحۂ قرطاس پہ منتقل کر دیتا ہوں۔ میری سب تحریریں غیر ارادی طور پر لکھی گئی ہیں۔ بعض تحریریں میں نے خاص خدائی حکم کے تحت خواب یا الہام کے ذریعے لکھیں"(۱۱۷)

فہرست المؤلفات میں ۲۵۰ کتب ورسائل کا ذکر ہے۔ تاہم دمشق کے ایوبی سلطان ملک اشرف المظفر (سلطان صلاح الدین ایوبی کے بھتیجے) کو یکم محرم ۶۳۲ھ/ ۲۶ ستمبر ۱۲۳۴ء کو دی گئی ایک علمی سند واجازت میں شیخ نے اپنی ۲۹۰ کتب اور ۷۰، اساتذہ کا ذکر کیا ہے۔(۱۱۸)

نفحات الانس میں مولانا عبدالرحمٰن جامی نے ان کی جملہ تصانیف کی تعداد پانچ سو رقم کی ہے۔ ☆(۱۱۹) **البرهان الازهر فی مناقب الشیخ الاکبر** (قاہرہ ۱۳۲۶ھ) کے مصنف، محمد رجب حلمی نے ۲۸۴ کتب گنوائی ہیں۔ ☆(۱۲۰) عبدالوہاب شعرانی نے ان کی تالیف و تصنیفات کی تعداد چار سو سے متجاوز قرار دی ہے۔ ☆(۱۲۱) **ھدیة العارفین** کے مؤلف اسماعیل پاشا بغدادی نے ان کی ۴۷۵ کتابوں اور رسائل کے نام لکھے ہیں ☆(۱۲۲)۔ کورکیس عواد نے اس ضمن میں خاص چھان بین کی ہے اس نے ۵۲۷ کتابوں کے ناموں تک دسترس پائی ہے۔ ☆(۱۲۳) سب سے آخر میں عثمان یحییٰ نے اپنی تحقیقات اور تحقیات کی بنا پر ۸۴۸ کتابوں اور رسالوں کا نام لیا ہے۔ ☆(۱۲۴) ڈاکٹر محسن جہانگیری اپنی تالیف، **محی الدین ابن عربی، حیات و آثار** میں ابن عربی کی ۵۱۱ کتب کی تفصیل لکھتے ہیں ☆(۱۲۵) جس کی فہرست حسب ذیل ہے:

(۱) کتاب الباء العلویات والامہات شبح السفلیات والمولدات (کتاب شبح) (۲) الابداع والاختراع (کتاب الثاء) (۳) کتاب الادب (۴) الاجوبة العربیه من المسائل الیوسفیه (ان کے کسی یوسف نامی دوست کے پوچھے گئے سوالوں کے جواب) (۵) الاجوبة علی المسائل المنصوریه (منصور نامی دوست کی طرف سے پوچھے گئے سوالات کا جواب) (۶)

الاحتفال فیما کان علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم من سنن (سنی) الاحوال (۷) کتاب الاحدیہ (کتاب الالف بھی کہتے ہیں توحید باری کے بیان پر مشتمل ہے) (۸) الاحجار المتفجرہ والمشقۃ والھابطۃ (۹) کتاب الاحسان (۱۰) اختصار سیرۃ النبی (۱۱) الاربعین حدیثۃ المتقابلہ والاربعین الطوالات (۱۲) الارتقا الی افتضاض ابکار البقاء المخدرات بغیمات اللقاء (یہ کتاب تین سو ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب کے دس حصے ہیں گویا تین ہزار حصوں پر مشتمل ہے) (۱۳) کتاب الارواح (۱۴) کتاب الازل (۱۵) کتاب الاسرا الی المقام الاسراء (۱۶) کتاب الاسفار عن نتائج الاسفار (۱۷) کتاب الاسم والدسم (۱۸) کتاب الاسماء (۱۹) کتاب الاشارات فی اسرار الاسماء الٰھیہ والکنایات (۲۰) کتاب اشارات القرآن فی عالم الانسان (۲۱) کتاب الاعراف (۲۲) کتاب اعلاق فی مکارم الاخلاق (۲۳) کتاب الاعلام باشرات اھل الالھام والافھام فی الشرح الاعلام (۲۴) کتاب الافراد وذوی الاعداد (۲۵) کتاب الامر والخلق (۲۶) کتاب الامر والمحکم المربوط فی معرفۃ ما یحتاج الیہ اھل طریق اللہ تعالیٰ من الشروط (۲۷) کتاب الانزال الغیوب علیٰ مراتب القلوب (۲۸) کتاب الانزلات الموجودیۃ من الخزائن الجودیۃ (۲۹) کتاب انس المنقطعین برب العالمین (۳۰) کتاب الانسان الکامل والاسم الاعظم (۳۱) کتاب الانسان (۳۲) کتاب انشا الجداول والدوائر والدقائق والرقائق والحقائق (۳۳) کتاب انوار الفجر فی معرفۃ المقامات والعالمین علی الاجر وعلی غیر الاجر (۳۴) رسالۃ الانوار فیما یمنع صاحبالخلوۃ منالاسرار (۳۵) کتاب الاولین (۳۶) کتاب الایجاد الکونی والمشھدا یعنی بحضرت الشجرۃ الانسانیہ والطیور الاربعۃ الروحانیہ (۳۷) ایجاز البیان فی الترجمۃ عن القرآن (۳۸) کتاب الباء (توالد وتناسل انسانی کی طرف اشارات ہیں) (۳۹) کتاب البروح (۴۰) ابغیۃ فی اختصار کتاب الحلیہ (۴۱) کتاب البقاء (۴۲) تاج التراجم (۴۳) تاج الرسائل ومنہاج الرسائل (شیخ اکبر اور خانہ کعبہ کے مابین مکالمات پر مشتمل) (۴۴) کتاب التجرید والتفرید (۴۵) کتاب التجلیات (۴۶) التحفۃ الطرفۃ (۴۷) کتاب التحقیق فی شان سر الذی وقرنی نفس الصدیق بالتحقیق فی الکشف عن سر الصدیق (۴۸) التحکیم والشطح (۴۹) التحلیل والترکیب (۵۰) کتاب التحویل (۵۱) التدبیر والتفصیل (۵۲) التدلی والتدلی (۵۳) ترتیب الرحلۃ (مشرقی شہروں کے مشاہدات پر مشتمل اور ان مشائخ کا تذکرہ جن سے ملاقات ہوئی اور ان سے احادیث ودیگر

مفید باتیں ہیں)(۵۴) ترجمان الاشواق (۵۵) التسعه عشر(۵۶) التلوین والتمکین (۵۷) التنزلات الطهارت فی اسرار الطهارت والصلوٰة الخمس والا ایام المقدرة الاصلیه (۵۸) التوازه والهجوم(۵۹) الجامع یا الجلالة العظمیه (۶۰) الجسم (۶۱) الجسم والجسد (۶۲) الجلال والجمال (۶۳) جلاء القلوب فی اسرار علام الغیوب(۶۴) کتاب الجلی فی کشف الولی(۶۵) کتاب الجمع والتفصیل فی اسرار معانی التنزیل (قرآن حکیم کی تفسیر ہے جو سورہ کہف کی آیت اذ قال موسیٰ لفتاہ الا برح تک ہے۔ چھیاسٹھ جلدوں سے زائد پر مشتمل اس تفسیر میں ہر آیت میں جلال، جمال، اعتدال کے متعلق گفتگو ہے)(۶۶) کتاب الجنة (۶۷) کتاب الجود (اس میں عطا، بخشش، سخاوت، ہبہ، رشوت اور ہدیہ کے متعلق بیان ہے)(۶۸) الحال والمقام والوقت (۶۹) الحجب المعنویه عن الذات الهویه(۷۰) الحدوالمطلع (۷۱)الحرف والمعنی (۷۲) کتاب الحرکة(۷۳) کتاب الحشرات(۷۴) کتاب الحضرة (۷۵) کتب الحق (۷۶)کتاب الحق والمخلوق (۷۷) الحق والباطل (۸۷) الحکم والشرائع الصحیحه والسیاسیه(۷۹) الحکمة الالٰهیة فی معرفة الملامیه(۸۰) الحکمت والمحبوبیة (کتاب ابدال) (۸۱) الحلی فی استنسن الروحانیات والملاء الاعظم (۸۲) کتاب الحمد (۸۳)۔ کتاب الحیاء (۸۴) کتاب حُلیة الابدال وما یظهر عنها وعلیها من المعارف والابدال (۸۵) الختم والطبع(۸۶) الخزائن العلمیه(۸۷) الخصوص والعموم(۸۸) الخوف والرجا (۸۹) کتاب الخیال (۹۰) کتاب الخیرة(۹۱) الدرة الفاخره فی ذکر من انتفعت فی طریق الاخرة (ان صوفیاء کے متعلق ہے جن سے شیخ الاکبر مستفیض ہوئے)(۹۲) الدعا والاجابة (۹۳) اللذة والالم (۹۴) الزخائر والاعلاق فی شرح ترجمان الاشواق(۹۵) الرجعة والخلصه (۹۶) کتاب الرحمة (۹۷) الرسالة والنبوة والولایة والمعرفة(۹۸) الرغبة والرهبة(۹۹) کتاب الرقبة (۱۰۰) کتاب الرقم (خط وکتابت اور اشارات وعلامات کے بارے میں)(۱۰۱) الرمز فی حروف اوائل السور(۱۰۲) کتاب الدوائع والانفاس (۱۰۳) روضة العاشقین (۱۰۴) روح القدس فی منا صحة النفس (۱۰۵) الدیاح واللوائح و کتاب ریح العقیم (۱۰۶) کتاب الریاضیة والتجلی(۱۰۷) زیاد کبد النون (۱۰۸) الزلفه (۱۰۹) کتاب الزمان (۱۱۰) السادن والاقلید(۱۱۱) کتاب سبب لعشق النفس بالجسم وما یقاسی من الالم عند فراقه بالموت (۱۱۲) کتاب ستة وتسعین (اس میں میم، واؤ، نون کے متعلق بحث ہے کہ ان کا آخری حرف پھر اولین ہی کی طرف

لوٹ آتا ہے)(۱۱۳) الستر والجلوۃ(۱۱۴) السراج والوھاج فی الشرح الحلاج (۱۱۵) کتاب السو(۱۱۶) السِرّ المکشوف فی المدخل الی العمل بالحروف (۱۱۷) کتاب السجود القلب' (۱۱۸) الشاھدو المشاھد (۱۱۹) کتاب الشان (۱۲۰) شرح الاسماء(۱۲۱) کتاب الشریعۃ والحقیقۃ(۱۲۲) شفا العلیل فی ایضاح السبیل (۱۲۳) الصادر والوار (۱۲۴) الطالب والمجذوب (۱۲۵) الصحو والسکر (۱۲۶) کتاب الطیر(۱۲۷) الظلال والظلال والضیاء (۱۲۸) کتاب العالم (۱۲۹) کتاب العباد (۱۳۰) العبارہ والاشارہ (۱۳۱) العبد والرب (۱۳۲) العربہ والغربۃ (۱۳۳) العرش من مراتب الناس الی الکثیب(۱۳۴) کتاب العزت (۱۳۵) کتاب العشق (۱۳۶) العقلۃ المستوفز فی احکام الصنعہ الانسانیہ وتحسین الصنعۃ الایمانیہ (۱۳۷) کتاب العظمۃ (ذات باری تعالی کے جلال وعظمت اور جبروت وہیبت کی طرف اشارات ہیں)(۱۳۸) کتاب العلم (۱۳۹) عنقا المغرب (۱۴۰) العوالی فی اسانید الاحادیث (۱۴۱) العین فی خصوصیۃ سید الکونین(ﷺ)(۱۴۲) کتاب الغیب (۱۴۳) کتاب الغایات (۱۴۴) کتاب الغیبت والحضور (غائب اور حاضر کے بارے میں) (۱۴۵) کتاب الخیرۃ والاجتھاد (۱۴۶) کتاب الفرق بین الاسم والنعت والصفہ (۱۴۷) الفرقۃ والخرقہ (۱۴۸) الفتوح والمطالعات(۱۴۹) فتوحاتِ مکیہ (شیخ الاکبر کے خیال میں اس جیسی کتاب نہ کبھی ماضی میں لکھی گئی ہے اور نہ مستقبل میں لکھی جائے گی)(۱۵۰) الفصل والوصل (ھجر و وصال)(۱۵۱) فصوص الحکم (۱۵۲) الفلک والسماء (۱۵۳) الفلک وکتاب الفلک المشحون (۱۵۴) الفنا والبقاء (۱۰۵) الفھوانیۃ (الحضرۃ والقول کے نام کا بھی اس پر اطلاق ہوتا ہے۔ اس میں علم کلام، منطق وفلسفہ، حدیث وداستان وغیرہ کی جانب اشارات ہیں)(۱۵۶) القبض والبسط (۱۵۷) کتاب القدر (۱۵۸) کتاب القدرۃ (۱۵۹) کتاب القدس(۱۶۰) کتاب القدم (۱۶۱) کتاب القدم (کتاب السین)' (۱۶۲) القرب والبُعد (۱۶۳) القسطاس (۱۶۴) القسم الالٰھی بالاسم الربانی (۱۶۵) القشر واللب(۱۶۶) کتاب القلم (۱۶۷) کتاب القیومیہ (۱۶۸) کتاب الکتب القرآن والفرقان واصناف الکتب کا المسطور والمرقوم والحکیم والمبین والمحصی والمتشابہ وغیرذالک(۱۶۹) کتاب الکرسی (۱۷۰) کتاب الکشف (۱۷۱) کشف السرائر فی موارد الخواطر (دلوں میں گزرنے والی باتوں کے رازوں کو فاش کرنے کے بارے میں)(۱۷۲) کشف المعنی عن سر اسماء اللہ الحسنیٰ'

(۱۷۳) کتابِ کُن (فعالیت ذات اور تکوینِ کائنات کے بارے میں) (۱۷۴) کنز الابرار فیما روی عن النبی ﷺ من الادعیہ والاذکار (۱۷۵) کتب کنہ ما لا بدالمرید منہ (۱۷۶) اللذۃ والالم (۱۷۷) کتاب اللطائف والعوارف (۱۷۸) اللمہ والھمہ (۱۷۹) اللوائع فی شرح النصائع (۱۸۰) کتاب اللوح (۱۸۱) اللوامع والطوالع (۱۸۲) مالا یُعول الا علیہ فی طریق اللہ (۱۸۳) المبادی والغایات فیما تحتوی علیہ حروف المعجم من العجائب والأیات (۱۸۴) مبایعۃ لقطب فی حضرت القرب یا متابعۃ القطب فی حضرت القرب (۱۸۵) المبدئین والمبادی (دنیا ہر لحظہ اپنے اصل کی طرف لوٹ رہی ہے) (۱۸۶) کتاب المبشرات (۱۸۷) المثلثات الوارده فی القرآن العظیم (مثل قولہ تعالیٰ لا فارض" ولا بکر" عوان وقولہ تعالیٰ' ولا تجھر بَصَلاتک ولا تخافت بھا والتبغ بین ذالک سبیلا) (۱۸۸) کتاب المبشرات من الاحلام فیما روی عن النبی ﷺ من الاخبار فی المنام (۱۸۹) المجدو البقاء (۱۹۰) محاضرۃ الابرار و مسامرۃ الاخیار (ادبیات نوادر اخبار واحادیث پر مشتمل) (۱۹۱) المحجۃ البیضاء (۱۹۲) المحق والسحق (۱۹۳) المحکم فی المواعظ والحکم واداب رسول اللہ ﷺ۔ (۱۹۴) المحو دالاثبات (۱۹۵) مختصر صحیح ابو عیسیٰ ترمذی (۱۹۶) مختصر صحیح بخاری (۱۹۷) مختصر صحیح مسلم (۱۹۸) مختصر کتاب المحلی فی الخلاف العالیٰ تالیف ابن حزم اندلسی (۱۹۹) کتاب المسبعات الوارہ فی الوارده فی القرآن مثل قولہ تعالیٰ" "خلق سبع سمٰوٰت "وقولہ تعالیٰ "وسبعہ اذا رجعتم" (یعنی قرآن پاک میں سات کے ہندسے سے جو چیزیں مروی ہیں) (۲۰۰) مشاھد الاسرار القدسیہ ومطالع الانوار الالٰھیہ (۲۰۱) مشکوٰۃ الانوار فی ماروی عن اللہ تعالیٰ من الاخبار (۲۰۲) کتاب المشیئۃ (تمنا' ارادہ، شہود، خاطر ربانی یا خاطر اول' عزم' نیت' قصد اور ہمت کے بارے میں) (۲۰۳) المصباح فی الجمع بین الصحاح (۲۰۴) المعارج والمعراج (۲۰۵) المعارف الالٰھیہ واللطائف الربانیہ (منظوم کتاب) (۲۰۶) کتاب المعلوم بین عقائد علماء الرسوم (۲۰۷) المقنع فی ایضاح السھل المقنع (۲۰۸) مفاتیح الغیب (۲۰۹) المفاضلہ (۲۱۰) مفتاح افعال الھام الوحید وایضاح اشکال اعلام المریدفی شرح احوال الامام ابی یزید (۲۱۱) مفتاح السعادۃ (بخاری' مسلم اور ترمذی کی بعض احادیث کو یکجا کیا ہے) (۲۱۲) مفتاح السعادۃ فی معرفۃ المدخل الی طریق الارادہ (۲۱۳) کتاب المکان (۲۱۴) کتاب المکروم والاصطلام (۲۱۵) کتاب الملک (۲۱۶)

کتاب الملک (کتاب لب) (۲۱۷) کتاب الملک والملکوت (۲۱۸) المناظرہ بین الانسان والحیوان (۲۱۹) المنتخب فی مآثر العرب (۲۲۰) المنهج السدید فی یترتیب احوال الام البسطامی ابی یزید (۲۲۱) موقع النجوم و مطالع اهلة الاسرار و النجوم (۲۲۲) المواقف فی معرفة المعارف (سب تالیفات کا جامع، پندرہ جلدوں پر مشتمل) (۲۲۳) الموعظة الحسنه (۲۲۴) المومن والمسلم والمحسن (۲۲۵) المیزان فی الحقیقة الانسان (۲۲۶) کتاب النار (۲۲۷) نتائج الاذکار فی المقربین والابرار (۲۲۸) نتائج الافکار فی حدائق الازهار (۲۲۹) النجم والسحر (۲۳۰) کتاب النحل (۲۳۱) کتاب النشاء تین الدنیویه والاخرویه (۲۳۲) کتاب النکاح المطلق (۲۳۳) کتاب النمل (۲۳۴) کتاب النوم والیقضه (۲۳۵) کتاب النون فی السر المکنون (۲۳۶) التواشی اللیلیه (۲۳۷) کتاب النور (۲۳۸) کتاب الوجد (۲۳۹) کتاب الوجد (۲۴۰) کتاب الوحی (۲۴۱) کتاب الوسائل فی الاجوبه من عیون المسائل (۲۴۲) الوقائع والصنائع (۲۴۳) کتاب الوله (۲۴۴) کتاب الهباء (۲۴۵) کتاب الهیاکل (۲۴۶) کتاب الهو یا الهویة الرحمیه (۲۴۷) الهیبت والانس (۲۴۸) کتاب الیاء یا کتاب العین (اس میں دیدار، مشاہدہ، کشف، تجلی، طالع، ذوق، شرب اور کئی دیگر موضاعات ہیں) (۲۴۹) آداب القوم (۲۵۰) کتاب الاجابة علی اسئلة الترمذی یا الجواب المستقیم عما سئل عنه الترمذی الحکیم (ان چیزوں کے بارے میں جو حکیم ترمذی سے پوچھی گئیں) (۲۵۱) سلطان ملک مظفر بہاؤالدین غازی ابن ملک عادل کے لیے ایک رسالہ لکھا جس میں مشائخ کی کثیر تعداد اپنے مشائخ اور اساتذہ کے بارے میں اور اپنی تالیفات وتصنیفات کے بارے میں تفصیلاً لکھا (۲۵۲) الاجوبة علی مسائل شمس الدین اسماعیل بن سودکین النوری بحلب (۲۵۳) اجوبة اللائقة من الاسئلة الفائقه (۲۵۴) الاحادیث القدسیه (۲۵۵) اسرار الحروف (۲۵۶) اسرار الخلوة (۲۵۷) اسرار الذات (۲۵۸) اسرار الوحی فی المعراج (۲۵۹) اسرار الوضو (۲۶۰) اسفار فی سفر نوح (۲۶۱) الاصطلاحات الصوفیه (۲۶۲) اصول المنقول (۲۶۳) الاعلام فیما نبی علیه السلام (۲۶۴) الافادة لمن اراد الاستفاده (۲۶۵) الافاضة فی علم الریاضة (۲۶۶) الامام المبین الذی لا یدخل ریب ولا تخمین (۲۶۷) الانتصار (۲۶۸) انخراق الجنود الی الجلود وانفلاق الشهود الی السجود (۲۶۹) انشاء الجسوم الانسانیه (۲۷۰) انشا الدوائر الاحاطیة علی الدقائق علی مضاهاة الانسان للخالق والخلائق (۲۷۱) الانوار (۲۷۲)

اوراد الاسبوع (٢٧٣) اوراد الايام والليالي (٢٧٤) بحر الشكر في نهر الفكر (٢٧٥) البحر المحيط الذى لا يسمع لموجه غطيط (٢٧٦) بقية من خاتمه رسالة الرد على اليهود في بيان المعنى الموعود (٢٧٧) بُلغة الغواص في الاكوان الى معدن الاخلاص في معرفة الانسان (٢٧٨) بيان الاسرار للطالبين الابرار (٢٧٩) البيان في الحقيقة الانسان (٢٨٠) تائية ابن عربى (قصيده) (٢٨١) تجلى الاشاره من طريق السِرّ (٢٨٢) تجليات الشاذليه في الاوقات السحريه (٢٨٣) تجليات عرائض النصوص في منصات حكم الفصوص (٢٨٤) تحرير البيان في تقرير شعب الايمان ورتب الاحسان (٢٨٥) تحفة السفرة الى حضرة البررة (٢٨٦) تحقيق الباء واسرارها (٢٨٧) التدقيق في بحث التحقيق (٢٨٨) تذكرة التوابين (٢٨٩) تذكرة الخواص وعقيده اهل اختصاص (٢٩٠) ترتيب السلوك الى ملك الملوك (٢٩١) ترجمان الالفاظ المحمديه (٢٩٢) تشنيف الاسماع في تعريف الابداع (٢٩٣) تفسير آية الكرسى (٢٩٤) تفسير قوله تعالىٰ يا بنى آدم (٢٩٥) التقديس الانور (نصيحة الشيخ الاكبر) (٢٩٦) تلقيع الاخوان واغاثة اللهفان (٢٩٧) تمهيد التوحيد (٢٩٨) تنزل الارواح بالروح و ديوان المعارف الالٰهيه ولطائف الروحيه (٢٩٩) تنزل (تنزلات) الاملاك للاملاك في حركات الافلاك (٣٠٠) تنزلات الليليه في احكام الالٰهيه (٣٠١) ثواب قضاء حوائج الاخوان واغاثة اللهافان (٣٠٢) جامع الاحكام في معرفة الحلال والحرام (٣٠٣) جامع الوصايا (٣٠٤) جزوة الاصطلاء وحقيقة الاجتلاء (٣٠٥) الجفر الابيض (اسرار حروف کی بحث کا علم) (٣٠٦) جفر الامام على ابن ابى طالب عليه السلام (٣٠٧) الجفر الجامع (٣٠٨) جعر النهاية ومبين خبايا اسرار كنور البداية والغاية (٣٠٩) الجلالى استذال الملاء الاعلىٰ (٣١٠) الجلالة وهو كلمة الله (٣١١) الجواب عن الابيات الوارده (٣١٢) جواب عن مسائلة وهى السحة السواء الهيولى (٣١٣) الحج الاكبر (٣١٤) الحرف الكلمات و حرف الصلوٰت (٣١٥) حزب التوحيد (٣١٦) حذب الدور الاعلىٰ (٣١٧) حزب الفتح (٣١٨) جوز الحيالة (٣١٩) خاتمه رسالة الرد على اليهود (٣٢٠) خروج الشخوص من بروج الخصوص (٣٢١) خلق الافلاك (٣٢٢) خلق العالم ومنشاء الخليفة (٣٢٣) الخلوة يا آداب السلوك في الخلوة (٣٢٤) الدر المكنون في العقد المنظوم (٣٢٥) الدرة البيضاء في ذكر مقام العلم اعلىٰ

(۳۲۶) الدرۃ الناصحة من الجفر والجامعه (۳۲۷) دعاء لیلة النصف من شعبان ودعاہٗ اخر السنه ودعاءِ اول السنه ودعا یوم عاشوره (۳۲۸) دعاءِ یوم عرفه (۳۲۹) الدواهی والنواهی (۳۳۰) الدور الاعلیٰ (والدرا الاعلیٰ) (۳۳۱) دیوان (۳۳۲) دیوان اشراق البهاءِ الامجد علی ترتیب حروف الابجد (۳۳۳) دیوان المرتجلات (۳۳۴) ردّ معانی الأیات المتشابهات الی معانی الآیات المحکمات (۳۳۵) رسالة ارسلتها لاصحاب الشیخ عبدالعزیز بن محمد المهدی (۳۳۶) رسالة الاستخاره (۳۳۷) الرسالة البرزخیه (۳۳۸) رسالة التوحید (۳۳۹) رسالة فی آداب الشیخ و مرید (۳۴۰) رسالة فی الاحادیه (۳۴۱) رسالة فی احوال تقع لاهل الطریق (۳۴۲) رسالة فی الاستعداد الکلی (۳۴۳) رساله فی اسمعه تعالیٰ الحسیب (۳۴۴) رساله فی بعض احوال انقباء (۳۴۵) رساله فی بیان سلوک طریق الحق (۳۴۶) رساله فی بیان مقدار سنة السرمدیین وتعیین الایام الالٰهیه (۳۴۷) رساله فی تحقیق وجوب الواجب لذاته (۳۴۸) رساله فی ترتیب التصوف علی قوله تعالیٰ (التائبون العابدون الأیه) (۳۴۹) رساله فی التصوف (۳۵۰) رساله فی تصویر ادم علی صورة الکمال (۳۵۱) رساله فی الجواب عن سئوال عبد الطیف البغدادی (۳۵۲) رساله فی الحشر الجسمانی (۳۵۳) رساله فی الحکمة (۳۵۴) رساله فی رجال الغیب (۳۵۵) رساله فی رقائق الدوحانیه (۳۵۶) رساله فی سلسلة الخرقة (۳۵۷) رساله فی شرح مبتداء الطوفان (۳۵۸) رساله فی طریق التوحید (۳۵۹) رساله فی علم الزایرجه (۳۶۰) رساله فی معرفة الله تعالیٰ (۳۶۱) رساله فی معرفة نفس والروح (۳۶۲) رساله فی نعت الارواح (۳۶۳) الرسالة القبطیه (۳۶۴) الرسالة القدسیه (۳۶۵) رسالة القلب وتحقیق وجوهه المقابله لحضرات الرب (۳۶۶) رسالة الی الامام فخر الدین الرازی (۳۶۷) الرسالة المریمیه (۳۶۸) الرسالة المهیمینة (۳۶۹) الرسالة الموقظة (۳۷۰) رشح الدلال فی شرح الالفاظ المتداوله بین ارباب الاحوال (۳۷۱) رشح المعین فی کشف معنی النبوة (۳۷۲) الذهر الفائح فی ستر العیوب والقبائح (۳۷۳) سجنجل الارواح ونقوش الالواح (۳۷۴) سِرّ المَحبة (۳۷۵) السِرّ المکتوم (۳۷۶) السئوال عن المضل الذکر (۳۷۷) الشجرة النعمانیة والرموز الجفریة فی الدولة العثمانیة (۳۷۸) شجرة الوجود والبحر المورود (۳۷۹) شجون المشجون وفتون المفتون (۳۸۰) شرح تائیة ابن الفارض فی التصوف (۳۸۱) شرح حدیث قدسی

ومسائل(۳۸۲) شرح حزب البحر (۳۸۳)شرح حکم الولایة (۳۸۴) شرح خلع النعلین (۳۸۵) شرح رسالة الاستخارة(۳۸۶) شرح روحیة الشیخ علی الکردی (۳۸۷) شرح مقامات العارفین فی الاخلاص الی درجة المراتب الیقین (۳۸۸) شرح منظومة الحروف التی مطلعها "الحمد للفور المبین الهادی (۳۸۹) شعب الایمان (۳۹۰) شفاء الخلیل وبرء العلیل فی المواعظ(۳۹۱) شق الجیب ورفع حجاب الریب فی اظهار اسرار الغیب (۳۹۲) شمائل النبی صلی الله علیه وآله وسلم (۳۹۳) شمس الطریقة فی بیان الشریعة والحقیقة (۳۹۴) شموس الفکر المنقذه من کلمات الجبر والقدر (۳۹۵) الشواهد (۳۹۶) الصحف الناموسیة والسجف الناوسیة (۳۹۷) الصلاة الاکبریه (۳۹۸) الصلاة الفیفیه (۳۹۹) صلوت محی الدین ابن عربی(۴۰۰) صبحة البوم بحوادث الروم (۴۰۱) صیغة الصلوة (۴۰۲) الطیب الروحانی فی العالم الانسانی(۴۰۳) الطریقة (۴۰۴) العبادلة(۴۰۵) العجالة فی التوجه الاتم (۴۰۶) عظة الالباب و ذخیرة الاکتساب (۴۰۷) عقائد الشیخ الاکبر محی الدین ابن عربی (۴۰۸) العقد المنظوم والسر المختوم (۴۰۹) علوم الحقائق و حکم الدقائق (۴۱۰) العلوم من عقائد علماءِ الرسوم (۴۱۱) علوم الواهب (۴۱۲) عین الاعیان (۴۱۳) العین والنظر فی خصوصیة الخلق والبشر (۴۱۴) عیون المسائل (۴۱۵) الفنلی فی المشاهدات (۴۱۶) الخوامض والعواصم (۴۱۷)الفتوحات المدینة (۴۱۸) الفتوحات المصریه (۴۱۹) الفرق الست الباطله وذکر عددها (۴۲۰) فضائل مشیخة عبدالعزیز ابی بکر القرشی المهدوی (۴۲۱) الفناء فی المشاهدة (۴۲۲) فهرست مؤلفات محی الدین بن عربی (۴۲۳) قاعده فی معرفة التوحید (۴۲۴) قبس الانوار وبهجة الاسرار (۴۲۵) القربه وفک الغربة (۴۲۶) قصیده فی مناسک حج (۴۲۷) القطب الامامین والمدلجین (۴۲۸) القطب النقباء (۴۲۹) القربه و فکالغربة (۴۲۶) قصیده فیمناسک حج (۴۲۷) القطب الامامین والمدلجین (۴۲۸) القطب النقباء (۴۲۹) القول النفیس فی تفلیس الابلیس (۴۳۰) کتاب الکتب (۴۳۱) کتاب النفس (۴۳۲) کتاب المعاریج (۴۳۳) کشف الاسرار وهتک الاستار (یہ قرآن مجید کی تفسیر ہے جو بیس جلدوں پر مشتمل ہے) (۴۳۴)الکشف الالٰهی لقلب ابن عربی (۴۳۵) کشف سِرّالوعد و بیان علامة الوجد (۴۳۶) کشف الغطاء لاخوان الصفاء (۴۳۷) الکشف الکلی والعلم الانی فی علم

الحروف(۴۳۸) کشف الکنوز (۴۳۹) الکلام فی قوله تعالیٰ "لا تدرک الابصار" (۴۴۰) الکنز المطلسم من السِرّ المعظم فی علم الحروف (۴۴۱) کوکب الفجر فی شرح حزب البحر(۴۴۲) کون الله سبق قبل ان فتق ورتق (۴۴۳) کیمیاءِ السعاده لاھل الاراده (۴۴۴) لغت الارواح (۴۴۵) اللمع الافقیه (۴۴۶) اللمعة النورانیة (۴۴۷) لواعج الاسرار ولوائح الانوار (۴۴۸) ماانی به الوار(۴۴۹) مالا یعول علیه من احوال الفقراء والمتصوفین (۴۵۰) ماهیة القلب (۴۵۱) مائة حدیث وحدیث قدسیه (۴۵۲) المباحث الجلیه (۴۵۳) متابعة القلب فی حضرت القرب (۴۵۴) المدخل الی علم الحروف (۴۵۵) المدخل الی معرفة ماءِ خذ النظر فی الاسماء ولکنایات لالھیة الواقعة فی کتاب العزیز والسنة(۴۵۶) المدخل الی المقصد (۴۵۷) مرلة العارفین فیما یتمیذبین العابدین (۴۵۸) مراة العاشقین ومشکاة الصادقین(۴۵۹) مراة المعانی لادراک العالم الانسانی (۴۶۰) مراتب التقویٰ (۴۶۱) مراتب علوم الوھب(۴۶۲) المسائل (۴۶۳) المشرقات المدینة فی الفتوحات الالٰھیه (۴۶۴) مشکلة المعقول المقتبسه من نور المنقول(۴۶۵) المضادرة فی علم الظاهر والباطن (۴۶۶) مظهرة عدائب المخبات باللسان العربی (۴۶۷) معارج الالباب فی کشف الاوتاد والاقطاب (۴۶۸) المعارج القدسیه (۴۶۹) معرفة اسرار تکبیرات الصلاة (۴۷۰) معرفة رجال الغیب (۴۷۱) المعرفة فی مسائل الاعتقادیه (علم الکلام کے مسائل کے متعلق)(۴۷۲) المعشرات(بندوں کے احوال کے بارے میں ایک قصیدہ) (۴۷۳) المعول علی المنودل علیه (۴۷۴) مغناطیس القلوب ومفتاح الغیوب(۴۷۵) مفاتیح مغالیق العلوم فی سِرّ المکتوم(۴۷۶) مفتاح الباب المقفل لفهم الکتاب المنزل (۴۷۷) المفادات التفسیریة القطبیة (۴۷۸) مفتاح الجفر الجامع (۴۷۹) مفتاح الحجة وایضاح المحجة(۴۸۰) مفتاح دارالحقیقه (۴۸۱) مفتاح المقاصد و مصباح المراصد (۴۸۲) المقامات السینة المخصوصة بالسادة الصوفیه (۴۸۳) المقیار فی نزول الجبار (۴۸۴) المقصد الاسنیٰ فی اشارات ما وقع فی القرآن بلسان الشریعة والحقیقة من الکنایات والاسماء (۴۸۵) المقنع فی الکیمیا (۴۸۶) المکاتبات(۴۸۷) منتخب من اسرار الفتوحات المکیه (۴۸۸) منزل القطب ومقامه وحاله (۴۸۹) منزل المنازل (۴۹۰) منهاج التراجم (۴۹۱) منهاج العارف والمتقی ومعراج السالک والمرتقی (۴۹۲) منافع الاسنیٰ

الحسنیٰ (۴۹۳) مولد الجسمانی والروحانی (۴۹۴) مولد النبی (۴۹۵) نتیجة الحق (۴۹۶) نثر البیاض فی روضة الریاض (۴۹۷) النجاة من اسرار الصفات (۴۹۸) نزهة الحق (۵۰۰) نزهة الاکوان فی معرفة الانسان (۵۰۱) نسبة الخرقه (۵۰۲) نسبة الحق (۵۰۳) النصائح القدسیه (۵۰۴) نغمات الافلاک (اَلسِرّالمکتوم)(۵۰۵) نفث الاوان من روح الاکوان (۵۰۶) نفح الروح(۵۰۷) النقباءِ(۵۰۸) نقش فصوص الحکم مختصر فصوص الحکم (۵۰۹) وصف تجلی الذات (۵۱۰) وصیّة حکمیّه (۵۱۱) الوعاء المختوم علی السّر المکتوم۔

معاصرین:

شیخ اکبر کے عہد کو ہم عظیم رجالین کا دور کہہ سکتے ہیں۔آپ کے معاصرین میں ابن الابار، ابن جبیر، ابن حمویہ، ابن رشد، ابن سبعین، ابن نجار، ابوعبداللہ محمد بن سعید بن یحییٰ شافعی دُبیثی واسطیؒ، شیخ ابو الحسن الشاذلی المغربیؒ، ابن فارضؒ، شیخ شہاب الدین ابوشامہ، ابو مدینؒ (ابن عربی کے مرشد)، زکریا رازیؒ، اوحد الدین کرمانیؒ، جلال الدین رومیؒ، سعدیؒ شیرازی، شہاب الدین عمر سہروردی، شیخ شہاب الدین ابوالفتح یحییٰ بن حبش بن میرک سہروردی مقتول، صدرالدین قونوی، عز الدین بن عبدالسلام، فخر الدین ابراہیم عراقیؒ، فخر الدین رازی، فرید الدین عطار، موئد الدین بن محمد جندی، موسیٰ بن میمون، نجم الدین کُبریٰ کے علاوہ ابن صباغ' ابوالعباس مُرسی' ابومحمد عبداللہ المغربیؒ البرٹس میگنس، برہان الدین ترمذی' تھامس اکیونس' جمال الدین جوزقانی' سف الدین باخرزی اور سینٹ فرانسس جیسی عظیم ہستیاں شامل تھیں۔ان میں سے چند اہم شخصیات کے کوائف درج ذیل ہیں:

☆ابن الابار: ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن ابی بکر بن عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن احمد بن ابی بکر القضاعی، المعروف بہ ابن الابار: (ربیع الثانی ۵۹۵ھ/فروری ۱۱۹۹ء۔سہ شنبہ ۲۰ محرم ۶۵۸ھ/۶ جنوری ۱۲۶۰ء) عرب مورخ' محدث' فقیہہ' حافظ قرآن اور ادیب۔اندلس کے شہر بلنسیہ میں پیدا ہوا۔بلنسیہ کے گورنر ابوعبداللہ محمد بن ابی حفص بن عبدالمومن بن علی کا کاتب (سیکرٹری) بھی رہا۔ بلنسیہ پر عیسائیوں کے قبضہ کے بعد وہ اپنے پورے خاندان سمیت جہاز پر سوار ہو کر تیونس چلے آئے۔ سلطانِ تیونس نے انہیں عزت ووقار کے ساتھ اپنے دربار میں رکھا بعدازاں اعتاب الکتاب نامی کتاب

میں ابن الابار نے سلطان کے خلاف ایک ہجو لکھی جس پر اسے کچو کے دے ہلاک کر دیا گیا اور دوسرے روز اس کی لاش کو ان کی کتابوں' نظموں اور دیگر تصانیف کے ساتھ ایک ہی چتا میں رکھ کر جلا دیا گیا۔التکملة لکتاب الصلة' المعجم ' کتاب العلة السیراء' تحفة القادم'اعتاب الکتاب وغیرہ اہم تصانیف ہیں۔التکملة، جلد دوم، میں شیخ الاکبر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''علم تصوف میں وہ ایک بلند مقام پر پہنچے اور اس علم کے متعلق بہت گراں بہا کتابیں تالیف کیں۔عالموں اور عابدوں کی ایک بہت بڑی جماعت نے ان سے ملاقات کی اور انکے مختصر کمالات سے استفادہ کیا'' (۱۲۶)

☆ابوالحسین محمد بن احمد بن سعید بن جُبیر بن محمد الکتانی: ۱۰ ربیع الاول ۵۴۰ھ/یکم ستمبر ۱۱۴۵ء کو بلنسیہ میں پیدا ہوا۔تفسیر، حدیث، فقہ وغیرہ کی تعلیم والد کے علاوہ معروف علماء سے حاصل کی۔ابو سعید بن عبدالمومن کا سیکرٹری بھی رہا۔۱۱۸۳ء میں ملازمت ترک کر کے حج کے لیے روانہ ہوا اور اسکندریہ، قاہرہ، طوس اور جدہ سے ہوتا ہوا مکہ پہنچا۔واپسی پر موصل، بغداد، حلب سے ہوتا ہوا غرناطہ پہنچا۔۱۱۸۹ء کو مشرقِ وسطیٰ اور ۱۲۱۷ء کو مشرق کا سفر کیا۔اسکندریہ میں ۲۷ شعبان ۶۱۴ھ/۲۹ نومبر ۱۲۱۷ء کو وفات پائی۔ابن جبیر کا سفرنامہ الرحلته الی المشرق عربی ادب میں نہ صرف ممتاز حیثیت رکھتا ہے بلکہ ۱۳ ویں اور ۱۴ ویں صدی عیسوی کی تاریخی دستاویز بھی ہے۔

☆ شیخ سعد الدین محمد بن موید بن ابی بکر عبداللہ بن ابی حسین علی بن حمویہ: معروف شاعر' عارف' واعظ اور کتاب سجل الارواح کے مصنف۔شیخ نجم الدین کبریٰ کے کامل و اکمل خلیفہ، صدر الدین قونوی سے بھی خصوصی صحبت تھی۔دمشق میں کوہ قاسیون کے دامن میں عرصہ تک اقامت پذیر رہے۔اسی شہر میں شیخ الاکبر سے ملاقات ہوئی۔۶۳۳ھ میں فتوحات کی قریباً ۳۳ سماعیں کیں۔ابن عربی کو علم' زہد اور معرفت کا بحرِ ذخار لکھا ہے۔(۱۶۵) ۵۰-۶۴۹ھ/۱۲۵۱ء میں وفات پائی، مزار محمد آباد میں ہے۔

☆ابوالولید محمد بن احمد بن رشد: ۵۲۰ھ/۱۱۲۶ء میں قرطبہ میں پیدا ہوا۔فلسفی، ریاضی دان، ماہر علم فلکیات، طبیب، دینیات، فلسفہ اور قانون میں بھی یکتا۔خلیفہ یعقوب بن یوسف کے عہد میں ۵۶۵ھ میں قرطبہ کا قاضی۔خلیفہ المنصور نے اس پر تکفیر کا فتویٰ عائد کیا، اس کی تمام کتب جلا کر قرطبہ کے

قریب بوسنیا میں نظر بند کر دیا گیا۔ بعدازاں وہ مراکش چلا گیا۔ اس کی وہ تصانیف زیادہ مقبول ہوئیں جو ارسطو کی مابعدالطبیعات کی وضاحت اور تشریح کے سلسلہ میں ہیں ان کے لاطینی اور دیگر یورپی زبانوں میں تراجم ہوئے۔ تہافت التہافت (امام غزالیؒ کی تہافت الفلاسفہ کے جواب میں)، فصل المقال، کشف المناہج، افلاطون کی السیاستہ کی شرح، بدایۃ المجتہد والنہایۃ المقتصد (فقہ) اور الکلیات اہم تصانیف ہیں۔

☆ محمد عبدالحق بن ابراہیم بن محمد سبعین مرسی اندلسی: ۶۱۴ھ/ ۱۲۱۷ء میں مرسیہ میں پیدا ہوئے۔ البدائیہ و النہائیہ میں پورا نام یوں لکھا ہے۔ ابن نصر بن محمد بن نصر بن محمد بن قطب الدین ابومحمد المقدسی الرقوطی۔ مرسیہ کے گاؤں رقوطہ میں پیدا ہونے کی نسبت سے رقوطی کہلائے۔ عرصہ دراز تک سبۃ میں قیام کیا۔ مغرب کے عظیم صوفیہ میں سے تھے۔ شاہ روم فریڈرک ثانی کے چند فلسفیانہ سوالات کے جوابات پر شاہ اور عیسائی حلقہ انہیں قدر کی نگاہ سے دیکھتا تھا۔ شبستری سمیت ان کے کئی خلفاء و مریدین تھے۔ عبدالرحمٰن بدوی کی تحقیق اور دیباچے کے ساتھ ابن سبعین کے کئی رسائل مصر سے شائع ہوئے۔ ان میں ایسمیاہ اور کتاب الھوشال ہیں۔ مکہ میں ۲۸ شوال ۶۶۹ھ/ ۱۲۷۰ء میں وفات پائی۔

☆ ابوالحسن علی بن عبداللہ بن عبدالجبار: المعروف بہ شیخ ابوالحسن الشاذلی المغربیؒ شمالی افریقہ کے شہر مرسیہ کے ایک گاؤں عمان یا عمارہ میں ۵۹۳ھ/ ۱۱۹۶ء میں پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے ملتا ہے۔ بچپن ہی میں تونیسہ کے شہر چلے گئے اور بلاد مشرق کی طرف بھی گئے۔ عراق میں شیخ ابوالفتح واسطی سے ملاقات ہوئی۔ تمام علوم ظاہری و باطنی حاصل کیے۔ شیخ ابوعبداللہ ہے۔ شیخ ابوالحسن سے (جن کا سلسلہ روحانیت حضرت صدیق اکبرؓ سے ملتا ہے اور شیخ ابوعبداللہ عبدالسلام بن مشیش جن کا حضرت علیؓ سے ملتا ہے) بیعت ہوئے اور خرقہ پہنا۔ افریقہ کے ایک گاؤں شاذلہ میں معتکف ہونے کی وجہ سے شاذلی کہلائے۔ ابن تیمیہ کے ہم عصر تھے۔ مشائخ صوفیہ میں آپ کا درجہ بلند تھا۔ آپ نے متعدد حج کیے۔ حج کے ارادہ سے افریقہ کے ایک جنگل عیذاب یا عنداب سے گزر رہے تھے کہ پانی میسر نہ آنے کے باعث وفات پائی مطابق ۶۵۶ھ/ ۱۲۵۸ء۔ اور اسی جگہ حمیثرہ کے مقام پر دفن ہوئے۔

☆ ابوحفص شرف الدین عمر ابن الحسن المعروف بہ ابن فارض: مصر کے مشہور صوفی شاعر اور عارف۔ آبائی وطن حماۃ (شام)، قاہرہ (مصر) میں ۴ ذیقعد ۵۵۶ھ/ ۱۱۶۱ء (۱۶۹) جبکہ ایک اور روائت کے مطابق ۴ ذیقعد ۵۷۶ھ (۱۷۰) کو پیدا ہوئے۔ قبیلہ بنو سعد سے تعلق تھا۔ آثار واحوال کی

مختلف کتب میں لکھا ہے کہ قصیدہ تائیہ لکھنے پر آپ کو خواب میں حضور اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی- آپ ﷺ نے قصیدہ کا نام دریافت فرمایا- ابن فارض نے لوائح الخبان در دائع الخبان بتایا جبکہ حضور ﷺ نے اس کا نام نظم السلوک تجویز فرمایا، چنانچہ یہی نام رکھا گیا- تائیہ نامی یہ قصیدہ سات سو اشعار پر مشتمل ہے- جو وحدت الوجود کے نظریے کے مطابق صوفیانہ حقائق کی تعبیر ہے- ابن فارض نے ۲ جمادی الاول ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء کو قاہرہ ہی میں وفات پائی- سفینۃ الاولیاء (ص ۲۲۶) کے مطابق تاریخ وفات ۲ جمادی الاول ۶۳۶ھ ہے- خزینۃ الاصفیاء میں لکھا ہے کہ برہان الدین ابراہیم جعبری فرماتے ہیں کہ آپ کے جنازے میں کثیر التعداد اولیاء اللہ نے شرکت کی- میں اکثر حضرات کو پہچانتا تھا لیکن بعض کو پہلی بار دیکھا- زندگی بھر اتنا بڑا اجتماع میں نے نہیں دیکھا تھا- (مترجم: اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ لاہور، ۱۹۹۰ء، ص ۲۳۲) کہتے ہیں کہ ایک دفعہ ابن عربی نے ابن فارض سے قصیدہ تائیہ کی شرح لکھنے کی اجازت مانگنے کے لیے خط لکھا ابن الفارض نے جواب دیا کہ فصوص اس کی شرح ہی ہے اور اس کے مصنف کو اور شرح لکھنے کی ضرورت نہیں-

☆ابوشامہ: شیخ شہاب الدین عبدالرحمٰن بن اسماعیل بن ابراہیم بن عثمان بن ابی بکر بن عباس ابومحمد و ابوالقاسم المقدسی- شیخ، امام، عالم، حافظ، محدث، فقیہ اور مورخ- ۲۳ ربیع الآخر ۵۹۹ھ کو جمعہ کی شب پیدا ہوئے- دارالحدیث اشرفیہ کے مہتمم، الرکنیہ کے مدرس، تاریخ دمشق دس جلدوں پر مشتمل، شرح شاطبیہ، الروالی الامر الاول، المبعث، الاسرار، الروضتین فی الدولتین، التوریۃ والصلاحیۃ اور تاریخ ابو شامہ وغیرہ اہم تصانیف ہیں- فقہ میں آپ کے اساتذہ میں ابن عساکر، ابن عبدالسلام، سیف آمدی اور شیخ موفق الدین بن قدامہ جیسے علماء شامل ہیں- متعدد فنون کے ماہر تھے- آپ کو اپنے گھر طواحین الاشنان میں ۹ رمضان ۶۶۵ھ منگل کی رات کو قتل کر دیا گیا- دارالفرادیس (دمشق) کے قبرستان میں دفن ہوئے-

☆زکریا رازی: ابویحییٰ یا ابوعبداللہ، زکریا بن محمود یا زکریا بن محمد بن محمود انصاری آسی: (۶۰۵ھ-۶۸۲ھ) جمال الدین اور عماد الدین کے لقب سے بھی یاد کیے جاتے تھے- قاضی القضاۃ، مورخ اور جغرافیہ دان- عجائب المخلوقات و غرائب الموجودات اور آثار البلاد واخبار العباد کے مصنف- ۶۳۰ھ میں دمشق میں شیخ الاکبر سے ملے- آثار البلاد کے صفحہ ۴۹۷ پر لکھتے ہیں:

''میں ان سے (شیخ الاکبر) ۶۳۰ھ میں دمشق میں ملا- وہ شیخِ دوراں اور علوم شرعیہ اور حقیقیہ کے متجر عالم تھے- اپنے ہمعصروں کے پیشوا' اپنے مقام ومنزلت اور رفعت وعلو مکان میں لاثانی تھے- ان کی بڑی ہی مفید مطلب تالیفات وتصنیفات ہیں'' (۱۲۷)

☆ سعدیؒ شیرازی: نام شرف الدین اور بعض روایات میں مشرف الدین- لقب مصلح الدین اور تخلص سعدی جوکہ سعد بن ابوبکر بن سعد بن زنگی کے نام پر اختیار کیا- شیراز اور بعض کے نزدیک طوس جوکہ شیراز کے قریب ہی واقع ہے میں ایران کے معروف محقق محمد عارف قزوینی کی تحقیق کے مطابق ۶۱۰ اور ۶۱۵ھ کے کسی درمیانی سال جبکہ جدید فارسی انسائیکلوپیڈیا مطبوعہ تہران ۱۳۴۴ خورشیدی میں سعدی کا سالِ پیدائش ۶۰۶ھ قرار دیا گیا ہے- والد شیخ عبداللہ ایک عالم اور صاحب طریقت بزرگ تھے- آباؤ اجداد عرب سے ہجرت کر کے ایران آئے- ابتدائی عمر میں ہی قرآن پاک حفظ کیا- شبلی، شعر العجم میں لکھتے ہیں کہ ان کی تربیت والد اس طرح کرتے جس طرح ایک عارف سالک اپنے مرید کو تزکیہ نفس کی منزلیں طے کراتا ہے- گیارہ برس کی عمر میں والد کے انتقال پر ان کی تربیت والدہ نے کی جن کا نام فاطمہ بیان کیا جاتا ہے- شیخ سعدی کا ابتدائی دور طوائف الملوکی کا دور تھا چنانچہ شیراز سے بغداد پہنچے جہاں مدرسہ نظامیہ میں ابن جوزی اور شیخ شہاب الدین سہروردی سے فیض اٹھایا- جہاں گشت تھے عمر کا بیشتر حصہ ایشیاء اور افریقہ کے بیشتر ممالک عراق' یمن' عمان' عرب' مصر' شام' فلسطین' کوچک ہند' آرمینیا' حبش' طرابلس' چین' کاشغر' خراسان اور ہندوستان وغیرہ کی سیر کی چودہ بار پاپیادہ حج کی سعادت حاصل کی- طویل عرصہ کی سیاحت کے بعد بالآخر ۱۲۵۲ء میں شیراز واپس لوٹے- اس زمانے میں ایران پر ابوبکر بن سعد زنگی مسند نشین تھا- ۱۲۵۷ء میں بوستان اور ۱۲۵۸ء میں گلستان تصنیف کی- عمر آخر میں آپ رکناباد کے نزدیک ایک خانقاہ میں مقیم ہو گئے اور گوشہ نشینی اختیار کر لی- ۶۹۱ھ میں اسی خانقاہ میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے- شیخ کی شخصیت مختلف اوصاف کا مجموعہ تھی وہ ایک معلم اخلاق' ادیب' شاعر' سیاح' صوفی وزاہد اور فقیہہ وعابد تھے- شیخ سعدی کی تصانیف میں جو شہرت گلستان اور بوستان کو حاصل ہوئی وہ فارسی زبان میں لکھی جانے والی چند کتابوں کا ہی مقدر بن سکی- مولانا حالی ،حیاتِ سعدی میں لکھتے ہیں: ''فارسی نثر میں ظاہراً کوئی کتاب شیخ سے پہلے اور اس کے بعد ایسی نہیں لکھی گئی جو گلستان کے [illegible] مقبول ہوئی ہو'' (ص ۷۳) ملک الشعراء بہار اپنی تصنیف سبک شناسی

ایران جلد سوم میں لکھتے ہیں:

''سعدی کی شخصیت اور استادانہ عظمت کو گلستان میں دیکھنا چاہیے۔ اگر اس گراں قدر نثر کی کتاب کا وجود باقی نہ رہتا تو سعدی کی تہائی عظمت جاتی رہتی اور فارسی ادب اس گراں اور عظیم ذخیرے سے محروم رہ جاتا کیونکہ ایسی کتاب نہ ماضی میں لکھی گئی اور نہ مستقبل میں لکھی جائے گی'' (ص ۱۲۵)

☆ **شیخ شہاب الدین ابوالفتح یحیٰی بن حبش بن میرک سہروردی مقتول:** تبریز اور عراق کے درمیان ایک قصبہ سہرورد میں ۵۴۹ھ/۱۱۵۳ء میں پیدا ہوئے۔ مراغہ میں حضرت مجدالدین جیلی سے حکمت واصول فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اصفہان کے ظہیرالدین قاری سے بھی استفادہ کیا۔ فلسفہ مشائین پر کتاب حکمت الاشراق لکھی تو آپ کا لقب شیخ الاشراق پڑ گیا۔ عربی اور فارسی میں پچاس کے لگ بھگ کتب تصنیف کیں۔ مطارحان' لمحات' الواح العمادیہ' الٰہیا کل النوریہ المقادمات بشان القلوب' البارقات الٰہیہ' لوامع الانوار' اعتقاد الحکماء' رسالۃ العشق' رسالہ فی جالۃ الطفولیہ' پرتونامہ' رسالہ الطیر' دعوات الکواکب' الواح الفارسیہ' الٰہیا کل الفارسیہ' الوامعات الٰہیہ' طوارق الالٰہیہ' النفحات اسماویہ وغیرہ اہم تصانیف ہیں۔ ادبی اسلوب اور مشائی مشمولات پر مشتمل حکمت الاشراق ۵۸۲ھ/۱۱۸۶ء میں چند ماہ کے اندر لکھی۔ فخرالدین رازی آپ کا ہم مکتب تھا۔ ایران میں مختلف صوفیہ سے ملاقات رہی۔ ایک طویل عرصہ تک خلوت ومراقبے میں رہے۔ اناطولیہ اور شام کا سفر اختیار کیا۔ ان کے عقیدے کے بنیادی مصادر میں حلاج' غزالی' مشائی اور بالخصوص ابن سینا کے فلسفے کے ساتھ ساتھ فیثا غورثیت' افلاطونیت اور زرتشتیت کا فلسفہ بھی شامل ہے۔ سفینۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ حلب کے باشندے آپ کی بابت مختلف الرائے تھے۔ بعض ان کو ملحد اور زندیق اور بعض ان کو صاحب کرامات و درجات ہونے کا عقیدہ رکھتے تھے۔ مولانا جامی نفحات الانس (ص ۲۲۱) میں لکھتے ہیں کہ ان کی عقل پر علم کا غلبہ تھا اور عقل کو علم پر غالب رہنا چاہیے۔ قطب الدین شیرازی نے آپ کی کتاب حکمت الاشراق کی شرح اور مقدمہ لکھا جس میں شیخ مقتول کے نظریات اور عقائد کے منابع پر روشنی ڈالی ہے علاوہ ازیں سہروردی کے شاگرد اور رفیق کار شہرزوری نے بھی شرح لکھی۔ شہاب الدین سہروردی ایک ایسا صوفی تھا جس کے خیالات و نظریات میں زرتشتی اور ارسطوئی عناصر شامل تھے۔ اس نے یہ عیاں کرنے کی کوشش کی کہ تمام الوہی طور پر

الہامی عقلی روائتوں کے دل میں ایک ہی ہمہ گیر سچائی موجود ہے۔ اور یہ کہ تصوف اور فلسفہ نا قابل مصالحت نہیں اور فلسفہ کے غیر متغیر اصولوں کے کار آمد ہونے کی تصدیق عقل کی بصیرت افروزی کے ساتھ کی جا سکتی ہے۔ سہروردی کے مطابق تمام موجودات نور الانوار کی تنویر ہیں وغیرہ۔ چونکہ سہروردی اس قسم کے نظریات کا حامی تھا جو راسخ العقیدہ فقہا کے نظریات سے مطابقت نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے فقہا نے صلاح الدین ایوبی کے بیٹے ملک ظاہر کو ایک ایسا متفقہ محضر نامہ تیار کر کے دیا جس پر سہروردی کے قتل کی مہریں ثبت تھیں۔ ملک ظاہر کے انکار پر انہوں نے صلاح الدین ایوبی کو وہ فتویٰ بھیجا جس نے اپنے بیٹے کو حکم دیا کہ سہروردی کو مار دیا جائے چنانچہ ملک ظاہر نے تذبذب کے ساتھ اپنے والد کے حکم کی تعمیل کی اور سہروردی کو ۵۸۷ھ/ ۱۱۹۱ء میں مار ڈالا گیا۔ حلب (شام) ہی میں مدفون ہوئے۔ مہدی امین رضوی اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں:

> ''اسلامی فلسفہ میں سہروردی کا فلسفہ اس لحاظ سے ایک اہم موڑ تھا کہ یہ تصوف اور استدلائی فلسفہ کے درمیان مصالحت کروانے کی پہلی سنجیدہ کوشش پیش کرتا ہے۔ استدلانی منطقیت کو عقلی بصیرت و وجدان کے ساتھ ہم آہنگی میں لانے کے لیے سہروردی کا طریقہ کار اسلامی فلسفہ میں بدستور سنگ بنیاد رہا بالخصوص اسلامی دنیا کے مشرقی حصہ میں'' (۱۲۸)

جن کتابوں نے مسلمانوں کی تاریخ فکر و روح پر گہرا اثر ڈالا ان میں **حکمت الاشراق** کا بہت بڑا حصہ ہے۔ یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصے میں منطق و استدلال سے مسائل و معاملات پر بحث ہے۔ دوسرے حصے میں انوار الٰہی اور تجلیات ربانی کی روشنی میں معاملات و مسائل کا ذکر ہے۔ اس کتاب میں سہروردی نے رموز و اشارات کی زبان میں گفتگو کی ہے۔

☆**عزالدین بن عبدالسلام**: ۵۷۸ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے اور اسی شہر کے نامور اور مشہور علماء سے تعلیم حاصل کی۔ ان میں فخر الدین بن عساکر' علامہ سیف الدین اور حافظ ابو محمد القاسم بن عساکر شامل ہیں۔ شیخ شہاب الدین سہروردی اور شیخ ابوالحسن شاذلی سے بھی استفادہ کیا۔ ۶۳۹ھ تک دمشق میں رہے

اور درس و تدریس کے ساتھ ساتھ جامع اموی میں امامت کے فرائض سر انجام دیتے رہے۔ بدعات و خرافات کی تردید میں پوری قوت صرف کی بعد میں مصر چلے گئے جہاں کے سلطان الملک الصالح نجم

الدین نے انہیں قاضی مقرر کیا- شیخ عزالدین علم وفضل میں یکتائے روزگار تھے- شروع میں شیخ الاکبر کی مذمت کی بعد میں مدح وتعریف کی اور انہیں ولی' قطب اور غوث تک کہا- (شذرات الذہب' جلد پنجم' ص ۱۹۳)
۹ جمادی الاول ۶۶۰ھ کو قاہرہ (مصر) میں انتقال کیا-

☆ فخر الدین ابراہیم عراقیؒ: فارسی کے معروف صوفی شاعر- والد کا نام شہریار- ہمدان کے نواحی قریہ مکجان (ماکوجان) میں ۵۹۸ھ/۱۲۰۱ء میں پیدا ہوئے- سیر العارفین کے مطابق بہاؤالدین زکریا ملتانی کے بھانجے اور داماد تھے- صغرسنی میں قرآن مجید حفظ کیا- اہل ہمدان ان کی خوش گلوئی پر شیفتہ تھے- سترہ برس کی عمر میں ہمدان کے مدرسے سے معقولات ومنقولات میں فارغ التحصیل ہوئے- شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں رہے اور مستفیض ہوئے- مرشد نے ان کا تخلص عراقی رکھا اور ہندوستان جانے کا حکم دیا- یہاں ملتان میں شیخ بہاؤالدین زکریا کی خدمت میں پچیس برس تک رہے- یہیں ان کے فرزند شیخ کبیرالدین پیدا ہوئے- زکریا ملتانی نے وصال کے وقت عراقی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کیا- مگر وہ دیرینہ روایات کی پاسداری نہ کرسکے- تصانیف میں لمعات جو کہ فصوص الحکم کی طرز پر اس سے متاثر ہوکر لکھی گئی کے علاوہ ایک مثنوی اور دیوان ہے- مثنوی کا نام برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات کی فہرست میں عشاق نامہ درج ہے- لمعات کی شرح مولانا جامی نے لکھی- عراقی نے مصر اور شام کا سفر بھی اختیار کیا- دمشق میں ۶ ذی قعدہ ۶۸۸ھ/۲۱ نومبر ۱۲۸۹ء کو ۸۸ برس کی عمر میں وفات پائی اور شیخ الاکبر کے پہلو میں دفن ہوئے- تذکرہ میخانہ میں ملا عبدالنبی نے لکھا ہے کہ شیخ فخرالدین عراقی نے شیخ اکبر محی الدین ابن عربی اور صدرالدین قونوی کے فلسفہ وحدت الوجود کو فارسی زبان میں وسعت دی- وہ روم کے دور دراز علاقوں تک گھومے پھرے اور شیخ صدرالدین قونوی کی خدمت میں رہ کر تربیت پائی اور فصوص کا درس لیتے رہے جس سے متاثر ہوکر لمعات لکھی- عراقی وحدت الوجود کو عجم میں متعارف کرانے والے اور شیخ الاکبر کے تصورات کے سب سے بڑے شارح تھے-

اعجاز الحق قدوسی لکھتے ہیں:

''حضرت عراقی کی شاعرانہ عظمت ہر دور میں مسلم رہی ہے انہوں نے فارسی شاعری میں تصوف کی روائت کو نکھارا اور سنوارا اور تصوف کے مضامین کو اپنے اشعار میں اس دلکشی سے سمویا ہے کہ آج بھی اہلِ نظران کے کلام کو حرزِ جان بنائے ہوئے ہیں''(۱۲۹)

☆ امام فخر الدین رازی: ابوالفضل وابوعبداللہ محمد بن عمر بن حسین بن حسن بن علی اشعری شافعی، ۱۱۴۹ء/۵۴۳ھ میں رے (ایران) میں پیدا ہوئے جہاں آپ کے والد ضیاء الدین عمر خطیب تھے اس لیے آپ ابن الخطیب بھی کہلاتے تھے۔ خوارزم میں معتزلہ عقائد کے خلاف تبلیغ کی وہاں سے بخارا اور سمرقند جانے پر مجبور ہوئے۔ سلطان علاؤ الدین خوارزم شاہ آپ کا سرپرست تھا۔ ۱۲۰۹ء/ ۶۰۶ھ میں کرامتیہ پر شدید تنقید کی وجہ سے زہر خورانی سے ہلاک کر دیے گئے۔ دینی علوم کو فلسفیانہ انداز میں پیش کیا۔ قفطی نے ۶۱ اور عبدالسلام ندوی نے ۸۰ کتب گنوائی ہیں۔ علم کلام میں مشہور تصنیف اساس التقدیس دوسری متداول تصنیف مفاتیح الغیب ہے جو تفسیر کبیر کے نام سے مشہور ہے۔ شیخ الاکبر اور امام فخر الدین رازی ہمعصر تھے۔ رازی نے شیخ الاکبر کو ایک عظیم ولی اللہ کہا۔ ☆ (۱۳۰)۔ شیخ الاکبر اور امام صاحب کی ملاقات کے سلسلے میں تاریخ خاموش ہے۔ تاہم روایت ہے کہ ابن عربی نے امام رازی کو ایک خط لکھا جس میں ان کو قیاسی علم سے احتراز کرنے، علم الٰہی کے جھونکوں کو قبول کرنے، نیز خلق خدا سے ہر طرح کا رابطہ منقطع کرنے اور علم کو بغیر کسی واسطے یا توسل کے براہ راست حق تعالیٰ سے اخذ کرنے کی ہدایت دی۔ اس خط کا رازی پر خاطر خواہ اثر ہوا۔ اس نے ان کی کایا پلٹ دی۔ ان کے اقوال احوال میں بدل گئے یہاں تک کہ علم الکلام کا ماہر اور استدلال کی زنجیروں میں جکڑا ہوا عظیم فلاسفر آخر کار عقل کی انتہائی تدابیر اور کارستانیوں کو محض بندشیں اور بیڑیاں سمجھنے لگا۔ ☆ (۱۳۱) قاری البغدادی نے در الثمین میں اس خط کو نقل کیا ہے۔ اس خط میں پہلے تو امام رازی کو یہ بتایا ہے کہ انہوں (ابن عربی) نے ان (فخر رازی) کی تحریرات اور تالیفات کے کچھ حصے پڑھے ہیں۔ ان کی متخیلہ کی قوتوں اور فکری صلاحیتوں سے آگاہی اور آشنائی حاصل کی ہے۔ اس کے بعد یہ بات ان کے ذہن نشین کرنے کی کوشش کی ہے کہ:

> ''علماء انبیاء کے وارث ہوتے ہیں۔ وراثت اسی صورت میں کامل ہوتی ہے جو نہ فقط تمام سرمایہ پر ہو بلکہ ہر لحاظ اور ہر پہلو سے مکمل ہو۔ لہذا عاقل کے لیے یہی شایان ہے کہ وہ علو ہمت سے کام لے کر کوشش کرے تاکہ ہر لحاظ سے مکمل وارث بن سکے۔ علم ربانی اس کی ہستی کے علم سے الگ چیز ہے۔ عقل تو خدا کی ہستی کا سراغ لگاتی ہے اور اسے محض سلبی انداز سے پہچانتی ہے نہ کہ مثبت طریق سے۔ خداوند تعالیٰ اس سے بہت اعلیٰ وارفع ہے کہ عقل اسے فکر و نظر سے پہچان سکے۔ لہذا مناسب یہی ہے کہ عاقل معرفت الٰہی کے لیے کشف وشہود پہ

ساری توجہ اور ہمت صرف کرے اور اس راستے میں دل کو ہر قسم کے خیالات سے پاک صاف رکھے۔ انسانی علم اسی صورت میں کامل ہوسکتا ہے جب اسے براہ راست خداوند تعالیٰ ہی سے اخذ کیا جائے۔ پس ہمت بلند ہونی چاہیے تاکہ خدا کے سوا تم کسی اور سے علم حاصل نہ کرو اور وہ بھی کشف وشہود کے ذریعے سے۔ انسانی عقل وفکر ناتواں ہے یہ چیز عقل انسانی کی پہنچ سے ماورا ہے۔ انسان جب تک خیالات کا پابند واسیر ہے اسے سکون واطمینان کا نصیب ہونا محال ہے۔ عقل کی سوچ بچار کی استعداد محدود ہے۔ اس کی ایک خاص حد ہے جہاں پہنچ کر وہ رک جاتی ہے لیکن خدائی بخششوں کی پذیرائی اور قبولیت میں اس کی تعداد لامحدود ہے لہذا مناسب یہی ہے کہ دانشمند بخشش کے نشر ونفوذ ہی کا مشاہدہ کرے اور اپنے آپ کو کسب ونظر کی قید وبند میں ہی جکڑ کر مقید اور محصور نہ بنالے۔ جوہر ذاتِ مطلق کو محض عقل ونظر سے پہچاننا اک امر محال ہے لہذا عاقل کے لیے یہی شایان شان ہے کہ وہ اس علم کے علاوہ جو اس کی ذات کے کمال کا موجب ہو اور اس سے کبھی الگ نہ ہو سکے اور کسی علم کو طلب ہی نہ کرے اور یہ علم وہی علم ہے جو ذاتِ حق تعالیٰ سے متعلق ہے اور مشاہدہ ہی سے ہاتھ آتا ہے۔ میں یہ کہتا ہوں کہ یہ بہت مشکل بات ہے کہ کوئی آدمی عقل وفکر کی بنا پر آرام و سکون پا سکے اور پھر وہ بھی بالخصوص ذات باری تعالیٰ اور اس کے جوہر کی شناخت کے سلسلہ میں۔ پس اے بھائی تم کب تک اس طرح اس بھنور میں پھنسے رہو گے۔ تم ریاضات و مجاہدات اور خلوتوں کے اس طریقے کو جسے حضور پاک ﷺ نے مشروع اور جائز قرار دیا ہے کیوں نہیں اپناتے تاکہ کسی مقام پر پہنچ سکو اور وہاں فقط وہی پہنچا ہے جس کے متعلق خود خدائے بزرگ وبرتر نے قرآن پاک میں فرمایا ہے: ''ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ پایا جس کو ہم نے' اپنی خاص رحمت دی تھی اور ہم نے اس کو اپنے پاس سے ایک خاص علم سکھا دیا تھا۔ سورہ کہف آیت ۶۵)۔(۱۳۲)

☆ فرید الدین عطارؒ: ابو حامد یا ابو طالب محمد بن ابی بکر ابراہیمؒ، ولادت نیشاپور میں شعبان ۵۱۳ھ/ ۱۱۱۹ء میں ہوئی مزار بھی وہیں ہے۔ سال وفات میں اختلاف ہے۔ نفحات الانس کی روایت کے مطابق ۶۲۷ھ/ ۱۲۲۹ء۔ عمر کے طویل ہونے پر سب تذکرے متفق ہیں۔ سبب وفات بھی

سب کو مسلم ہے یعنی تاتاریوں کے ہاتھوں جام شہادت نوش کیا- کارنامہ بزرگان ایران میں مرقوم ہے کہ شیخ فریدالدین محمد عطار نیشاپوری جن کا شمار اکابر صوفیائے کرام میں ہوتا ہے ۵۳۶ھ/۴۲-۱۱۴۱ء میں نیشاپور کے ایک قصبے کدکن نامی میں پیدا ہوئے- ان کا پیشہ دوا فروشی اور عطاری تھا- اس لیے وہ عطار کے لقب سے مشہور ہوئے- (ص ۲۴۱، ۲۴۲) بعض روایات کے مطابق سلطان خوارزم کے طبیب خاص تھے- تحصیل علوم و معارف کی خاطر مشہد میں سترہ برس اور انتالیس برس رے، عراق، دمشق، ہندوستان، ترکستان وغیرہ میں سیاحت میں گزارے- پہلے شیخ رکن الدین اسکاف کی خدمت میں کئی سال بسر کیے پھر سفر و زیارت بیت اللہ کو نکلے اور بہت سے مشائخ کی خدمت میں رہے- بالآخر شیخ مجدالدین بغدادی جو شیخ نجم الدین کبریٰ کے تربیت یافتہ تھے سے بیعت ہوئے اور آگے چل کر سلوک و عرفان کے وہ مراتب طے کیے کہ خود مرشد کے لیے باعث فخر ہوئے- جلالتِ قدر کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ مولانا روم کے کلیات میں شیخ کا نام گویا مقتدا و پیشوا کی حیثیت سے آیا ہے اور انکی عظمت کا بار بار اعتراف ہے مثلاً

گرد عطار گشت مولانا شربت از دست شمس بودش نوش

(۱۳۳)

علاوہ ازیں مولانا کاتبی معروف بہ محمد بن عبداللہ نیشاپوری، محمود شبستری اور علاءالدولہ سمنانی جیسے صوفیہ نے آپ کی تعریف کی- قاضی نوراللہ شوستری نے **مجالس المومنین** میں آپ کی ۱۱۴ کتب کا ذکر کیا ہے- بعض کے نزدیک چالیس ہیں- **منطق الطیر** اور **تذکرۃ الاولیا** زیادہ مشہور ہیں-

☆ **مؤیدالدین بن محمد جندی:** جند (ترکستان) میں پیدا ہوئے- صدرالدین قونوی کے شاگرد، ابن عربی کے شارح اور مقلد- ان کے اصول عرفان کو قبول کیا اور اس کی زبانی و تحریری تبلیغ کی- مواقع النجوم اور فصوص الحکم کی شرحیں لکھیں- **نفحۃ الروح، تحفۃ الفتوح، خلاصۃ الارشاد** معروف کتب ہیں- شیخ الاکبر کے لیے پیشوائے ارباب تحقیق، امام اصحاب طریق، پیر و مرشد کاملاں، صدر الاسلام والمسلمین جیسے القاب استعمال کیے- فصوص کے معروف شارح عبدالرزاق کاشانی (م ۷۳۰ھ/۱۳۵۰ء) آپ کے مرید اور خلیفہ تھے- ۷۰۰ھ/۱۳۰۰ء (بہ اختلاف) میں وفات پائی-

☆ **موسیٰ بن میمون:** ابو عمران موسیٰ بن میمون بن عبداللہ، ۵۳۲ھ/۱۱۳۵ء میں قرطبہ میں

پیدا ہوا جہاں اس کا باپ مذہبی عدالت کا جج تھا- ریاضی، منطق اور طب وغیرہ اور علم الاوائل کی تکمیل کی- موحدین کے مظالم سے بچنے کے لیے اس کا خاندان افریقہ چلا گیا اور کچھ عرصہ فیض میں سکونت اختیار کی بعد میں مصر کے شہر فسطاط میں مستقل سکونت اختیار کر لی- یہاں وہ پھر سے یہودیت کی طرف مراجعت کر گیا اور ایک یہودی ابوالمعالی کی بہن سے شادی کر لی یہ یہودی نور الدین علی الدغونہ افضل بن صلاح الدین یوسف بن ایوب کی والدہ کا کاتب تھا- موسیٰ، ابن رشد کا ہمعصر اور مقلد تھا- وہ شریعت یہود کا عالم تھا- شرح تلمود، ابطال المعاد، جالینوس کی اکیس کتابوں کا اختصار، الاستکمال الابن الافلح الاندلسی، استکمال الابن ھود، اہم کتب ہیں لیکن دلالت الحیران عربی زبان میں اس کی سب سے بڑی تصنیف ہے- طبریہ (فلسطین) میں ۶۰۱ھ/۱۲۰۴ء اور قفطی کے مطابق ۶۰۵ھ میں وفات پائی- اس نے ایک رسالہ مقالہ فی التوحید بھی لکھا جس میں وحدت الوجود کے بارے میں بحث ہے-

☆ نجم الدین کبریٰ: ابوالجناب احمد بن عمر بن محمد بن عبداللہ الخیوقی- سلطان سنجر کے زمانہ میں ایران کے شہر تبریز میں ۵۰۴ھ/ ۱۱۴۵ء میں پیدا ہوئے- تبریز ہی میں تعلیم حاصل کی کہ اسی دوران فرج تبریزی سے ملاقات نے ان کی دنیا بدل دی- خوزستان کے ایک خدا رسیدہ بزرگ شیخ اسماعیل حضری مقدی سے بیعت ہوئے جن کا سلسلہ شیخ رکن الدین علاوالدولہ سمنانی سے ملتا ہے- اسی طرح شیخ عمار یاسر سے بھی استفادہ کیا جن کا سلسلہ ابوالقاسم گرگانی سے ملتا ہے- مصر بھی گئے اور شیخ روزبہان کی خانقاہ پر چلہ کھینچا- آپ کے مرید اور خلیفہ شیخ مجدالدین بغدادی نے تحفۃ البزرہ کے نام سے آپ کے ملفوظات پر مشتمل ایک کتاب مرتب کی جسے نواب معشوق یار جنگ نے اپنی کتاب اخبار الصالحین حصہ اول کے صفحہ ۱۸۴ تا ۱۸۹ پر نقل کیا ہے- کمال حموی، رضی الدین علی لالا، سیف الدین ناخرزی، نجم الدین رازی، جمال الدین گیلی اور خاص طور پر سعد الدین حموی جو شیخ الاکبر کے بھی صحبت یافتہ تھے، جیسے مشائخ آپ کے مریدین اور خلفاء میں سے تھے- ۶۱۸ھ/ ۱۲۲۱ء میں سلطان محمد خوارزم شاہ کے عہد میں تاتاریوں کے خلاف جہاد میں شہادت پائی- آپ تصوف و طریقت میں یگانہ تھے- بکثرت خوارق و کرامات آپ سے سرزد ہوئے- لوگ آپ کو ولی تراش کہتے تھے اس کی وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ وجد کے غلبے میں جس کسی پر آپ کی نظر پڑتی وہ درجہ ولایت کو پہنچ جاتا- مولانا روم کا یہ شعر انہی کی طرف منسوب ہے۔

یک نظر فرما کہ مستغنی شوم زابنائے جنس   سگ کہ شد منظور نجم الدین سگاں را سرور است

☆ البرٹس میگنس: بوریا (جرمنی) میں ۱۲۰۰ء میں ایک معزز فوجی خاندان میں پیدا ہوا۔ عیسائی دنیا کا عظیم اسکالر و فلاسفر۔ ۱۵ نومبر ۱۲۸۰ء میں کولون میں وفات پائی۔

☆ تھامس اکیونس: عیسائیت اور اٹلی کا عظیم فلسفی، Roccasecca میں ۱۲۲۵ء میں پیدا ہوا۔ نیپلز اور کولون میں تعلیم حاصل کی۔ پیرس اور اٹلی میں پڑھایا اور تبلیغ کی۔ ۱۲۷۴ء میں وفات پائی۔

☆ سینٹ فرانسس: اسیسی، (اٹلی) میں ۱۱۸۲ء میں پیدا ہوا۔ عیسائی دنیا کا عظیم مبلغ اور صوفی، مصر اور سپین تک عیسائیت کی تبلیغ کی۔ اسیسی ہی میں ۱۲۲۸ء میں وفات پائی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دوسرا باب

﴿افکار﴾

اندلس میں فلسفہ وحکمت کی روایت، ابن عربی تک:

اگر ہم ابن عربی کے عہد تک کے اسلامی اندلس میں تصوف اور فلسفہ کی روایت پر ایک نظرِ واپسیں ڈالیں تو اس کی صورتِ حال کچھ یوں تھی کہ یہاں کے لغت وادب، تصوف اور فلسفہ وحکمت میں اسلامی دور کے اساطین علم وفن کی گہری چھاپ ہے۔ شروع میں اندلسی مسلمانوں کو فلسفہ سے زیادہ ہمدردی نہ تھی۔ ان کا میدان اہل سنت کی انتہائی پابندی اور سخت قدامت پسندی کی جانب تھا اور ان کو صرف شریعت، تفسیر اور حدیث کے مطالعہ سے دلچسپی تھی۔ اس کی ایک عمدہ مثال ابن حزم☆(۱) ہیں جو اندلس کے پہلے مشہور الہیاتی اور فقیہہ ہیں، انہوں نے اہل سنت کے چاروں مذاہب حتیٰ کہ حنبلی مذہب جیسے سخت نظام کو چھوڑ کر داؤد ظاہری (التوفی ۲۷۰ھ) کے مذہب کی پابندی اختیار کی۔(۲)

اندلس میں فلسفہ کا پہلا پرچارک اور معلم ابن مسرہ☆(۳) کو گردانا جاتا ہے جو محمد بن عبدالرحمٰن اُموی کے دورِ خلافت میں قرطبہ میں پیدا ہوا۔ اندلس میں تصوف کی اجتماعی تنظیم کے آثار ابن مسرہ ہی کے زمانے سے نمودار ہونے لگے۔ اس نے جبال قرطبہ میں جو چھوٹی سی جمعیت قائم کی تھی اسے بطور مثال سامنے رکھتے ہوئے ایسے ہی متعدد اساتذہ تصوف کے زیر ہدائت مختلف سلسلے اور جمعیتیں قائم ہونے لگیں جو نہ صرف اس لیے کہ انہوں نے اپنے زہد وورع اور ریاضت کے نئے نئے طریقے ایجاد کیے بلکہ بہ اعتبار علم وفضل بھی ان کا درجہ بڑا بلند تھا اور انہیں یہ قدرت حاصل تھی کہ تحریر وتقریر دونوں ذرائع سے عوام کو اپنی طرف مائل کریں۔(۴)

مرابطین کے عہد حکومت میں ہم فلسفے کے ابتدائی مبادی دیکھتے ہیں جو بغداد کے معتزلیوں سے یہودیوں نے حاصل کیا اور ان کی وساطت سے اسپین میں آیا۔ اسی طرح مغرب (اندلس) میں اخوان الصفاء کے نظریات کو اندلسی فاضل مسلمہ بن احمد ابوالقاسم المجریطی الاندلسی (وفات ۳۹۵ھ یا ۳۹۸ھ) نے رائج کیا اور زیادہ تر اسی تعلیم کی بدولت فلاسفہ اسپین عالم وجود میں آئے جن کا آخر کار قرونِ وسطیٰ کی لاطینی مدرسیت پر بے حد اثر پڑا۔(۵)

مسلمہ کے کئی معروف شاگرد ہوئے جن میں ابن السمح' ابن الصفا' زہراوی' کرمانی اور ابن خلدون الحضرمی' ابومسلم عمر بن احمد' ابن خلدون الحضرمی اہل اشبیلیہ سے تھا اور ہیت' ریاضی وغیرہ کے علاوہ فلسفہ میں شہرت رکھتا تھا۔ ۴۴۹ھ میں فوت ہوا۔ اسی طرح ابوالحکم عمرو بن عبدالرحمٰن بن احمد بن علی کرمانی اہل قرطبہ سے تھا۔ دیارِ مشرق کی طرف گیا۔ حران میں علم ہندسہ اور طب حاصل کیا۔ اندلس واپس آ کر سرقسطہ میں جاگزیں ہوا۔ مقری کے مطابق یہ پہلا شخص ہے جس نے رسائل اخوان الصفاء کو اندلس میں داخل کیا۔ (نفح الطیب جلد ۲' صفحہ ۲۴۳) کرمانی نے ۴۵۸ھ میں وفات پائی۔ بہرکیف رسائل اخوان الصفاء سے پہلے علم فلسفہ اندلس میں داخل ہو چکا تھا۔ محمد بن عبدون الجبلی ۳۴۷ھ میں مشرق کی طرف بصرہ میں منطق کی تحصیل کے لئے گیا اور ابوسلیمان محمد بن طاہر بن بہرام الجستانی سے مستفید ہو کر ۳۶۰ھ میں اندلس لوٹا اسی طرح احمد الحرانی کے دو بیٹے احمد اور عمر ۳۳۰ھ میں بغداد گئے اور ثابت بن سنان بن ثابت بن قرہ سے علوم حاصل کرنے ۳۵۱ھ میں اندلس واپس لوٹے۔ یوں فلسفہ مشرق سے مغرب کی طرف گیا۔ چوتھی صدی ہجری کے آخر میں جب اندلس طوائف الملو کی کا شکار ہوا تو فقہ وحدیث اور طب کے علاوہ فلسفہ اور منطق وغیرہ کے خلاف عوام میں بڑی بدظنی پھیلائی گئی اور ان علوم کے ماہرین کو گوناگوں مصائب سے دوچار ہونا پڑا۔ پانچویں اور چھٹی صدی میں بھی لوگ علوم فلسفہ کو اچھی نگاہوں سے نہیں دیکھتے تھے اس لئے بہت کم لوگ علوم فلسفہ ومنطق کی طرف توجہ کرتے تھے۔ ایسے ہی پُر آشوب زمانوں میں ابن باجہ' ابن طفیل اور ابن رشد وغیرہ علوم کے علمبردار رہے اور طرح طرح کے مصائب کا شکار ہوئے۔ اس دور کا ایک اندلسی مؤرخ ابن الامام لکھتا ہے:

فلسفہ کی کتابیں بلاد اندلس میں حکم ثانی (۳۵۰ھ/ ۹۲۱ء۔ ۳۶۶/ ۹۷۶ء) کے زمانہ میں متداول تھیں۔ حکم نے مشرق کی عجیب وغریب تصنیفات اور کتب اوائل (یونانی کتب) کی نقلیں مہیا کیں۔ لوگ ان کے مطالعہ میں مصروف ہوئے مگر ابن باجہ سے قبل مطالعہ کرنے والوں کو گمراہی اور تذبذب کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا جیسا کہ ابن حزم الاشبیلی سے چند گمراہیاں سرزد ہوئیں حالانکہ وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا ماہر فلسفی تھا۔ اکثروں کو اس کے افکار ثبت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ ابن باجہ اس سے کہیں زیادہ ان علوم پر نظر رکھتا تھا۔ اور زیادہ تیز فہم تھا۔ ان علوم کے مطالعہ کا فائدہ صرف دو شخصوں ابن باجہ اور مالک بن وہیب الاشبیلی کو پہنچا۔ (۶)

ابن باجہ ☆(۷) وہ پہلا شخص ہے جس نے عربوں کی مشرقی حکمت سے استفادہ کیا اور اندلس کا پہلا حکیم ہے جس نے علوم فلسفہ کی اشاعت کی' اسے اوڑھنا بچھونا بنایا حتیٰ کہ اسی بنا پر کفر والحاد سے بھی متہم ہوا۔ تارکِ شریعت کی بھی تہمت لگی۔ کئی مرتبہ جان کے لالے پڑے مگر بچ نکلا۔ بالآخر اسے اپنے ہی طبیب ساتھیوں کے ہاتھوں زہر دیا گیا۔ ابن باجہ نے انسانی رشد و ہدایت میں عقل و علوم معقول کی صحیح قدر و قیمت کا کھوج لگایا اس کا نظریہ یہ ہے کہ یہ فقط علم و فلسفہ ہی ہے جو عقل انسانی کے اتصال سے عقل فعال بن جاتا ہے۔

اندلس کے مابعد کے ایک اور فلسفی ابن بشکوال اپنی کتاب ''صلہ'' کے صفحہ ۳۱۵ پر ابن باجہ کے ایک معاصر فلسفی مالک بن وہیب ☆(۸) کے متعلق لکھتا ہے:

> ''اشبیلیہ کے لوگوں میں مالک بن یحیٰ بن وہیب ہے جو مختلف علوم اور اقسام علوم میں کمال و امتیاز رکھتا تھا۔ البتہ علوم کی بابت سخت بخل سے کام لینے والا تھا۔ یہ ابوالقاسم الحسن بن عمر الہوزنی اور ابوعبداللہ احمد بن محمد وغیرہ سے روایت کرتا ہے اور اُسے حاتم بن محمد نے اپنی ساری روایات کی اجازت دی۔ روایت پر علم کا غلبہ زیادہ تھا۔ میں قرطبہ میں اس سے ملا۔''(۹)

عبدالواحد مراکشی (پ ۵۸۱ھ/ ۱۱۸۵ء) اپنی تاریخ ''الموحدین'' میں مالک بن وہیب کے متعلق بیان کرتا ہے:

> ''یہ شخص ان علوم میں مہارت رکھتا تھا اور انہی باتوں کو ظاہر کرتا تھا جو مفید تھیں۔ مختلف علوم کا ماہر تھا۔ میں نے اس کی ایک کتاب دیکھی ہے جس کا نام اس نے ''قراضہ الذہب فی ذکر لئام العرب'' رکھا ہے جس میں اس نے ایام جاہلیت اور زمانہ اسلام میں عربوں کے فحاشیات کو جمع کیا ہے اور بہت سے افسانے بیان کیے ہیں۔ میں نے کتاب بنو عبدالمومن ''موحدین'' کے کتب خانے میں دیکھی ہے یہ کتاب اپنے فن میں بے نظیر ہے۔ مالک' فلسفہ کے بہت سے اجزاء کا صحیح علم رکھتا تھا۔ میں نے خود اس کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتاب الثمارہ (The Centiloquium) دیکھی ہے۔''(۱۰)

ابن حزم اپنے ایک مشہور رسالہ' جس میں اہل اندلس کے مفاخر کا ذکر ہے' اپنے دو پیشرو فلسفیوں کا نام لیتا ہے۔ اور ان کو مسلمانانِ اندلس کا فخر بتاتا ہے:

''جہاں تک فلسفہ کا تعلق ہے میں نے سعید بن فتحون سرقسطی ☆ (۱۱) کے رسائل اور تالیفات کو دیکھا جن سے مؤلف کی مہارت ظاہر ہے اور خود میرے استاد ابو عبداللہ محمد بن حسن مزجی کے رسائل تو مشہور و متداول ہیں، خوبیوں سے پُر، بہت مفید اور نفیس ہیں۔ (۱۲)

ابو عبداللہ محمد بن الحسن المعروف ابن الکتانی کے اساتذہ میں محمد بن عبدون الجبلی، عمر بن یونس بن احمد الحرانی، احمد بن حفصون الفیلسوف، ابو عبداللہ محمد بن ابراہیم، ابو عبداللہ محمد بن مسعود البجائی، محمد بن میمون، ابوالحرث اسقف ابو مرین البجائی اور مسلمہ بن احمد المجریطی جیسے لوگ شامل تھے یوں مغرب کے فلاسفہ کا ربط مشرق کے فلاسفہ کے ساتھ مل جاتا ہے۔

اسی طرح ابنِ طفیل ☆ (۱۳) ہے جس کی ایک ہی دستیاب تصنیف ''رسالہ حیٔ بن یقظان'' ہے جس میں اس نے اپنے فلسفیانہ خیالات کو ایک داستان کی شکل میں بیان کیا ہے۔

عبدالرحمٰن ثانی کے دور میں ابو عبیدہ مسلم، ابن یحییٰ قرطبی اور ابوالقاسم سلمۃ جیسے فلاسفہ پیدا ہوئے۔ فرانسیسی مفکر روسو نے ابن رشد کی تقلید کی ۔ خود ابن عربی کے فلسفیانہ اور عارفانہ افکار بھی اہل مغرب کے لئے الہام بخش رہے۔ اندلس کے قرن حاضر کے محقق آسن پلاکیوس نے اپنی کتاب ''اسلام اور ڈیوائن کامیڈی'' میں مفصل شواہد کی مدد سے ثابت کیا ہے کہ اطالوی شاعر الغیری دانتے کی ڈیوائن کامیڈی اسلامی مصنفین کے زیر اثر تکمیل پذیر ہوئی بالخصوص ابن عربی کے رسائل اور الفتوحات المکیہ کا اس پر غیر معمولی اثر ہے۔

اکتساب:

قرآنی آیات، احادیث اور اسلامی صوفیاء کے اقوال وفرمودات کے علاوہ کسی حد تک یونانی فلاسفہ کے افکار ونظریات سے شیخ الاکبر نے بھرپور استفادہ واکتساب کیا اور پھر انہیں نہایت زیرکی اور مہارت سے اپنے افکار کی تشریح وتوضیح کے لیے استعمال کیا چنانچہ ان کے کتب ورسائل اسلاف کی اصطلاحات، عبارات اور اسماء سے بھرے پڑے ہیں۔

یونانی فلاسفہ ☆ (۱۴) کے وہ نظریات جو وحدت الوجود اور سلوک وطریقت کی توضیح اور توثیق میں کام آسکتے تھے ان کا شیخ نے خصوصی مطالعہ کیا اور پھر ان روایات کو بڑی عمدگی اور خوبی سے اپنی تصانیف میں پرو دیا۔

وہ اسلامی صوفیہ جن کے افکار سے ابن عربی نے خاص طور پر اثر قبول کیا اور انہیں وحدت الوجود کی تشریح وتوضیح کے لیے استعمال کیا ان میں ذوالنون مصری، ☆(۱۵) اسلامی صوفیہ میں وہ پہلے بزرگ ہیں جن کے افکار میں وحدت الوجود کا رنگ ملتا ہے۔ مولانا جامی کے بقول وہ صوفیہ کے سردار تھے۔

بایزید بسطامیؒ ☆(۱۶) کے عرفانی فرمودات کا شیخ اکبر نے اتباع کیا اور اُن کے بہت سے مضامین کو اپنی تحریروں میں پھیلا کر بیان کیا۔

حلاج ☆(۱۷) کے متعدد اقوال پر شیخ اکبر نے اپنی تحریروں میں روشنی ڈالی ہے۔ حلاج کا انا الحق پروفیسر ڈاکٹر سلطان الطاف علی کے بقول وحدتِ وجود پر مبنی تھا یہی وجہ ہے کہ بعد میں طریقتِ ملامیہ کے تمام بزرگوں نے اسی عقیدہ ونظریہ کو اپنے کلام میں ظاہر کیا جس کی بہترین ومستند ترین توجیہہ طریقتِ ملامیہ کے بزرگوں میں سے اور عارفین میں سے شیخ کبیر محی الدین ابن عربی کی دی جاسکتی ہے۔'' ☆(۱۸) اسی طرح حلاج نے طواسین میں حقیقت محمدیه کے قدم پر جو فلسفیانہ گفتگو کی ہے اس سے شیخ الاکبر نے بہت اثر لیا جس کے نتیجہ میں انہوں نے خود حقیقت محمدیه کا نظریہ پیش کیا۔

حکیم ترمذیؒ ☆(۱۹) کی کتاب ختم الولاية کا شیخ اکبر نے بارہا خصوصی مطالعہ کیا۔ میسی نیون (Massignon) کا خیال ہے کہ شیخ اکبر، حکیم ترمذی سے بہت متاثر تھے اور ان کی کتب کا بغور مطالعہ کیا۔ فتوحات میں حکیم ترمذی کا جا بجا ذکر ملتا ہے۔

شیخ ابو طالب مکی ☆(۲۰) کی قوت القلوب جو تصوف کی اولین کتب میں سے ہے شیخ اکبر کے زیر مطالعہ رہی۔ اس میں وحدت الوجود کے سلسلے میں واضح تر نکات ملتے ہیں، مثال کے طور پر:

''صاحب یقین آدمی کی اپنے یقین کے باعث شہادت یہ ہوگی کہ ہر چیز میں اوّل اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ہر چیز سے قریب ترین اور ہر چیز سے اس کا قرب ایسے ہی ہے جیسے کہ عرش سے قرب ہے۔۔۔ اس کے علم وقدرت کی کوئی جگہ خالی نہیں کسی جگہ کے ساتھ اس کی تحدید نہیں کی جاسکتی اور نہ کسی جگہ سے وہ غیر موجود ہے اور نہ ہی ایک مکان میں محدود ہو کر پایا جاتا ہے، چنانچہ اسفل کے لیے تحت اور اعلیٰ کے لیے فوق ہے۔۔۔ اس کا عقل ادراک نہیں کرسکتی اور نہ ہی وہم وخیال اس کو سمجھ سکتے ہیں۔ اس کے علو کی کوئی انتہا، اس کی بلندی پر کوئی فوق نہیں، اس کے قرب میں کوئی بُعد نہیں، اس کے وجود میں کوئی احساس نہیں، اس کے

شہود (موجود) میں کوئی مس نہیں، اس کے موجود ہونے کا ادراک نہیں اور اس کے احاطہ کا کوئی احاطہ نہیں سمجھ سکتا۔۔۔قرب کے ساتھ ہر چیز سے قریب ہے اور یہ اس کا وصف ہے۔ ہر چیز پر احاطہ کر کے محیط ہے اور یہ اس کی صفت ہے۔ وہ ہر چیز کے ساتھ ہے، ہر چیز کے اوپر ہے، ہر چیز سے آگے ہے، ہر چیز سے ورا ہے۔۔۔وہ اپنی آخریت میں اولیت کے ساتھ اول ہے اور یہ اولیت اس کی صفت ہے، اور آخریت کے ساتھ اپنی اولیت میں آخر ہے اور یہ آخریت اس کا وصف ہے اور باطنیت کے ساتھ اپنے ظہور میں وہ باطن ہے اور یہ باطنیت اس کا قرب ہے اور ظہور کے ساتھ اپنی باطنیت میں ظاہر ہے اور یہ ظہور اس کا علو ہے۔ ازل سے ایسے ہی ہے اور ابد تک ایسے ہی رہے گا۔" (۲۱)

اسی طرح امام غزالیؒ (۱۰۵۹ء-۱۱۱۱ء) کی کتب و افکار☆ (۲۲)، ابن قسی ☆ (۲۳) (المقتول ۵۴۶ھ) کی خلع النعلین' ابن مسرہ اور ابن عریف ☆ (۲۴) کے کتب و مسلک اور افکار و خیالات سے بھی شیخ نے استفادہ کیا۔ انہوں نے بعض کونیاتی آراء کو بھی، جو فلاسفہ کے یہاں اور بالخصوص ابن سینا☆ (۲۵) کی تحریروں میں پائے جاتے ہیں' کو قبول کر لیا۔ نیز یہ کہ انہوں نے معتزلہ کے فن مجادلہ سے بھی بارہا فائدہ اٹھایا۔ اس کے علاوہ ابن عربی کی تحریروں میں ابتدائی اسلامی کتب کا اثر بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر جابر کی کتب، رسائل اخوان الصفاء جس میں فیثا غورثی رجحانات کار فرما تھے' اسی طرح دیگر تحریریں جو اسماعیلیت سے منسوب ہیں۔ (۲۶)

تبحر علمی:

ابن عربیؒ ایک عظیم صوفی، عارف کامل، فقیہہ، فاضل اجل' عجوبہ نسل انسانی اور نابغہ روزگار تھے۔ تصوف اور اسلامی عرفان کی تاریخ کے سلسلے میں ان کی وسیع معلومات' ان کے اساتذہ اور مشائخ کی کثرت اور ان کی تالیفات و تصنیفات کی کثیر تعداد کے لحاظ سے متقدمین و متاخرین میں سے کوئی بھی ان کے پائے کو نہیں پہنچتا۔ ☆ (۲۷) انہوں نے تصوف کے اسرار و رموز کو ایک باضابطہ نظام کی شکل دینے میں ایک رہنما کا کردار ادا کیا اور شریعت اور تصوف کو ایک نظام واحد ہی نہیں بنایا بلکہ دین کو بھی مشاہدات اور رمزی تفسیر و تاویل کے ذریعے ایک طرح کا سلسلۂ باطن بنا دیا ☆ (۲۸) یوں انہیں تصوف و طریقت اور

فلسفہ الٰہیات میں امام مجتہد کا مقام حاصل ہے۔وہ ایک معماتی اور ام العجائب شخصیت کے مالک تھے☆(۲۹)ان کا نظامِ فکر چونکا دینے والا اور مبہوت کر دینے والا تھا☆(۳۰)۔بقول محمد سہیل عمر:

''ابن عربی کو کسی ایک خانے میں بند کرنا ممکن نہیں-تصوف کی تاریخ میں ان کو ایک الگ اور منفرد مقام حاصل ہے-گذشتہ سات سو سال میں ملتِ اسلامیہ کی روحانی و فکری زندگی اور عقلی سرگرمیوں پر جتنا گہرا اور دوررس اثر اس کا رہا ہے ویسا کسی اور شخصیت کا نہیں رہا- یہ اہمیت اور معنویت انہیں تاریخ اسلام کا قطبی تارہ بنا دیتی ہے-کوئی ان کی جانب چلے یا ان کے مخالف' سمت کا تعین انہی کے حوالے سے کیا جا سکتا ہے- وائٹ ہنڈ نے افلاطون کے بارے میں جو ایک مبالغہ آمیز بات کہی تھی وہ اسی قدر مبالغے سے شیخ اکبر پر بھی صادق آتی ہے کہ''ابن عربی کے بعد فکر اسلامی کی ساری تاریخ ان کی تصانیف پر حاشیہ آرائی سے عبارت ہے''(۳۱)

مولانا محمد حنیف ندوی'ابن عربی کے تبحر علمی کا اعتراف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

''یہ صوفی اپنی فکری صلاحیتوں کے اعتبار سے بے نظیر شخصیت کا مالک تھا-اس کے اندازِ بیان میں جو روانی اور بہاؤ ہے' جو سلاست اور تسلسل ہے اور جس طرح کی عذوبت و شیرینی اور خیال آفرینی اس کی تحریروں سے ٹپکتی ہے وہ بہت کم مصنفین کے حصہ میں آئی ہے-اس کے آثارِ قلم میں گہرائی بھی ہے' اپج بھی ہے اور جدت طرازی بھی' اس پر مستزاد وہ جوش اور والہانہ کیفیت بھی ہے جو کسی انشا پرداز میں تاثیر و سحر کے معجزات کو ابھار دینے کا سبب ہوتی ہے-وحدت الوود اس شخص کا خاص موضوع ہے جس میں اس نے فکر و نظر کی تمام تر خوبیوں کو سمو دینے کی انتہائی کوشش کی ہے-''(۳۲)

تفسیری بصیرت:

کتاب الجمع والتفصیل فی اسرارِ معانی التنزیل کے نام سے شیخ الاکبر نے چھیاسٹھ جلدوں پر مشتمل قرآن مجید کی تفسیر لکھی جو سورہ کہف کی آیت ۵۹ تک ہے جو تقریباً نصف قرآن کی تفسیر ہے- ہر آیت میں بالترتیب جلال' جمال اور اعتدال کے متعلق گفتگو ہے- اسماعیل پاشا بغدادی ،کشف الظنون میں لکھتے ہیں:

شیخ محی الدین نے اہل تصوف کے طریق پر ایک بڑی تفسیر لکھی ہے جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے کہا جاتا ہے کہ یہ تعداد ساٹھ کتابوں تک پہنچتی ہے جو سورہ کہف تک ہے۔" (۳۳)

ڈاکٹر محمد طفیل کے مطابق شیخ کی تفسیر کے تین پہلو ہیں:

"پہلا پہلو وحدت الوجود ہے۔ فاضل مفسر نے قرآن حکیم کی متعدد آیات کی تفسیر بیان کرتے ہوئے اپنے صوفیانہ نظریے "وحدت الوجود" کی بھرپور وکالت کی ہے اور مختلف قرآنی آیات کے ذریعے اسے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس تفسیر کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اس میں "التفسیر الاشاری" کو اپنایا گیا ہے جس کا منشا یہ ہے کہ اہل حقیقت (صوفیاء) کی زبان پر قرآن حکیم کے الفاظ کے جو اشاری معانی جاری ہوتے ہیں وہ درحقیقت اللہ کا منشا اور مراد ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ کو اشاری انداز میں اسی لیے بیان کیا ہے کہ ان کی تعبیر اہل ظاہر سے مخفی رہے۔ اس تعبیر کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ صوفیاء کرام ہی اس امر کے اہل ہیں کہ وہ قرآن حکیم کی تفسیر بیان کریں کیونکہ انہیں اللہ تعالیٰ سے براہ راست علم کا القا ہوتا ہے اور وہ قرآن حکیم کی تفسیر پوری بصیرت اور فراست کے ساتھ بیان کرتے ہیں جبکہ اہل ظاہر ظنی اور تخمینی باتیں کرتے ہیں جن کا منشائے الٰہی سے قریبی تعلق نہیں ہوتا۔

ابن عربی کی تفسیر کا تیسرا پہلو یہ ہے کہ اس میں بعض آیات کی تفسیر ظاہری انداز میں بھی بیان کی گئی ہے مقصد یہ ہے کہ ایسی آیات کی تفسیر بیان کرتے وقت نہ "وحدت الوجود" کا فلسفہ بیان کیا گیا ہے اور نہ ہی سرّی اور اشاری نظامِ تصوّف کی پیروی کی گئی ہے بلکہ عام مفسرین کی طرح آیت کا ظاہری مفہوم واضح کر دیا گیا ہے۔ اس تفسیر کے مفاہیم اسی وقت آسانی سے سمجھ میں آ سکتے ہیں جب قاری قرآن حکیم کے مفاہیم سے واقف ہو۔ تصوف کے اصطلاحی اور اشاری نظام سے واقفیت رکھتا ہو اور ابن عربی کے فلسفہ تصوّف اور نظریہ "وحدت الوجود" پر کامل دسترس رکھتا ہو۔ (۳۴)

شاعری:

شیخ الاکبرؒ کے خالص شعری مجموعے دو ہیں۔ ایک ترجمان الاشواق اور دوسرا دیوان۔ ترجمان الاشواق کی شاعری ظاہری ہیئت کے اعتبار سے عربی کی روائتی عشقیہ شاعری

ہے جو حسنِ نسوانی کے حوالے سے کی جاتی ہے- ابن عربیؒ کے خودنوشت دیباچے سے یہ پسِ منظر سامنے آتا ہے کہ ۵۹۸ھ میں جب وہ مکہ گئے تو دیگر فضلاء و صلحاء کے علاوہ ان کا رابطہ شیخ ابوشجاع ظاہر بن رستم سے بھی رہا جن سے انہوں نے حدیث پڑھی- شیخ کی ایک بیٹی جس کا نام النظام تھا، حسن و جمال، فصاحت و بلاغت، زہد و عفت اور عبادت و ریاضت میں بے مثل تھی- اس کی ذات کو ابن عربی نے ترجمان الاشواق کی تشبیب ظاہری کا محور بتایا ہے تاہم ان اشعار کے باطنی مفہوم کو بطریق رمز و ایماء اعلیٰ روحانی واردات سے متعلق قرار دیا ہے جن کی حقیقت کو وہ خاتون خوب سمجھتی تھی- اشعار کی ظاہری ہیئت کے سبب حلب کے کسی فقیہہ نے اس رائے کا اظہار کیا کہ ان میں اسرار الٰہیہ کی گنجائش نکالنا محض مصلحت کا ایک پردہ ہے- چنانچہ ابن عربی کے دو شاگردوں نے درخواست کی کہ وہ اپنے کلام کی شرح خود لکھیں- ۶۱۱ھ / ۱۲۱۴ء میں جب وہ حلب گئے تو انہیں ترجمان الاشواق کی وجہ سے سخت تنقید اور اتہامات کا سامنا کرنا پڑا چنانچہ اپنے ساتھی بدر الحبشی اور فرزندِ روحانی اسماعیل ابن سودکین کے کہنے پر ترجمان الاشواق کی شرح ذخائر الاعلاق کے نام سے لکھی- فتوحات میں اس بارے میں تفصیل یوں لکھتے ہیں:

> ''ان اشعار کی شرح کا سبب یہ ہوا کہ میرے فرزندوں بدر حبشی اور اسماعیل بن سودکین نے خواہش کی کہ میں یہ جواب لکھوں کیونکہ ان دونوں نے سنا تھا کہ حلب کے فقہا میں سے ایک اس بات سے انکار کرتا ہے کہ یہ اشعار اسرار الٰہی کا بیان کرتے ہیں اور کہتا ہے چونکہ ابن عربی صالح اور متدین کہلاتے ہیں لہٰذا وہ واقعات کو چھپانے کے لیے تقدس اور الوہیت کی آڑ لے رہے ہیں پس ان اشعار کی شرح کر دی اور قاضی ابن ندیم نے فقہا کی ایک جماعت کے سامنے اس شرح کا کچھ حصہ پڑھا- مذکورہ فقیہہ نے اسے سن کر توبہ کر لی اور مجھ پر اعتراض سے باز آ گیا- میں نے یہ تحریر لکھتے ہوئے اللہ سے استخارہ کیا اور ان اشعار کی شرح کی جو میں نے رجب شعبان اور رمضان کے مہینوں میں مکہ مکرمہ میں مناسکِ عمرہ انجام دیتے ہوئے کہے تھے اور ان ابیات میں معارف ربانی، انوار الٰہی، اسرار روحانی اور علوم عقلی و شرعی سمجھائے تھے اور ان کی جانب اشارہ کیا تھا- یہ اسرار و معارف میں نے زبانِ تغزل و تشبیب میں اس لیے بیان کیے تھے اور ان کے لیے عشقیہ زبان اس لیے استعمال کی تھی کہ لوگوں کو

ایسی عبارت' ایسی تحریر زیادہ بھائی اور ایسی تعبیرات کی طرف ان کا میلان زیادہ ہوتا ہے اور نتیجۃً انہیں سننے اور ان کی طرف کان لگانے کا رجحان پیدا ہو جاتا ہے عشقیہ زبان ہر خوش ذوق ادیب اور صاحب دل صوفی کی زبان ہے----اگر میں شعر کہتا ہوں کہ تقدیر مجھے نجد یا تھاء لے گئی اور اسی طرح اگر میں کبھی کہتا ہوں کہ بادل رو پڑے اور شگوفے مسکرا اٹھے یا چودھویں کے چاند کی بات کرتا ہوں جو اوٹ میں چلا گیا یا سورج جو طلوع ہوا یا سبزہ جو اگ آیا یا برق و رعد کی بات یا صبا کا ذکر یا نسیم کا تذکرہ یا جنوب اور آسمان اور راستہ یا عقیق یا تودۂ ریگ یا پہاڑ یا ٹیلے یا صدائے سنگ یا قریبی دوست یا جرس یا بلندیاں یا باغات یا جنگلات یا قرق گاہ یا ابھرے ہوئے پستان والی عورتیں جو سورج کی طرح لو دیتی ہیں یا کسی بت کا قصہ اور مختصر یہ کہ ان میں سے ہر چیز یا ان جیسی کسی بھی چیز کا جب میں ذکر کرتا ہوں تو وہ اس لیے ہوتا ہے کہ تو ان سے چھپے ہوئے حقائق جان لے جو ظاہر ہو چکے ہیں اور ان انوار کا مشاہدہ کر لے جو واضح ہو چکے ہیں- خداوند افلاک نے ان چیزوں کو میرے یا مجھ ایسے کسی دوسرے آدمی کی قلب پر جو عالم بھی ہو وارد کیا ہے- قدسی وعلوی صفات نے مجھے جاننے والا کیا ہے جو میری سچائی کا نشان ہے- پس اپنے ذہن کو ان کے ظاہر سے پھیر کر ان کے باطن کو طلب کر تا کہ تو جان سکے''- (فتوحات مکیہ، جلد سوم، ص ۵۶۳)

یہ شرح اب ترجمان الاشواق کے ساتھ شامل ہے- شرح کا کچھ حصہ فقہا کی ایک جماعت کے سامنے پڑھا گیا تو معترض نے اپنے اعتراض سے رجوع کر لیا اور یہ تسلیم کیا کہ فقراء کے ہاں بادہ و ساغر کے پردے میں مشاہدہ حق کی گفتگو سے انکار نہیں کیا جا سکتا-

ابن عربی نے دیباچے میں اپنے اس اسلوب خاص کی وضاحت میں کچھ اشعار بھی درج کیے ہیں جن میں آخری شعر کو نمائندہ حیثیت دی جا سکتی ہے۔

فَاصْرِفِ الْخَاطِرَ عَنْ ظَاهِرِهَا   وَاطْلُبِ الْبٰطِنَ حَتّٰی تَعْلَمَا

(۳۵)

(سو ذہن کو ان (مضامینِ شعر) کے ظاہر سے ہٹا اور باطن کا کھوج لگا تا آنکہ تجھے حقیقت معلوم ہو جائے)

شاعری میں ظاہر و باطن کی انہی پرچھائیوں پر المقری نے بھی ان کے ایک شعر کے حوالے سے روشنی ڈالی ہے اور ان کے کلام کے بارے میں حسنِ ظن کو لازم قرار دیا ہے، شعر یوں ہے۔

يَـــامَــنْ يُــرانِــى وَلَا اَرَادَهُ   كَـــمْ ذَا اَرَاهُ وَلَا يَـــرانـــى

(اے وہ کہ وہ مجھے دیکھتا ہے جبکہ میں اسے نہیں دیکھتا - بارہا یوں بھی ہوتا ہے کہ میں اسے دیکھتا ہوں جب کہ وہ مجھے نہیں دیکھتا۔)

ابن عربیؒ کے کسی ساتھی نے یہ شعر سن کر کہا کہ تم یہ کیوں کر کہہ سکتے ہو کہ وہ تمہیں نہیں دیکھتا؟

اس پر انہوں نے برجستہ کہا۔

يَـــامَــنْ يُــرانِــى مُـجْـرِمًـا   وَلَا اَرَاهُ آخِـــــــــــذا

كَـــمْ ذَااَرَاهُ مُـنْـعِـمًـا   وَلَا يَـــرانـــى لائِـــذا

ترجمان الاشواق کی شاعری فنی اعتبار سے متقدمین کی پختہ گوئی اور الفاظ کے زور دار در و بست کے ساتھ ساتھ متاخرین کی مناسبات لفظی اور صنائع و بدائع کا ایک اچھا امتزاج پیش کرتی ہے۔

چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ کیجئے:

غَـازَلْـتُ مِنْ غَزَلِىْ مِنْهُنَّ وَاحِدَةً   حَسْنَاءَ لَيْسَ لَهَا اُخْت" مِنَ البَشَرِ

اِنْ اَسْفَرَتْ عَنْ مُحَيَّاهَا اَرَتْكَ سَنًا   مِثْـلَ الْـغَـزَالِةِاِشْـرَاقًـا بِـلَا غَبَـرِ

لِـلشَّـمْـسِ غُرَّتُهَـا، لِلَّيْلِ طُرَّتُهَا   شَمْس" وَلَيْل" مَعًا مِنْ اَعْجَبِ الصُّوَرِ

فَـنَـحْـنُ بِـالْلَّيْلِ فِىْ ضَوءِ النَّهَارِ بِهَا   وَنَـحْـنُ فِى الظُّهْرِ فِىْ لَيْلٍ مِنَ الشَّعَرِ

(۳۶)

(میں نے اپنے کلام عاشقانہ سے گفتگوئے محبت چھیڑی۔ ان میں سے ایک حسینہ کے ساتھ جس کی مثال بنی نوع انسان میں موجود نہیں اگر وہ اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دے تو تجھے سورج کی سی تابانی دکھائی دے جو ایک بے غبار ماحول میں چمک رہا ہو۔ سورج کے پاس اس کی درخشاں پیشانی ہے اور رات کے پاس اس کی زلفیں۔ نہایت عجیب صورت ہے کہ سورج اور رات یکجا ہیں۔ سو اس کے سبب سے ہم رات کے وقت روز روشن میں ہوتے ہیں اور دوپہر کے وقت زلفوں کی رات ہم پر محیط ہوتی ہے۔)

ان اشعار کی عارفانہ شرح میں شیخ نے واحدۃ یعنی ایک کا اشارہ توحید کی طرف بتایا ہے نیز مختلف حسیناؤں میں سے ایک سے مراد مختلف معارف میں سے ایک خاص بلند مقام یعنی معرفت ذات لی ہے جو مقام مشاہد سے متعلق ہے جس کی مثال آیت لیس کمثلہ شئی (اس جیسی کوئی شے نہیں) کے مصداق کہیں نہیں ملتی۔ دوسرے شعر میں چہرہ تاباں کی بے نقابی کا اشارہ حدیث "ترون ربکم کالشمس بالظهيرة ليس دونها سحاب" (تم اپنے رب کو یوں دیکھو گے جس طرح دوپہر کا سورج جس کے آگے بادل حائل نہ ہو) کی طرف بتایا ہے۔

ترجمان الاشواق کے ایک اور قصیدے کے یہ چند اشعار مشہور ہیں:

لَقَدْ صَارَ قَلْبِی قَابلاً کُلَّ صُورۃٍ ۔۔۔ فَمَرْعیً لِغِزْلَانٍ وَدَیْر" لِرُھْبَانِ

وَبَیْت" لِاَوْثَانٍ وَکَعْبَۃُ طَائِفٍ ۔۔۔ وَاَلْوَاحُ تَوْرَاۃٍ ومُصْحَفُ قُرآنٍ

اَدِیْنُ بِدِیْنِ الْحُبِّ اَنّٰی تَوَجَّھتْ ۔۔۔ رَکَائِبُهُ فَالْحُبُّ دِیْنِی وَاِیْمَانِی

(۳۷)

(میرا دل ہر صورت کو قبول کرنے کا اہل ہو گیا ہے، وہ ہرنوں کی چراگاہ بھی ہے اور راہبوں کی خانقاہ بھی اور بُت کدہ بھی اور طواف کرنے والے کے لیے کعبہ بھی اور تورات کی الواح بھی اور مصحف قرآن بھی۔ میں دینِ محبت کی پیروی کرتا ہوں جس طرف بھی اس کا قافلہ روانہ ہو کہ محبت ہی میرا دین وایمان ہے۔)

دیوان ابن عربی کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ۶۲۹ھ میں مرتب ہوا۔ ہسپانوی فاضل آنجل جنثالث پالنثیا (ANGEL GENZALEZ PALENCIA) نے اسے ترجمان الاشواق کے مقابلے میں فنی طور پر کمزور تصور کیا ہے۔ ☆(۳۸) یہ دیوان خاصا ضخیم ہے جس کا نسخہ محمد بن اسماعیل شہاب الدین کے تصحیح متن کے ساتھ ۱۸۵۵ء میں بولاق مصر سے شائع ہوا لیکن یہ کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ کس مخطوطے پر اس کی بنیاد ہے۔ اشعار کو کسی بھی ترتیب پر مرتب نہیں کیا گیا نہ کوئی فہرست فراہم کی گئی ہے لہذا مطلوب اشعار کی تلاش از حد دشوار ہے۔ دیوان پر بیشتر غلبہ دینی، اخلاقی اور متصوفانہ شاعری کا نظر آتا ہے۔ جس کا عمومی مزاج ترجمان الاشواق کی شاعری کی طرح رمزی وعلامتی نہیں۔ دیوان میں کافی تعداد میں موشحات بھی موجود ہیں۔ (۳۹)

شیخ کی دیگر متعدد تصانیف میں اُن کے ذاتی اشعار ملتے ہیں، مثال کے طور پر فتوحات میں ہزاروں نعتیہ اشعار موجود ہیں۔نمونے کے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں:

وَیَکُوْنُ ھٰذا السیِّد العِلْم الذِیْ   جَدْدَتَّہُ مِنْ دَوْرَۃِ الخُلْفَاءِ

(اور یہ وہ سردار نامدار ہے جس کو تُو نے اپنے خلفا کے تمام سلسلہ میں ممتاز فرمایا ہے)

وَجَعلتہ' الاصلالکریم وآدم   مابین طینۃ خلقِہ وللّاءِ

(اور تو نے اس کو اس حالت میں کائنات کا مبدشریف بنادیا تھا۔ جبکہ حضرت آدمؑ ابھی پانی اور گارے میں تھے)

وَلَقَلْتہ' حَتّٰی اسْتَدَارَ زَمَانُہ'   وَعَطَفْتَ آخِرَہ' عَلَی الْاَبْدَاءِ

(اور تو نے اس کو یکے بعد دیگرے آباؤاجداد کرام کی پشتوں میں سے نقل کر کے ایک ایسے رتبہ پر فائز کیا۔ جس سے وہ مدارِ زمان بن گیا اور اس کے آخر واوّل کو ملا کر تو نے یکساں کر دیا)

وَاَقَمتَہ' عَبْداً ذَلِیْلاً خَاضِعاً   دَھْراً نیا جیکم بِغَارِ حَرَّاء

(اس کو تُو نے ایک مدت تک غارِ حرا میں بندہ متواضع بنائے رکھا۔ جو تیری بارگاہ میں خضوع کیساتھ مناجات میں مشغول رہتا تھا)

الا بابی من کان ملکا و سیدا   و آدم بین الماء والطین واقف"

فذالک الرسول الابطحی محمد   لہ فی العلی مجد تلیدوطارف"

اتی بزمان السعد فی آخر المدی   وکانت لہ' فی کل عصر موالف"

(آگاہ رہو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر میرا باپ قربان ہو وہ اس وقت بھی بادشاہ اور سردار تھے جب آدم علیہ السلام آب و گل کے درمیان تھے۔ وہ ذاتِ ستودہ صفات بطحا کے رہنے والے ہیں اور آپ کے شرف و مجد اور بزرگی و بڑائی کا چرچا آسمان کی بلندیوں پر ہے۔ آپ آخری مدت میں سعادت کے زمانہ میں تشریف لائے اور ہر زمانہ میں آپ کی آمد کا انتظار کرتے رہے)

اندلس کی ابتری نے شیخ اکبر پر جو اثر کیا وہ خود انہی کی زبانی سنیئے سلطانِ رومؒ سلطان عزالدین کیکاوس کو لکھتے ہیں:

کتبت کتابی و الدموع تسیل | و مالی الی ما ارتفیه سبیل
اریداری دین النبی محمداً | یقام و دین المبطلین یذول
فلم ارالا الذور یعلو و اهله | یفرون والدین القویم ذلیل
فیا عذ دین الله سمعناً الناصح | شفیقاً فنصاح الملوک قلیل
وحازر تبائیدالاله بطانة تشیر | بامر ما علیه دلیل
اذ انت اعززت الهدی وتبعة | فانت لهذا الدین عذکما تدعیٰ
وان انت لم تحفل به واهنۃ | فانت تذل الدین تحفضه وضعا
فلا تاخذا لا لقاب زوراً فانکم | لُسئَلُ عنها یوم یجمعکم جمعا
وان قال دین کتن بملکۃ | ذلیلا واهلی فی میادینۃ صرعا

(میں اپنا خط لکھ رہا ہوں اور آنسو بہہ رہے ہیں اور میرے بس میں نہیں کہ ان کو راضی کروں- چاہتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو دیکھوں کہ وہ بلند کیا جائے اور جھوٹوں کا دین مٹ جائے- مگر بناوٹی سخن سازیوں کے اور اس کے کاروبار کرنے والوں کے سوا کسی کو معزز ہوتے ہوئے نہیں پا رہا ہوں- اے اللہ کے دین کی عزت! ایک بہی خواہ کی نصیحت سن جو تجھ پر مہربان ہے- یاد رکھ کہ بادشاہ کو نصیحت کرنے والے کم ہیں- اور بچو اللہ کی مدد سے ایسوں کو رازدار بنانے سے جو اشارے ایسی باتوں کی طرف کرتا ہو جس کی دلیل نہ ہو- ہدایت کو تم سے عزت نصیب ہو اور اس کی خود تم بھی پیروی کرو تو بے شک تم دین کی عزت ہو جیسا کہ پکارے جاتے ہو- اور اگر تم نے دین کو نہیں سمیٹا اور اسے ذلیل کیا تو پھر دین کے تم خوار کرنے والے اور اسے تم نے پست کر دیا- پس جھوٹ موٹ کے القاب نہ اختیار کرو کیونکہ جس دن تم لوگ (قیامت میں) جمع کیے جاؤ گے اس کے متعلق پوچھا جائے گا- اللہ سے دین نے اگر کہا کہ میں اس شخص کی حکومت میں ذلیل تھا اور دین دار لوگ اس ملک میں پچھڑے پڑے تھے تو قیامت کے دن تمہارا کیا جواب ہوگا-) (فتوحاتِ مکیہ، جلد چہارم، ص ۶۹۲)

فتوحاتِ مکیّہ:

شیخِ اکبر کی تمام تصنیفات میں فتوحاتِ مکیہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے جو اُن کے ذہنی، فکری، روحانی اور زمینی و آسمانی سفر کے احوال پر مشتمل ایک عظیم مابعد الطبیعاتی، کشوفی اور ملکوتی تصنیف ہے۔ دُنیا کی اس عظیم اور معرکہ آراء کتاب کو انہوں نے ۵۹۸ھ اور ۶۳۶ھ کے درمیانی سالوں میں مرتب کیا۔ کئی ہزار صفحات پر مشتمل چودہ سے زائد ضخیم جلدوں میں یہ کتاب مصر میں طبع ہو چکی ہے۔ یہ اشاعت اس مخطوطے پر مبنی ہے جو قونیہ میں موجود تھا اور شیخ اکبر کی زندگی کے آخری چند سالوں میں اضافوں اور ترامیم کے ساتھ تیار کیا گیا اور خود ان کے سامنے سماعات میں پڑھا گیا۔ نسخے پر شیخ کے تصدیقی دستخط بھی ثبت ہیں۔ اس کتاب کو انہوں نے اپنے ولی صفت دوست شیخ عبدالعزیز ابومحمد بن ابی بکر قرشی نزیل تیونس کے نام معنون کیا۔ شیخ عبدالعزیز سرزمین مغرب میں پیشوایانِ تصوّف میں سے تھے اور شیخ ابومدین کی صحبت اٹھائے ہوئے تھے۔ شیخ، فتوحاتِ مکیہ کے رقم کرنے کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"میں نے اس کتاب کا نام "فتوحاتِ مکیہ فی معرفت اسرار المالکیہ والملکیہ" اس لیے رکھا کہ اس کتاب میں، میں نے اکثر وہ باتیں بیان کی ہیں جو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مجھے بیت مکرم کے طواف اور حرم شریف میں مراقبہ کے دوران عطا فرمائیں۔ میں نے اس کے ابواب مقرر کیے اور اس میں لطیف معانی بھر دیے"

(فتوحاتِ مکیہ، جلد اوّل، مترجم: صائم چشتی، ص: ۸۵)

اسلامی ثقافت پر اس کے وسیع معانی ومفہوم کے اعتبار سے ایک مبسوط اور جامع تالیف ہے۔ اس کتاب کے ذریعے انہوں نے اسلامی تہذیب وثقافت کی تمام کڑیوں کو ملا کر تصوّف اور فلسفہِ تصوّف کا وہ عظیم الشان نظریہ استوار کیا جو ان سے پہلے اور ان کے بعد اس قدر جامعیت، اتنی دیدہ ریزی، اس درجہ وسعتِ نظر اور فکر کی ایسی گیرائی اور گہرائی کے ساتھ کبھی معرضِ وجود میں نہیں آیا۔ ڈاکٹر سید حسین نصر، فتوحات کو شیخ کی سب سے اہم، برتر اور دائرہ المعارفی کتاب قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ابن عربی کی سب سے بڑی اور دائرہ المعارفی حیثیت رکھنے والی کتاب "فتوحات" ہے جس کے پانچ سو ساٹھ ابواب ہیں اور وہ اصول مابعد الطبیعات پر بھی، مختلف متبرک علم (SACRED SCIENCES) پر بھی اور خود ابن عربی کے اپنے روحانی

تجربات پر بھی روشنی ڈالتے ہیں- یہ کتاب اسلام کے علومِ باطنی کا صحیح خلاصہ ہے جو اپنی گہرائی اور گیرائی کے اعتبار سے پہلے اور بعد کی ہر ممنوع کتاب سے برتر ہے"(۴۰)

فتوحات میں جہاں شیخ کی علمی و وجدانی جلالت اور روحانی رفعت اپنے پورے عروج پر ہے وہاں قاری کی ژولیدگی و بے چارگی ان کے اسلوبِ بیان کے آگے سر جھکائے کھڑی ہے۔قدم قدم پہ ابہام کی اتھاہ گہرائیاں ہیں بقول پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی:

"یہ مشاہدات کی دنیا ہے' یہ واردات کا ہنگام ہے اس لیے قاری تفہیم مطالب میں حرفی حوالوں سے تسکین نہیں پاتا' یہ تحریر کا الجھاؤ نہیں لفظوں کی بے بسی ہے اور قاری کو ژولیدگی کے لیے پہلے سے تیار ہونا چاہیے مگر بعض کوتاہ بین اپنی کوتاہیوں کو شیخ کی تحریر کے سُقم کی شکل میں دیکھنے کے عادی ہیں اور چاہتے ہیں کہ مادہ گزیدگی کے باوجود مشاہداتِ ازلیہ ان کے حیطۂ نظر میں سا جائیں' یہی وہ بُعد ہے جو بعض قاری شیخ کے کلام میں محسوس کرتے ہیں۔" (فتوحات مکیہ، مترجم صائم چشتی، ص:۲۹،۳۰)

اردو میں فتوحات کے دو تراجم شائع ہوئے، پہلا ترجمہ مولوی محمد فضل خان (۱۸٦۷ء-۱۹۳۸ء) نے ۱۹۱۳ء میں شائع کرنا شروع کیا تھا جو رسالہ کی صورت میں چھپتا تھا جس کی ضخامت سو صفحات ہوتی تھی- ترجمہ کا آخری حصہ ۱۹۲۷ء میں چھپا- اس ترجمہ کے پچاس سال بعد دسمبر ۱۹۸٦ء میں پنجابی زبان کے معروف شاعر اور نقد' تاریخ و سیر اور تصوّف کے وقیع نثر نگار صائم چشتی مرحوم کا تیں ابواب پر مشتمل فتوحاتِ مکیہ کا اردو ترجمہ سامنے آیا جسے تین جلدوں میں علی برادران فیصل آباد نے عربی متن کے ساتھ شائع کیا۔

فتوحات کو چھ فصلوں میں منقسم کیا گیا ہے تاکہ موضوعات کی ترتیب میں منطقی اور استدلالی پیش رفت قائم رہے-

فصلِ اوّل علم تصوّف کے بنیادی مباحث یعنی معارف کو محیط ہے- اس میں روح کی ماہیت کے بیان سے ہبوطِ روح کی منازل اور اجساد کی تخلیق و تشکیل کے بارے میں نہایت قابل قدر اور فکر انگیز معلومات مہیا کی گئی ہیں- یہ فصل در حقیقت کائنات و رب' کائنات کے بارے میں ان اسرار و غوائض کے بیان کے لیے وقف ہے جن سے مخلوق و خالق کے رابطوں کا ادراک اور ان کی عظمت کا احساس اُبھرتا ہے-

فصل ثانی اعمالِ باطنہ اور انسانی قلب ونظر پر ان کے اثرات کی اہمیت کے بیان کے لیے مخصوص ہے- خصائص حسنہ اور شمائل ذات کے ہر پہلو کو اس میں شامل کیا گیا ہے- اسی طرح یہ فصل جوہر انسانیت کے لیے دستور العمل بن گئی ہے-

فصلِ ثالث میں احوال کا بیان ہے- اس میں ذات کے احوال اور اُن پر مرتب ہونے والے اثرات کا تذکرہ ہے-

چوتھی فصل میں منازلِ حقیقت پر بحث ہے- یہ دراصل حقائقِ ذات کے مختلف مظاہر ہیں جن میں حقیقۃ الحقائق جاری وساری ہے-

پانچویں فصل میں منازلات کی وضاحت ہے یہ احوال ذات کے مقامات ہیں جہاں اوصاف صورتِ ظاہرہ میں مُتشکل ہوتے-

آخری فصل میں مقامات کا تذکرہ ہے سالک راہِ حقیقت کے مقامات' اس کی صلاحیت کے حوالے سے متعین ہوئے ہیں اور آخر میں وہ اس بلند ترین مقام کو محسوس کرنے لگتا ہے جو مقام محمدی ﷺ ہے- جو مطلوب ومقصودِ کائنات ہے-

پہلی جلد میں علم حق' علم احوال' علم اسرار' اہل اختصاص کے اعتقاد اور معرفتِ روح وغیرہ سے بحث کی گئی ہے- دوسری جلد میں اولیاء کے مراتب' اہل مجالس کے مقام' ان کے اقوال اور پوشیدہ گفتگو نیز رسولوں کے اپنے رب سے فیضیاب ہونے اور انبیاء کے مقابل میں ان کے مدارج اور اولیاء کے مقابل میں انبیاء کے مراتب کی تصریح کی ہے- نبوت اور اس کے اسرار واحکام کی تفصیل کے بعد سکر' توبہ' مجاہدہ' خلوت' تقویٰ' خوف ورجا کے مقامات' شہوت' ارادے کے فرق' دنیا اور جنت کی خواہشات' شہوت اور لذت میں امتیاز' خشوع' قناعت' توکل' یقین کے مقامات نیز ذکر وفکر کے مقامات اور انکے اسرار کو واضح کیا گیا ہے اس کے بعد خدائے تعالیٰ کے ظاہری و باطنی اسماء اور عام اسماء کی تشریح کی ہے ساتھ ساتھ متواتر دلائل سے حضور قلب اور مقام محمدی سے حوض کوثر کے مرتبے اور اس کے اسرار' نیز مقام موسوی سے زیارت موسیٰ کے مرتبے اور اس کے اسرار سے بحث کی ہے-

تیسری جلد میں مقام موسوی اور محمدی کی توضیح کی ہے اور اس امام کے مرتبے کی صراحت کی ہے جو قطب کے بائیں جانب ہوتے ہیں- اس کے بعد مہدی منتظر اور ان کے وزراء کے نزول کی

معرفت کے متعلق بحث کی ہے۔اسی جلد میں عرش' ہوا' ملک' برزخ نیز امت بہیمی کی شناخت بتلائی ہے۔

چوتھی جلد میں مُردوں کے حالات کے ذکر کے علاوہ صومت الٰہیہ اور فلسفہ شرعیہ جس میں اسباب نتائج' باطنی اسرار اور کائنات' خلافت' شریعت' وحی' الہام' ولائت اور قطبیت کے متعلق اعلیٰ رموز بیان کیے گئے ہیں۔

عالمِ اسلام میں روحانی مکاشفات اور سیرِ افلاک کے موضوع پر اگر کوئی بھرپور اور سنگِ میل کی حیثیت رکھنے والی تصنیف ملتی ہے تو وہ فتوحاتِ مکیہ ہے جس کے ایک طویل باب میں انہوں نے اپنے معراجِ آسمانی کا حال تفصیل سے بیان کیا ہے۔انہوں نے اپنے روحانی سفر کے مشاہدات، واردات اور انکشافات کو رموز و کنایات اور اشارات میں مبہم اور غیر مربوط انداز میں پیش کیا ہے۔ان کی عظیم شخصیت اور افکار کی گہرائی نے مشرق و مغرب کو اس شدت سے متاثر کیا کہ اس کے اثرات ان کے رگ و پے میں سرایت کر گئے۔فتوحاتِ مکیہ تخیل، آرٹ یا فن پہ مشتمل کوئی ادبی تصنیف نہیں ہے بلکہ یہ ایک صاحب حال صُوفی کے واردات، مکاشفات اور روحانی مشاہدات کا آئینہ ہے۔فتوحات میں بہشت، دوزخ اور سیارگان کی سیاحت کی تفصیل مختلف جگہوں پہ مکاشفات کے اسلوب میں ملتی ہے، اس سیاحتِ علوی میں وہ دو افراد کو اپنا رہنما اور رفیق بنا کر، جن میں سے ایک فلسفی ہے اور دوسرا عالمِ دین، ان کی زبان سے دُنیا جہان کے علوم وفنون اور مسائل و مباحث کے متعلق اس انداز میں اظہارِ خیال کیا ہے گویا یہ سب وہ الہامات وانکشافات ہیں جو اُن کے قلب پر معراج کی حالت میں وارد ہوئے۔ان کے مطابق جُملہ انبیاء اور اہل اللہ کو معراج ہوتا ہے لیکن ہر ایک کے مدارج و کیف الگ الگ ہوتے ہیں۔

ابنِ عربیؒ کا معراج بنیادی طور پر سات آسمانوں (افلاک) کی سیر پر مشتمل ہے یعنی فلکِ قمر، فلکِ عطارد، فلکِ زہرہ، فلکِ شمس، فلکِ مریخ اور فلکِ زحل۔اس آسمانی سفر پر دو کردار روانہ ہوتے ہیں ---فلسفی براق پر سوار ہے اور عارف رفرف پر۔جنت کے دروازوں پر دونوں بہ یک وقت پہنچتے ہیں لیکن دونوں کا استقبال مختلف انداز سے ہوتا ہے۔عارف کو انبیا علیہم السلام کی طرف سے پذیرائی ملتی ہے اور فلسفی کو "عقولِ عشرہ" (Intelligence) کی جانب سے۔فلسفی یا حکیم، عارف کے اچھے حال کو دیکھ کر دل گرفتہ ہوتا ہے۔تاہم عقولِ عشرہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسے طبیعات اور ہیئت الافلاک کے بارے میں علمی معلومات فراہم کرتے ہیں تاہم وہ دیکھتا ہے کہ انبیا علیہم السلام عارف کو یہی مسائل

ایک بلند تر نقطۂ نظر سے سمجھاتے ہیں۔ یہ بات واضح طور پر محسوس ہوتی ہے کہ عارف خود ابنِ عربیؒ کی علاماتی صورت ہے۔فلکِ قمر پر عارف کی ملاقات حضرت آدمؑ سے ہوتی ہے۔حضرت آدمؑ، عارف کو اسمائے حسنٰی کے تخلیقی اثرات کے بارے میں بتاتے ہیں۔فلکِ عطارد پر حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰ سے عارف کی ملاقات ہوتی ہے۔ یہاں موضوعِ گفتگو معجزات اور کلمات کی تاثیرات ہیں۔حضرت عیسیٰؑ جو روح اللہ ہیں، عارف کو اپنے معجزات کی حقیقت اور معنویت سے آگاہ کرتے ہیں۔ بیماروں کو تندرست کرنا اور مردوں کو زندہ کرنا، جیسے معجزات زیرِ بحث آتے ہیں۔فلکِ زہرہ پر عارف کی ملاقات حضرت یوسفؑ سے ہوتی ہے جو حسنِ ترتیب، حسنِ تناسب اور کائنات کی ہم آہنگی پر گفتگو فرماتے ہیں اور شاعری اور ''تاویل الاحادیث'' (تعبیرِ خواب) کی معنویت پر روشنی ڈالتے ہیں۔فلکِ شمس پر حضرت یونسؑ رات اور دن کی تبدیلیوں اور ان کی رمزیت کی تشریح کرتے ہیں۔فلکِ مریخ پر حضرت ہارونؑ اقوام کی قوت اور ان کے اقتدار کی رمزیت کو بیان کرتے ہیں اور عارف کی توجہ شریعتِ خداوندی کی طرف مبذول کرتے ہیں جو غضب کے مقابلے میں رحم اور رحمت پر مبنی ہے۔فلکِ مشتری پر عارف کی ملاقات حضرت موسیٰ سے ہوتی ہے جن کی زبانِ فیض ترجمان سے ابنِ عربی کے نظریۂ وحدت الوجود کا بیان ہوتا ہے۔رسی کے سانپ بن جانے والے معجزے کے حوالے سے حضرت موسیٰؑ ثابت کرتے ہیں کہ تمام ہیئتوں کی قلبِ ماہیت ہوسکتی ہے۔آخر میں فلکِ زحل پر حضرت ابراہیمؑ اخروی زندگی کے مسائل بیان کرتے ہیں۔اس کے بعد روحانی سفر کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔۔۔عارف کو مزید عروج حاصل ہوتا ہے۔۔۔اس سفر کے تمام مراحل تصوف اور الٰہیات کی صوری تشکیلات سے عبارت ہیں۔انتہائی مراحل میں عارف سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتا ہے۔سدرہ (بیری کا درخت) کے نیچے چار دریا بہہ رہے ہوتے ہیں یعنی تورات، زبور، انجیل اور قرآنِ کریم۔اس کے بعد عارف ثوابت (Fixed Stars) کی دنیا میں پہنچتا ہے جس میں ہزاروں فرشتے جاگزیں ہیں۔ان پاک سرشت فرشتوں کے ہزاروں مساکن ہیں۔عارف ان تمام مساکن تک پہنچتا اور ان کو دیکھ کر خُداوندِ قدوس کے انعامات کا اندازہ لگاتا ہے۔آخری مرحلۂ سفر میں فردوسِ بریں کا مشاہدہ ہوتا ہے اور عارف بلند ترین مقامات کی تجلی سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔(۴۱)

فُصُوصُ الحِکَم:

فص کے معنی نگینے اور خلاصے کے ہیں۔فصوص الحکم گویا حکمت کے نگینے ہیں۔شیخ الاکبر اپنے

ہر مقالے کو فص سے تعبیر کرتے ہیں- انہوں نے فصوص الحکم کے ہر باب کو کسی منتخب نبی کے نام پر رکھا کہ نبی کے دل کو ایک ایک حکمت اور مسئلے' تجلی اور انکشاف سے نسبتِ خاص ہوتی ہے- فصوص کی وجہ تالیف کے متعلق انہوں نے کتاب کے آغاز میں یہ صراحت کی ہے:

"٦٢٧ھ کے ماہِ محرم کے آخری عشرہ میں میں نے ایک خواب دیکھا- ان دنوں میرا قیام شام کے پایہ تخت دمشق میں تھا- خواب میں مجھے حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت نصیب ہوئی- میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کے دست مبارک میں ایک کتاب ہے اور حضور ﷺ مجھ سے فرمارہے ہیں: "خذہ واخرج به الی الناس ینتفعون به." (یہ کتاب لو اور اسے لوگوں تک پہنچاؤ تا کہ وہ اس سے استفادہ کریں) اس پر میں نے سر اطاعت خم کیا اور حضور ﷺ نے خواب میں جن مطالب و معانی کا القاء میری جانب فرمایا تھا انہیں پورے اخلاص نیت کے ساتھ کسی بھی کمی بیشی کے بغیر ضبطِ تحریر میں لا کر اُمت کے سامنے پیش کر دیا اور اس پورے عرصہ تالیف کتاب میں ہمیشہ میں دست بدعا رہا کہ توفیق ایزدی میرے شاملِ حال رہے اور شیطانی وساوس واوہام وخیالات سے میری حفاظت ہو اور حق تعالیٰ اپنے نفحاتِ خاطر سے مجھے نوازتا رہے تا کہ میں جو کچھ لکھوں وہ حضو ﷺ کے ارشادات وخیالات کی ترجمانی ہو' میری اپنی کوئی بات اس میں شامل نہ ہو' (٤٢)

اردو کے معروف نقاد محمد حسن عسکری کے بقول:

"فصوص الحکم جیسی کتاب صرف اس وقت لکھی جا سکتی ہے جب آدمی عالم نفس اور اس کے جھگڑوں سے بہت اوپر اٹھ چکا ہو' (٤٣)

فصوص الحکم 'الٰہیات اور فلسفۂ تصوّف پر ایک گرانقدر اور بے مثل تصنیف ہے- یہ کتاب شیخ اکبر کے مشہور عالم نظریہ **وحدت الوجود** پر حرفِ آخر کی حیثیت رکھتی ہے اور ان کے تمام خیالات وافکار کا جوہر اور نچوڑ ہے- ستار طاہر کہتے ہیں کہ انہوں نے تصوّف کی مبادیات کو جس جامعیت سے بیان کیا ہے اور مسائل تصوّف کو حل کر کے اس کی افادیت کو ثابت کیا ہے وہ بات شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کی کسی تصنیف میں بھی اس درجہ کمال تک پہنچی ہوئی نہیں ملتی- (٤٤)

مسلمانوں کی روحانی تاریخ میں اس کتاب کی اثر پذیری نا قابلِ انکار ہے- ایک مدت تک

دنیائے اسلام اور خاص طور پر سرزمینِ ایران میں عرفان نظری کی اہم درسی کتابوں میں شمار ہوتی رہی ہے اور مدتوں بڑے بڑے اہل علم استاد اور مدرس نہایت ذوق وشوق سے دانشگاہوں' دارالعلوموں میں اعلیٰ سطح پر اس کی تعلیم وتدریس میں مشغول رہے ہیں- ذی علم اور شارحین پورے اعتقاد اور یقین کے ساتھ نہایت دقت نظر سے اور جی لگا کر اس کی شرحیں کرتے رہے ہیں- نتیجۃً فصوص کی بہت سی شروح عربی' فارسی' ترکی اور دوسری اسلامی زبانوں میں منصۂ شہود پر آ گئیں جن کی تعداد محققین کی گنتی کے مطابق سو کو پہنچتی ہے- جن میں صدر الدین قونوی' موید الدین جندی' عبدالرزاق کاشانی' داؤد قیصری' عبدالرحمٰن جامی' عبدالغنی نابلسی' رکن الدین شیرازی اور آخر میں ابو العلیٰ عفیفی کی شرحیں معتبر ترین ہیں۔☆ (۴۵) دیگر معروف شارحین میں کمال الدین انصاری، سید علی بن شہاب ہمدانی، شیخ بایزید خلیفہ رومی، سید شرف الدین دہلوی، شیخ شمس الدین دہلوی، شیخ بالی آفندی، سید محمد بن یوسف حسینی، شیخ علاؤالدین علی مہائمی، سید اشرف کچھوچھوی، شیخ عبدالنبی شطاری گجراتی، شیخ محمد بن صالح، سید نعمت اللہ شاہ ولی، شیخ صابر الدین برکت، شیخ عبدالکریم سلطانپوری، مولانا یحییٰ بن علی، شیخ غلام مصطفیٰ تھانیسری، مولانا امداد حسین کانپوری، شیخ نورالدین گجراتی، شیخ عبدالنبی نقشبندی، شیخ علی اصغر صدیقی، سید مبارک علی، شیخ جمال الدین گجراتی، شیخ محمد افضل الہ آبادی، شیخ محمد حسن امروہوی، شیخ طاہر بن یحییٰ، مولانا اشرف علی تھانوی، شیخ محب اللہ الہ آبادی اور متعدد دیگر علماء ومشائخ۔(۴۶)

فصوص کا عربی متن کئی بار شائع ہو چکا ہے- **ابو العلیٰ عفیفی** ایڈیشن کی تنقیدی اہمیت زیادہ ہے جو قاہرہ سے ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا- مرتب نے متن کی توضیح کے لیے اس کتاب کی بعض معروف شرحوں کے مفید حصے بھی کتاب میں جمع کر دیے ہیں- برِصغیر میں شائع ہونے والے عربی اور فارسی تراجم اور شرحوں کی تفصیل کچھ یوں ہے:

عربی شرحیں:

(۱) **التاویل المحکم فی شرح فصوص الحکم** شارح: حکیم سید محمد احسن بن کرامت علی امروہی سنبھلی' مطبوعہ لکھنؤ ۱۳۳۲ھ، صفحات ۵۴۸۔ (۲) **مطلع خصوص الکلم فی معانی فصوص الحکم** شارح: شیخ داؤد ابن محمود بن محمد الرومی الساوی القیصری (التوفی ۷۵۱ھ)، مطبوعہ بمبئی ۱۳۰۰ھ، ۳۱۸ صفحات-

فارسی تراجم وشرحیں:

(۱) التاویل المحکم فی متشابہ فصوص الحکم شارح: محمد حسین جلالی ترکمانی امروہوی، مطبع نولکشور لکھنو،۱۳۳۲ھ/۱۹۱۴ء- (۲) شرح فصوص الحکم شارح: شیخ محب اللہ الہ آبادی، ناشر ادارہ انیس اردو، الہ آباد- (۳) نقد النصوص فی شرح الفصوص: شارح: نورالدین ملا عبدالرحمٰن جامی، طبع بمبئی، ۱۳۰۶ھ۔

فصوص کا فرانسیسی زبان میں شستہ ترجمہ مفید وضاحتوں کے ساتھ T-BURCKHARDT نے "LA SAGESSE DES PROPHET" کے نام سے پیرس سے ۱۹۵۵ء میں شائع کیا- خواجہ خاں نے ۱۹۲۹ء میں اس کا ایک آزاد انگریزی ترجمہ "THE WISDOM OF THE PROPHET" کے نام سے مدراس سے شائع کیا۔(۴۷)

اردو میں فصوص الحکم کے متعدد ترجمے ہوئے ہیں- ایک تو فرنگی محل کے مولانا برکت اللہ نے کیا تھا اور تمہید بھی خاصی طویل لکھی تھی مگر ان کی اردو اتنی زیادہ عربیت زدہ ہے کہ مطلب سمجھنا مشکل ہے- اس لئے اس ترجمے کا عدم اور وجود برابر ہے- یہی ترجمہ مدراس سے بھی کسی نے اپنے نام سے شائع کر دیا تھا- ممکن ہے کہیں کہیں رد و بدل بھی کیا ہو- دوسرا ترجمہ مولوی عبدالغفور الاویسی نے کیا جو ۱۸۸۹ء میں حیدر آباد سے شائع ہوا- تیسرا ترجمہ حیدر آباد کے مولوی مبارک علی کا لکھنو سے شائع ہوا تھا جس کا عربی متن بھی ہے اور بین السطور اردو ترجمہ بھی ہے، ساتھ ہی ڈھائی سو صفحے کا دیباچہ ہے جو بہت ہی کارآمد ہے- چوتھا ترجمہ جو جامعہ عثمانیہ نے شائع کیا ہے مولانا عبدالقدیر صدیقی نے کیا یہ سعی ترجمہ نہیں بلکہ جہاں عبارت مخدوش تھی وہاں اصل مفہوم لکھ دیا ہے اور جگہ جگہ تشریحی نوٹ بھی دیے ہیں- کتاب کو صحیح طور سے سمجھنے کے لیے یہ ترجمہ بہت کام دیتا ہے- علاوہ ازیں محمد حسین کلیم دہلوی' مولانا یاور حسین' عطا محمد اور مولانا عبدالعلی کے ترجمے بھی مشہور ہیں جن کی تفصیل کچھ یوں ہے:

(۱) اسرار القدم من فصوص الحکم . مترجم وشارح: عطا محمد، ناشر میاں محمد یار وٹو قادری، لائلپور (فیصل آباد)،۱۳۸۷ھ، صفحات: ۶۴۰۔ (۲) الحل الاقوم بعقد فصوص الحکم از مولانا اشرف علی تھانوی، ناشر اشرف المطابع بھون، ۱۳۳۸ھ، صفحات ۹۶۔ (۳) خصوص الکلم فی حل فصوص الحکم از مولانا اشرف علی تھانوی، ناشر اشرف المطابع تھانہ بھون، ۱۳۳۸ھ/۱۹۲۰ء صفحات

۹۶-(۴)شرح فصوص الحکم ازمولانا عبدالعلی بحرالعلوم،مطبوعہ حیدرآباددکن،(۵)ترجمہ فصوص الحکم مترجم مولوی عبدالغفورالاویسی ابن اولادعلی،محبوب شاہی پریس حیدرآباددکن، ۱۳۰۶ھ/۱۸۸۹ء۔(۶)ترجمہ و شرح فصوص الحکم ازمولانا عبدالقدیرصدیقی،جامعہ عثمانیہ حیدر آباددکن،۱۳۶۱ھ/۱۹۴۲ء۔(۷)ترجمہ و شرح فصوص الحکم ازمولانا محمد حسین کلیم دہلوی۔(۸)(ترجمہ و شرح)مولانا یاورحسین ابن نواب عاشق حسین۔(۹)(ترجمہ و شرح)برکت اللہ ضیاء،صدیق بک ڈپو لکھنو(۱۰)کنوز الاسرار القدم شرح فصوص الحکم۔ مترجم:محمد مبارک علی شاہ،مطبع احمدی کانپور،۱۳۰۸ھ۔(۱۱)افادات ابن عربی شیخ محب اللہ الہ آبادی کی شرح کا اردو ترجمہ۔مترجمین شاہ غلام مصطفیٰ مہرونڈوی۔شاہ محمد باقر الہ آبادی،مطبوعہ لاہور۱۹۸۷ء۔(۱۲)رسالہ بُت پرستی(فصوص الحکم سے ماخوذ)مترجم شمس الدین فاضلی،مطبوعہ لاہور۔☆(۴۸)اسی(۸۰)کی دہائی میں ذہین شاہ تاجی نے ترجمہ وشرح لکھی جو تنبیہات و تشریحات کے نام سے مکتبہ تاج کراچی سے ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی۔

فصوص الحکم دراصل شیخ الاکبر کے پختہ شعور،بصیرت اوراجتہادی کمالات کی ترجمانی کرتی ہے۔اس میں حکمت کے موتی یا حکمت کے نگینے،ابن عربی نے کچھ اس انداز سے ترتیب دیے ہیں کہ ان سے ''من ویزداں'' کے سارے رازہائے سربستہ سے نقاب الٹ جاتا ہے کہ وہ ایک دریائے ناپیدا کنار کا ایک ایسا قطرہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں اور عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا ہوجانا کی منزل اسے بہت آسان نظر آنے لگتی ہے۔اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں حضور ختمی مرتبت علیہ التحیاۃ والثناء کی محبت،اس کی ایک ایک سطر سے جھلکتی ہے۔ابن عربی نے ایک موقع پر اپنا دین ومذہب محبت ہی کو قرار دیا تھا:

ادین بدینِ الحب اِنّی توجھت رکائبہ' فالدین دینی وایمانی

(میرا مذہب تو صرف مذہب محبت ہے۔محبت کا رخ خواہ کسی جانب ہو یہی میرا دین وایمان ہے)

فصوص الحکم میں ابن عربی کا اسلوبِ نگارش،اندازِ استدلال اور طرزِ تعبیر بھی عجیب انفرادیت کا حامل ہے۔اس معرکۃ آراء اور نمائندہ کتاب کے کل ستائیس ابواب ہیں اور ہر باب کسی نہ کسی پیغمبر کی جانب منسوب ہے۔انہوں نے ہر پیغمبر کو ''انسانِ کامل'' کے روپ میں پیش کیا ہے جو معرفتِ حق کے تمام اسرار و

رموز سے آگاہ ہے اوران تمام صفاتِ کمال کا مظہرِ اتم ہے جو صفات عین ذاتِ حق ہیں- ہر باب کا آغاز قرآن مقدس کی کسی آیت کریمہ سے ہوتا ہے اس کے بعد وہ اسے حدیث نبوی سے مزین کرتے ہیں پھر وہ قرآن وسنت کے اس مفہوم کو پہلے جگہ دیتے ہیں جو اہل علم کے حلقوں میں عموماً متداول ہے اس کے بعد وہ ہر پیغمبر کے تذکرہ سے اپنے مطلب کی وہ توجیہات پیش کرتے ہیں جو ان کے موقف کی تائید کرتی ہیں-اس طرح پوری کتاب کو انہوں نے ''خدا اور انسانِ کامل'' کے باہمی ربط وتعلق کی ایسی دستاویز بنا دیا ہے کہ اس سے پہلے اور اس کے بعد انسان کی عظمت پر اتنا علمی مواد کہیں یکجا نہیں ملے گا-(۴۹)

فصوص کے ابواب کا اجمال حسب ذیل ہے:

پہلا باب **حکمت الٰہیہ** کا ہے اور اس کا تعلق آدمؑ اور نوع بنی آدم سے ہے-اس باب میں کلمہ آدمؑ کی وضاحت کرتے ہوئے ابن عربی نے انسان کی خلافت ونیابت الٰہی پر ایسی مدلل بحث کی ہے کہ عظمت بشری کے ادراک کے ساتھ ساتھ اس کائنات میں انسان کی ضرورت واہمیت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے- اس فص سے شیخ کا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے آپ پر غور کریں اور حق تعالٰی کی طرف راہ نکالیں-اس باب کا آغاز وہ ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> ''جب حق تعالٰی نے اپنے ان اسماء حسنٰی کے ساتھ جن کا شمار ممکن نہیں، یہ چاہا کہ وہ ان اسماء و صفات کا اعیان ومظاہر کو بچشم خود دیکھے اسے آپ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جب اس نے اپنے عین وجود کو دیکھنا چاہا اور کسی ایسی خلقت کے روپ میں جو اپنے اندر جامعیت رکھتی ہو اور پورے امر کا احاطہ کرسکتی ہو-تو اس نے آدم کو پیدا کیا'' (فصوص الحکم، مترجم: عبدالقدیر صدیقی، ص ۸)

دوسرا باب حضرت شیثؑ سے متعلق ہے اور اس کا موضوع **کشف الٰہی** ہے-ابن عربی نے کتاب کے اس باب میں جہاں خاتم الانبیا ﷺ کی اہمیت پر کھل کر بات کی ہے وہاں ''خاتم الاولیاء'' کی ایک نئی اصطلاح کو بھی جنم دیا ہے-ابن عربی کا موقف اس باب میں یہ ہے کہ ''آدمؑ سے لے کر آخری پیغمبر تک ہر پیغمبر کو حضور خاتم الانبیا ﷺ کے مشکوٰۃ نبوت سے کسب ضیاء اور اکتسابِ فیض کرنا پڑے گا- خواہ پیدائش کے اعتبار سے خاتم الانبیا کا وجود متاخر ہی کیوں نہ ہو'' (فصوص الحکم، مترجم: عبدالقدیر صدیقی، ص ۲۲، ۲۶)

تیسرا باب حضرت نوحؑ سے متعلق ہے اور اس کا نام ہے **حکمت سبوحیہ** -اس باب میں ابن عربی نے اپنی روائتی شہرت کے ساتھ چونکا دینے والی بات کہی ہے، لکھتے ہیں:

''ذاتِ الٰہی کی تنزیہ اہل حقیقت کے نزدیک ''تحدید وتقید'' ہی کی صورت ہے اور اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو شخص ذاتِ خداوندی کی تنزیہ کر رہا ہے وہ یا تو جاہلِ محض ہے یا بڑا بے ادب ہے''

چوتھا باب حضرت ادریسؑ کے متعلق ہے اور اس کا عنوان ہے **حکمت قدوسیہ**- چونکہ حضرت ادریسؑ کی عام شہرت علمِ نجوم وافلاک و ہیئت کے زبردست عالم کی حیثیت سے ہے اس لیے اس باب میں قرآن مقدس کی اس آیت کریمہ کو موضوع زیر بحث بنا کر جو حضرت ادریسؑ کی شان میں ہے کہ (ترجمہ: ہم نے ادریسؑ کو ایک بلند و برتر مقام پر سرفراز کیا) نجوم وفلکیات کی مصطلحات پر بحث کی ہے جس سے ابن عربی کی ان علوم میں مہارت و دسترس کا اندازہ ہوتا ہے- لکھتے ہیں:

''یہ مقام رفیع و بلند جس پر حضرت ادریسؑ متمکن ہیں سورج کا فلک ہے- یہ وہ فلک ہے جو تمام نظام افلاک کا مدار و محور ہے'' اس فلک شمس کے اوپر بھی سات فلک ہیں اور نیچے بھی سات- یہ فلک شمس پندرھواں فلک ہے- فلک شمس سے اوپر جو ہفت افلاک ہیں وہ یہ ہیں: (۱)- فلک زہرہ- (۲)- فلک کاتب- (۳)- فلک قمر- (۴)- کرہ اثیر (ایتھر)- (۵)- کرہ ہوا- (۶)- کرہ آب- (۷)- کرہ خاک-''

انہوں نے اس باب میں ایک اور دلچسپ بحث بھی چھیڑی ہے' وہ کہتے ہیں:

''مدارج کمال و ارتقاء کی دو صورتیں ہیں ایک ہے رفعت مکان ایک علو مکانت- مکان کی بلندی کے اعتبار سے تو حضرت ادریسؑ قطب الافلاک ہیں لیکن جہاں تک علو مکانت یعنی مرتبہ و مقام کی بلندی کا تعلق ہے تو یہ خاصہ ہے محمد عربی ﷺ کے پیروکاروں کا''

پھر وہ کہتے ہیں:

''عمل سے ارتفاع مکان نصیب ہوتا ہے جبکہ علم سے علو مرتبت حاصل ہوتا ہے- امتِ محمدیہ کو علم و عمل دونوں کے اعتبار سے فوقیت حاصل ہے اس لیے دونوں مرتبے اس کے قدموں کے نیچے ہیں''

پانچواں باب حضرت ابراہیمؑ سے متعلق ہے اس کا عنوان ہے **حکمتِ مہیمنیہ**- اس باب کا آغاز ان الفاظ سے ہوتا ہے:

''حضرت ابراہیم خلیل اللہ کو خلیل اس لیے کہا گیا کہ وہ ان تمام صفات کمال کو اپنے اندر سمو

چکے تھے جوذاتِ الٰہی کی خاص صفات ہیں"

چھٹا باب حضرت اسحاقؑ سے متعلق ہے اس کا عنوان ہے حکمت حقیہ- یہ باب خواب کے موضوع پر دلچسپ بحث کا حامل ہے-

ساتواں باب حضرت اسماعیلؑ سے متعلق ہے- اس کا عنوان ہے حکمت علیّہ - اس میں حضرت اسماعیلؑ کے "صادق الوعد" ہونے کا مفہوم بیان کیا گیا ہے اوران کے مقام کی عظمت کواجاگر کیا گیا ہے "وعدووعید" کے فرق پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے-

آٹھواں باب حضرت یعقوبؑ سے متعلق ہے اس باب کا نام حکمت روحیہ ہے- اس باب میں "دین ومذہب" کے مہمات امور پر بحث کی گئی ہے-

نواں باب حضرت یوسفؑ سے متعلق ہے اس باب کا نام ہے حکمت نوریہ - نینداور خواب اور خوابوں کی تعبیر اور خوابوں کی حقیقت پر ایک دلچسپ مضمون جو اپنی افادیت کے اعتبار سے موجود سائنسی تعبیرات سے کہیں زیادہ قیمتی ہے-

دسواں باب حضرت ہودؑ سے متعلق ہے اوراس کا نام حکمت احدیہ رکھا گیا ہے- اس باب میں تجلی (رب) اورعین ثابتہ (مربوب) کے تعلق کوظاہر کیا گیا ہے- لکھتے ہیں:

"تحقیق حق تعالیٰ کی ذات ہر چھوٹے اور بڑے میں بذاتہ موجود ہے اور چونکہ عبد سوائے ان اعضاء اور قویٰ کے نہیں ہے لہٰذا عبد خلق متوہم میں مشہود ہے- یعنی عبد ظاہر باہر حق ہے اور اس کو خلق دیکھنا یا خلق کہنا ایک وہم ہے پس مومنین اور اہل کشف ووجدان کے نزدیک خلق معقول اور حق محسوس ومشہود ہے-"

گیارہواں باب حضرت صالحؑ سے متعلق ہے اوراس کا عنوان ہے حکمت فتوحیہ- اس باب میں یہ فلسفہ ہے کہ آئینے کی جیسی استعداد ہوگی ویسا ہی اس سے انعکاس ہوگا- وہی شئے زیادہ اچھی ہوگی جو اسمائے الٰہیہ کو زیادہ منعکس کرے گی لہذا خیر تو وجود الٰہی سے ہوتا ہے اور شر عدم انعکاس اسمائے الٰہی اور ناقص استعداد سے-

بارہواں باب حضرت شعیبؑ سے متعلق ہے اوراس باب کا عنوان ہے حکمت قلبیہ- یہ باب "پیغمبر دل ہے' قبلہ دل' خدا دل" کی بہت ہی معنی خیز تشریح پر مشتمل ہے-

تیرہواں باب حضرت لوطؑ کے بارے میں ہے اور اس کا نام **حکمت ملکیہ** ہے جو قوت اور ضعف کے موضوع پر دلچسپ بحث پر مشتمل ہے۔

چودہواں باب حضرت عُزیرؑ کے بارے میں ہے جس کا نام **حکمتِ قدریہ** ہے۔ اس میں تقدیر اور اس کے علم کے بارے میں مختصر مگر جامع بحث ہے۔ شیخ کہتے ہیں کہ قضا اور علم، ارادہ اور مشیت، یہ سب قدر کے تابع ہیں۔

پندرہواں باب حضرت عیسیٰ سے متعلق ہے اور اس کا عنوان **حکمت نبویہ** ہے یہ حقیقت روح اور حقیقت نبوت پر ایک جامع مضمون ہے۔

سولہواں باب حضرت سلیمانؑ سے متعلق ہے اور اس کا عنوان **حکمت رحمانیہ** ہے۔ رحمتِ الٰہی کی مختلف اقسام کا ذکر ہے۔

سترہواں باب حضرت داؤدؑ سے متعلق ہے اور اس کا نام **حکمت وجودیہ** ہے۔ نبوت و رسالت اور اس کے دائرہ کار سے بحث ہے۔

اٹھارہواں باب حضرت یونسؑ کے بارے میں ہے اور اس کا عنوان ہے **حکمت نفسیہ**۔ روح، نفس اور جسم اور ان کا اللہ سے تعلق اس باب کا موضوع ہے۔

انیسواں باب حضرت ایوبؑ کے بارے میں ہے اور اس کا عنوان ہے **حکمت غیبیہ**۔ جو علم سِرّ اور غیب کے علاوہ صبر کے بارے میں ہے۔

بیسواں باب حضرت یحیٰؑ کے بارے میں ہے اور اس کا عنوان ہے **حکمت جلالیہ** جو خدا کی قہاری و جبروت اور جلال کے بارے میں ہے۔

اکیسواں باب حضرت زکریاؑ کے بارے میں ہے اور اس کا نام رکھا گیا ہے **حکمت مالکیہ**۔ جو رحمت و محبت الٰہی کے بارے میں ہے۔

بائیسواں باب حضرت الیاسؑ کے متعلق ہے اور اس کا عنوان **حکمت ایناسیہ** ہے۔ شیخ کے خیال میں حضرت ادریسؑ ہی دراصل حضرت الیاسؑ ہیں۔ اس باب میں تمثیل و تشبیہ اور تنزیہہ کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔

تیئسواں باب حضرت لقمانؑ سے متعلق ہے اور اس کا عنوان ہے **حکمت احسانیہ**۔

موجودات کی تمثال سے وجودِ حقیقی کے اثبات اور حکمت کے بارے میں ہے۔

چوبیسواں باب حضرت ہارونؑ کے بارے میں ہے اور اس کا عنوان ہے **حکمت امامیہ**۔ رحمت، محبت اور خبرت کے بارے میں ہے۔

پچیسواں باب حضرت موسیٰؑ کے بارے میں ہے اور اس کا عنوان ہے **حکمت علویہ**۔ حکمت عُلیاء کے بارے میں ہے۔

چھبیسواں باب **حکمت صمدیہ** کے عنوان سے ہے اور اس کا تعلق خالد بن سنان سے ہے جنہیں لسانِ نبوت و وحی میں پیغمبر قرار دیا گیا ہے۔ یہ ابن عربی کی اپنی تحقیق ہے۔ وہ خالد بن سنان کی نبوت کو "نبوۃ برزخیہ" سے تعبیر کرتے ہیں۔ خالد بن سنان کا زمانہ حضور نبی اکرم ﷺ سے یا تو بہت قریب کا ہے یا حضرت عیسیٰؑ اور حضور کے مابین کسی مدت میں ان کا ظہور ہوا۔ بعض کی رائے میں ان کا عہد حضرت عیسیٰؑ سے قبل کا ہے۔ تاریخ وسیر کی کتابوں میں مذکور ہے کہ خالد بن سنان بن غیث العبسی کی اولاد میں سے ایک لڑکی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"مرحباً یا بنت نبی اضاعه قومه"

(خوش آمدید اے نبی کی بیٹی! جسے اس کی قوم نے ضائع کر دیا)

ایک روایت میں ہے کہ جب وہ لڑکی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو اس نے سنا کہ حضور ﷺ "سورہ اخلاص" کی تلاوت فرما رہے ہیں تو اُس لڑکی نے حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بتایا کہ میرے والد بھی اس کی تلاوت کیا کرتے تھے۔

ستائیسواں باب حضور سرور کائنات ﷺ کی ذات وصفات سے متعلق ہے اور اس باب کا عنوان ہے **حکمت فردیہ**۔ اس باب کا آغاز ابن عربی ان الفاظ میں کرتے ہیں:

> "حضور ﷺ کی حکمت کو "حکمت فردیہ" سے یوں تعبیر کیا گیا کہ نسل انسانی میں اکمل موجودات حضور ﷺ ہی کی ذات ہے اور اس کمالِ ذات ہی کے سبب امر الٰہی کا آغاز بھی حضور ﷺ کی ذات سے ہوا اور اختتام بھی حضور ﷺ ہی کی ذاتِ اقدس پر ہوا"

اس کے بعد انہوں نے حضور ﷺ کی ذات وصفات پر جس جامع انداز میں سیر حاصل بحث کی ہے وہ حضور ﷺ کی ذات سے ابن عربی کی کمال عقیدت کی مظہر ہے۔

فصوص الحکم، ابن عربیؒ کی مبہم ترین کتاب ہے۔ اس کا اسلوب رمزیہ اور بیان انتہائی اصطلاحی قسم کا ہے۔ ایک اعتبار سے فصوص قرآن پاک کی تفسیر بھی ہے۔ انہوں نے تفسیر کے لیے جو آیات منتخب کی ہیں ان کی تاویل اس طرح کی ہے کہ ان سے وہی معنی نکل سکیں جو وہ بتانا چاہتے ہیں۔

نظریات:

شیخ الاکبر کے افکار و نظریات کی بھی عجب صورتِ حال ہے۔ انہیں علوم کا ''بحرِ ناپیدا کنار'' بھی کہا گیا اور ''اُمت کا شیطان'' بھی، وجہ یہ تھی کہ وہ مخفی حقائق جو صوفیا کے سینوں میں چھپے چلے آ رہے تھے اور جن کے اظہار کی کوئی توفیق نہ پا سکا، شیخ الاکبر نے انہیں بے دھڑک بیان کر دیا۔ یہ بڑا ہی عظیم اور پُر خطر کام تھا اسی لیے ان کے تصورات و افکار مبہم، دقیق اور عسیر الفہم ہیں۔ خود فرماتے ہیں:

> ''میں پیغمبر یا نبی نہیں ہوں تاہم میں نے جو کچھ تحریر کیا ہے وہ میرے قلب پر الہام کی طرح نازل ہوتا رہا ہے کیونکہ میں علم انبیاء کا وارث ہوں اور مجھے جو ورثہ ملا ہے وہ علوم ظاہری تک محدود نہیں تھا بلکہ علوم باطنی بھی عطا ہوئے ہیں جو انبیاء کے علم کا حصہ ہیں'' (۵۰)

شیخ الاکبر کی تمام تصانیف کا سرچشمہ اور موضوع ایک ہے اور وہ ہے **وحدت الوجود**۔ اس ایک موضوع پر انہوں نے سیکڑوں کتب تصنیف کیں۔ انہوں نے ''وحدت الوجود'' کے سب گوشوں اور امکانات کو اپنی بے مثال علمیت اور وجدانی و اجتہادی صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر پیش کیا یہ نظریہ انہوں نے فلسفہ الٰہیات کے تمام مکاتبِ فکر سے بھرپور استفادے کے بعد پیش کیا اور اس کی تائید و توثیق قرآن و حدیث کی نصوصِ قطعیہ سے کی جیسا کہ مولانا محمد حنیف ندوی لکھتے ہیں:

> ''صوفیہ کے حلقے میں یہ پہلا اور آخری شخص ہے جس نے ''وحدت الوجود'' پر ایک نصب العینی عقیدہ اور فلسفہ کی حیثیت سے مرتب گفتگو کی ہے اور اس سلسلہ میں ہر ہر فن سے استفادہ کیا ہے۔ ادب سے، زبان سے، قرآن سے، فقہ سے اور معقولات سے اس نے ایسے ایسے دلائل و شواہد تلاش کیے ہیں جنہیں دیکھ کر اس کی غیر معمولی نکتہ آفرینیوں کا اعتراف کرنا پڑتا ہے'' (۵۱)

وحدت الوجود:

خدا کے بارے میں معروضی اعتقادات و عبادات توحید اور موضوعی، باطنی یا وجدانی حسیات

وحدت الوجود کے زمرے میں آتی ہیں یوں توحید کا مفہوم خالص مذہبی اور وحدت الوجود کا مفہوم خالص مابعدالطبیعاتی ہے۔

دنیا کے تمام مذاہب کی مابعدالطبیعاتی فکر میں وحدت الوجود کا مسئلہ کسی نہ کسی شکل میں موجود رہا ہے۔بعض یونانی فلاسفہ اس کے قائل تھے۔اسکندریہ کا نوفلاطونی فرقہ اس کا معتقد تھا۔یہود ونصاریٰ کے مذہبی ادب میں بھی یہ خیال موجود رہا۔ہندو ویدانت کی پوری عمارت اسی تخیل پر قائم ہے۔اسلامی تصوف میں ابن عربیؒ وہ پہلے صوفی ہیں جنہوں نے اس عقیدے کو بھرپور طریقے سے پیش کیا۔

مغرب کی فلسفیانہ اصطلاح میں وحدت الوجود کو ''پین تھی ازم'' (Pantheism) کہا جاتا ہے جو دو یونانی الفاظ ''Pan'' بمعنی تمام اور ''Theos'' بمعنی خُدا سے مل کر بنا ہے جس کا مطلب ہے کہ سب کچھ خُدا ہے۔اسلامی اصطلاح میں ''پین تھی ازم'' کا اگر کوئی صحیح ترجمہ ہوسکتا ہے تو وہ حلول یا سریان ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کائنات میں مل گیا ہے اور اس کا کوئی مستقل وجود باقی نہیں رہا۔یہ عقیدہ سراسر غیر اسلامی ہے جب کہ وحدت الوجود جس کا انگریزی میں اگر کوئی مترادف لفظ ہوسکتا ہے تو وہ Unity of Existence یا Monism ہے جس کا مطلب ہے کہ کائنات کا وجود غیر حقیقی، وہمی یا ظلی ہے اور حقیقی و اصلی وجود صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور کائنات اسی ذاتِ حقیقی کا جلوہ ہے۔

وحدت الوجود کی خاص خاص اصطلاحوں کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو سادے اور عام الفاظ میں اس کی تشریح اس طرح کی جاسکتی ہے کہ بندہ اپنے آپ کو فنا کر کے خدا کے عشق میں اس طرح گم کر دیتا ہے کہ اس کے بعد وہ جو کچھ سنتا ہے تو خدا سے جو کچھ دیکھتا ہے تو خدا کو، کچھ لیتا ہے تو خدا سے اور کچھ کہتا ہے تو خدا سے،اس کو ہر چیز میں خدا ہی نظر آتا ہے۔(۵۲)

اس نظریہ کا ملخص یہ ہے کہ ہستی یا ہستی کی آخری اور انتہائی حقیقت ایک ہے۔اصل ہستی یا ذات،واجب الوجود صرف ایک ہے۔وجود کا اطلاق صرف اُسی ایک ہستی پر ہوسکتا ہے باقی جو کچھ ہے وہ ہست نما نیست ہے۔وجودِ واحد کے علاوہ وجودِ کائنات ومافیہا کا کوئی اعتبار نہیں اس کو دوسرے الفاظ میں ہمہ اوست کہتے ہیں۔اس لحاظ سے کائنات ومافیہا یعنی جو کچھ چشمِ ظاہری سے نظر آتا ہے سب کا سب اُسی وجودِ واحد کا جلوہ ہے اس سے الگ کوئی شئے نہیں۔کائنات میں صرف ایک ہستی حقیقی معنوں میں موجود ہے اور یہ کائنات اسی ہستی کی ذات وصفات کی مظہر ہے اور کائنات کا وجود مستقل بالذات اور حقیقی نہیں

بلکہ عطائے خداوندی ہے۔ بالفاظِ دیگر کائنات اپنے اور اپنی بقا کے لئے ہر آن خُدا کی محتاج ہے۔

وحدت الوجود اس توحیدی عقیدے کا پھل ہے جو اسلام سے زیادہ کہیں نہیں۔تصوف کی ابتدا سے لے کر اس عہد تک یہ عقیدہ تصوف کی جان رہا ہے اور اپنی دعوے کے ثبوت میں صوفیہ نے قرآن کی کئی آیات پیش کی ہیں مثلاً:

☆''هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ'' (سورہ حدید آیت ۳)

(وہی اول و آخر اور وہی ظاہر و باطن ہے)

☆''فَاَیْنَمَا تُوَلُّوا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ'' (سورہ ''بقرہ'' آیت ۱۱۵)

(تم اپنا منہ جدھر پھیر دو وہیں ہے ذات اللہ کی)

☆''وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ'' (سورہ ''ق'' آیت ۱۶)

(اور ہم اس کے رگِ جاں سے زیادہ قریب ہیں)

اس طرح کی تمام تصریحات جن میں تمام موجودات کا بالآخر اللہ کی طرف لوٹنا بیان کیا گیا ہے توحید وجودی کے قائل ان تمام آیات سے مسئلہ وحدت الوجود پر استدلال کرتے ہیں۔(۵۳)

حاصلِ کلام یہ ہے کہ حقیقتِ وجود و موجود حق تعالیٰ سے عبارت ہے جو وجود صرف' وجودِ خالص اور وجودِ واجب ہے' خیرِ محض ہے اور تمام قیود و شرائط سے ماورا ہے۔ جملہ آثار کا مبدا و منشاء ہے پس عالم ہستی میں صحیح معنوں میں بس ایک ہی حقیقت' ایک ہی وجود اور ایک ہی موجود ہے اور وہ حق تعالیٰ ہے اور رہی خلق تو اس کا وجود اس کی تجلیات اور ظہور کا نام ہے گویا ظاہر ایک اور مظاہر کثیر۔(۵۴)

شیخِ اکبر کا نظریہ وحدت الوجود:

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ شیخ اکبر کی کتب و آثار کی اساس اور دار و مدار اور خیالات وحدت الوجود کے گرد گھومتے ہیں وحدت الوجود گویا ان کے دین اور روح و فکر کا محور تھا۔ ان کے عرفان اور نظامِ فکر کے تمام مباحث کا حاصل یہی وحدت الوجود ہے۔ انہوں نے اس نظریہ کو ایسی شرح و بسط سے بیان کیا ہے کہ انہیں قائد و پیشوائے وحدت الوجود مانا گیا۔ شیخ نے حق و خلق' ظاہر و مظاہر اور کثرت و وحدت کا فرق فتوحات میں یوں بیان کیا ہے:

''بندہ اور رب ہر ایک اپنی ذات کے لیے کمالِ وجود میں ساتھ ہیں پس باوجود اس زیادتی اور

کی کے عبد ہمیشہ عبد اور رب ہمیشہ رب ہے'' (مترجم: صائم چشتی، جلد سوم، ص۱۱۴)

اب ہم وحدت الوجود کے بارے میں ان کے چند اہم خیالات پیش کرتے ہیں:

☆ وجودِ حقیقت واحد ہے اور اس کے برعکس جو بھی ہمیں حواس کے ذریعے محسوس ہوتا ہے مثلاً موجوداتِ خارجی اور جو عقل سے معلوم ہوتا ہے مثلاً خدا اور عالم' حق اور خلق کی دوئی اور حقیقت' وجود کا تکثر و تعدد یا دوئی نہیں بلکہ حق اور خلق ایک ہی حقیقتِ فریدہ اور عین واحد کے دو پہلو ہیں- اگر اس پر جہتِ وحدت سے نظر کیجیے تو اُسے حق پائے گا اور حق کہیے گا اور اگر جہتِ کثرت سے دیکھیے تو خلق دیکھیے گا اور خلق کہیے گا- (فصوص الحکم، شرح ادریسی، ص۷۹ تا ۸۸)

☆ ظہور پانے والی ہر شے حق تعالیٰ کے وجود کی تجلی سے ظاہر ہوئی ہے لہٰذا تمام اشیاء اُسی سے ہیں اور اُسی میں ہیں یعنی اس کے علم میں ہیں جو اس کی ذات کا عین ہے- اللہ تعالیٰ اپنی ذات میں جمیع' نامتناہی' مخلوقات کا جامع اور ان سب پر محیط ہے- مخلوقات اس کی ذات سمندر کی سطح پر اُٹھنے والی لہروں کی طرح ہیں- (فصوص الحکم، شرح اسحاقی، ص۸۸)

☆ وجود حقیقتِ واحد ہے' اس کی کوئی مثل ہے نہ ضد پس عارف اس کونِ امکانی کو جو مفارقت اور کثرت کا مبدا ہے' معدوم دیکھتا ہے اور کوئی چیز نہیں پاتا مگر ذاتِ حق کہ عینِ وحدت ہے- بنابریں یہاں غیریت تو موجود ہی نہیں' نہ کوئی واصل ہے نہ موصول' کوئی مبائن ہے نہ مفارق کیونکہ ہر شئے حق تعالیٰ کی وحدت حقیقی کے عین میں فنا ہوگئی ہے سو دل کی آنکھوں سے دیکھنے والا عارف عینِ حق کے سوا کچھ نہیں دیکھتا- (فصوص الحکم، شرح اسماعیلی، ص۹۳)

☆ ممکنات اپنے عدم اصلی سے جُوے ہوئے ہیں اور وجود حقیقی سے بے بہرہ ہیں کیونکہ حق تعالیٰ کے وجود کے سوا اور کوئی وجود نہیں ہے اور وہی ہے جو اعیان کے اقتضا اور ممکنات کی ذات کے مطابق ظہور کرتا ہے اور تعین پذیر ہوتا ہے چنانچہ تمام ممکنات اور مخلوقات اس کی ذات کے تعینات' مظاہر اور شئون ہیں اُسی کا وجود حقیقی اور واحد ہے- (فصوص الحکم، شرح کاشانی، ص۱۰۶)

☆ معرفت حق کے متلاشی اور عرفان کے سچے طالب صاف صاف دیکھتے ہیں کہ عالم میں واقع کثرت اُس واحدِ حقیقی میں موجود ہے جو وجود مطلق ہے اور بصورتِ کثرت ظاہر ہوا ہے

جیسے کہ قطروں کا وجود دریا میں، پھل کا وجود درخت میں اور درخت کا وجود بیج میں۔ اسی طرح وہ یہ بھی جان لیتے ہیں کہ اسماوصفات الٰہیہ مثلاً قادر، عالم، خالق، رازق وغیرہ کا مدلول واحد ہے باوجودیکہ ان کے حقائق مختلف اور متعدد ہیں اور یہ سب اُسی واحد حقیقی کی ذات کی طرف راجع ہیں، پس کثرتِ اسماء اور ان کے معانی کا اختلاف ذات واحد حقیقی میں درست اور قابلِ فہم ہے جب اُس ذات کی تجلی صور اسماء پر پڑتی ہے تو وہ کثرت اسی ذاتِ واحد اور عینِ واحد میں مشہود ہو جاتی ہے۔ (فصوص الحکم، شرح قیصری، ص۱۶۴)

☆ حق تعالیٰ مخلوقات میں سے ہر ایک کے اندر کسی نہ کسی رنگ میں ظہور کرتا ہے اور ہر مفہوم اور مدرک میں اس کا ظہور ہے اور اس کی تجلی، لیکن چونکہ اُس کی تمام تجلیات اور ظہورات اس کے مظاہر میں قابلِ فہم نہیں ہوتے لہٰذا وہ لوگوں کی عقل سے مخفی اور پنہاں ہے سوائے اس شخص کی فہم کے جو یہ جانتا ہو کہ عالم ھوّیتِ حق کا مظہر اور اس کی صورت ہے۔ یہ لوگ تمام مظاہر میں مشاہدہ حق کرتے ہیں۔ (فصوص الحکم، شرح نوحی، ص ۶۸)

☆ وجود اور احدیت میں تو سوائے حق تعالیٰ کے کوئی موجود رہا ہی نہیں پس یہاں نہ کوئی ملا ہوا ہے نہ کوئی جُدا ہی ہے۔ یہاں تو ایک ہی ذات ہے جو عین وجود ہے۔ یہاں یکی ہے دوئی کو یہاں گنجائش نہیں ہے۔ (فصوص الحکم، مترجم: عبدالقدیر صدیقی، ص۱۳۰)

☆ پس عالم وجود میں خدا کے سوا اور کچھ نہیں اور خدا کو خدا کے سوا کوئی شناخت نہیں کر سکتا اور اس حقیقت کو وہی دیکھ سکتا ہے جس نے بایزید کی طرح ''انا اللہ'' اور ''سبحانی'' کہا ہو۔

(فتوحاتِ مکیہ، جلد اول، ص۲۲ ۷)

☆ محققین کے نزدیک یہ چیز ثابت ہے کہ صفحہ ہستی پر خداوند تعالیٰ کے سوا کوئی چیز موجود نہیں اور اگرچہ ہم بھی موجود ہیں تاہم ہمارا وجود اس کی وجہ سے ہے اور جو وجود غیر کی وجہ سے ہو وہ عدم کے حکم میں ہوتا ہے۔ (فتوحات، جلد اول، ص۳۶۳)

☆ اور اس کا وجود عین اس کی ذات ہے اور اس کی ذات کے اثبات کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں جبکہ اس کے علاوہ کسی چیز کے لیے دلیل کی ضرورت ہوتی ہے پس وہ (چیز) موجود ہے اور اس کا وجود ذات کے علاوہ کچھ نہیں۔ ممکن واجب بالذات کا محتاج ہے اور

واجب کے لیے ممکن کے علاوہ استغنائے ذاتی ہے اس کا نام اللہ ہے اور اس کا تعلق اس کی ذات سے ہے اور تمام محقق حقائق سے ہے خواہ ان کا وجود ہو یا عدم۔

(فتوحاتِ مکیہ، مترجم. صائم چشتی، جلد اوّل، ص ۱۵۷)

☆ پس صرف اور صرف حق تعالیٰ کا وجودِ خالص باقی ہے جو عدم میں نہیں آیا اور جو وجود عدم سے آیا بنفسہٖ عین الوجود ہے اور یہ وجودِ عالم ہے۔ حق یہ ہے کہ وجودِ حق تعالیٰ اور وجودِ عالمؑ دونوں وجودوں کے درمیان نہ تو علیحدگی ہے اور نہ ہی امتداد مگر یہ توہم مقدر ہے جو علم کے لیے محال ہے اور اس سے کوئی چیز باقی نہیں مگر یہ کہ وجود مطلق ومقید اور وجود فاعل و وجود منفعل۔ حقائق یہی کچھ عطا کرتے ہیں۔ (۵۵)

اور اب آخر میں ہم وہ عبارت و اشعار نقل کرتے ہیں جو تصریحاً وحدت الوجود کے بارے میں ہے اور جس پر سب سے زیادہ جرح و نقد اور بحث و مباحثہ ہوتا رہا ہے:

☆ "سبحان الذی خلق الاشیاء وھو عینھا"

(بزرگ و برتر ہے وہ ذات جس نے سب اشیاء کو پیدا کیا اور جو خود ان کا جوہرِ اصلی (اَعْیَانُهَا) ہے) (فتوحاتِ مکیہ، جلد دوم، ص: ۵۵۴)

یا خالق الاشیاء فی نفسہ انت لما تخلقہ جامع

تخلق مالا ینتھی کونہ فیک فانت الضیق الواسع

"اے کہ تُو نے تمام اشیاء کو اپنی ذات میں خلق کیا۔ تُو جمع کرتا ہے ہر اُس چیز کو جسے تُو پیدا کرتا ہے تُو وہ چیز پیدا کرتا ہے جس کا وجود تیری ذات میں (مل کر) کبھی فنا نہیں ہوتا اور اس طرح تُو ہی تنگ ہے اور تُو ہی وسیع بھی ہے۔" (فتوحاتِ مکیہ، جلد دوم، ص ۴۵۹)

اول الذکر عبارت کی وضاحت پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ یوں کرتے ہیں:

"لوگوں کو حضرت شیخ ابن عربی کی اس عبارت پر وہم ہوا ہے کہ اس سے خالق و مخلوق کا اتحاد لازم آتا ہے مگر حاشا وکلا شیخ کی مراد ہرگز یہ نہیں کیونکہ لفظ عین کے دو معانی ہوتے ہیں، ایک یہ کہ کہا جائے کہ فلاں چیز اپنا عین ہے۔ مثلاً الانسان، انسان۔ دوسرے یہ کہ کسی چیز کا قیام اور تحقیق کسی اور چیز سے ہو کہ اگر وہ نہ ہوتی تو اس کا وجود نہ ہوتا یعنی "ما بہ الموجودیت" اور

یہاں شیخ نے یہی معنی لئے ہیں کہ اگر واجب الوجود کا تعلق مخلوقات سے قطع تصور کیا جائے تو مخلوق کا فی نفسہٖ کوئی وجود نہ ہوگا۔''(۵٦)

شیخِ اکبر کے تصورِ وحدت الوجود کے سلسلے میں پائے جانے والے مختلف شکوک و شبہات کی وضاحت کرتے ہوئے ڈاکٹر سید حسین نصر لکھتے ہیں:

''تصوف کا بنیادی عقیدہ خصوصاً جس طرح محی الدین ابن عربی اور انکے مکتب نے اس کی شرح و تعبیر کی ہے ''وحدت الوجود'' کا عقیدہ ہے۔ اس عقیدے کے باعث بعض جدید اہل قلم نے ان پر ہمہ الٰہیت (PANTHEISM) کا قائل ہونے کا الزام لگایا ہے بلکہ ہمہ الٰہیت کا قائل ہونے کے ساتھ ساتھ اُنہیں موحد وجودی بھی بتایا جاتا ہے' اور ابھی زیادہ مدت نہیں گزری کہ اُنہیں تصوف طبعی کا پیرو قرار دے دیا گیا ہے۔ یہ جُملہ الزامات باطل ہیں' اس لیے کہ لوگوں نے ابن عربی کے مابعد الطبیعاتی عقائد کو فلسفہ سمجھ لیا ہے اور اس حقیقت کو نظر انداز کر دیا ہے کہ طریقِ عرفان' فیض و برکتِ الٰہی سے جُدا نہیں۔ صوفیا پر قائل ہمہ الٰہیت ہونے کے الزامات دوگنے باطل ہیں اس لیے کہ اول تو ہمہ الٰہیت ایک نظامِ فلسفہ ہے حالانکہ ابن عربی اور اُس جیسے دوسرے لوگوں نے کبھی یہ دعوٰی نہیں کیا کہ وہ کسی بھی نظام کے مُقلد یا خالق ہیں اور دوسرے یہ کہ ہمہ الٰہیت کے عقیدے میں یہ معنی بھی ضمناً موجود ہے کہ خدائے تعالٰی اور کائنات کے مابین ایک جوہری ربط موجود ہے........ ابن عربی نے کہ جن پر ہمہ الٰہیت (ہمہ اوست) کا قائل ہونے کا بارہا الزام لگایا جاتا ہے خدا کی ماورائیت و احدیّت کے اثبات کی خاطر جس قدر کہ انسانی زبان اُسے اجازت دے سکتی تھی' زور صَرف کر دیا جیسا کہ وہ اپنے رسالہ رسالۃ الاحدیہ میں بیان کرتے ہیں:

''وہ ہے اس کے ساتھ نہ قبل ہے نہ بعد' نہ فوق ہے نہ تحت' نہ قریب ہے نہ بعید' نہ وحدت ہے نہ تقسیم' نہ کیسے ہیں نہ کہاں اور نہ کب' نہ زمان ہے نہ لحظہ ہے نہ عمر' نہ ہستی ہے نہ مکاں (جگہ)' وہ اب بھی ہے جو وہ تھا' وہ احدِ بے وحدت ہے' وہ فردِ بے فردیت ہے۔ وہ اسم اور مسمّٰی کا مرکب نہیں اس لیے کہ اس کا اسم بھی وہ (ھُو) ہے اور اس کا مسمّٰی بھی وہ (ھُو) ہے۔ پس جان لے کہ وہ کسی شئے میں نہیں اور نہ کوئی شئے اس میں ہے خواہ وہ داخل ہونا

ہو خواہ وہ آگے بڑھنا ہو یہ واجب ہے کہ تُو اُسے اسی انداز میں جانے نہ علم کے توسط سے' نہ عقل کے ذریعے نہ فہم کی معرفت نہ تخیل کے طفیل' نہ حواس کے باعث اور نہ ادراک کی مدد سے اسے کوئی خود اس کے سوا دیکھ نہیں سکتا' کوئی اس کا خود اس کے سوا ادراک نہیں کر سکتا' وہ اپنے آپ کو اپنے ذریعے دیکھتا ہے اور وہ آپ اپنے ہی ذریعے جانتا ہے- اس کا پردہ محض نتیجہ اور اثر ہے اس کی وحدت کا' کوئی خود اس کے سوا اس کا پردہ نہیں- کوئی اُسے اس کے سوا دیکھ نہیں سکتا نہ کوئی رسول مُرسل نہ کوئی ولی کامل اور نہ کوئی فرشتہ مقرب- وہ اپنا رسول آپ ہے اور اس کا ارسال کرنا بھی وہ خود ہے- اس کا کلمہ بھی وہ خود ہے- اس نے اپنے آپ کو اپنے ساتھ اور اپنی طرف ارسال کیا''

جو شخص خدا کی ورائیت کے اثبات میں ان انتہاؤں تک چلا جاتا ہے اُس کو ہمہ الہیت (ہمہ اوست) کے قائل ہونے کا الزام دینا مشکل ہی معلوم ہوتا ہے'' (۵۷)

خود شیخ الاکبر کی متعدد کتب میں وحدت الوجود کے متعلق مختلف اشتباہات کا جواب ملتا ہے **فصوص** میں لکھتے ہیں:

''اگر تم تنزیہہ محض کے قائل ہو گے تو تم حق تعالیٰ کو مقید کر دو گے- اگر تم تشبیہہ محض کے قائل ہو گے تو حق تعالیٰ کو محدود کر دو گے- اگر تم تنزیہہ و تشبیہہ دونوں کے قائل ہو گے تو راست رو ہو گے اور معارف میں امام اور سردار ہو گے- اگر تم دوئی کے قائل ہو اور حق و خلق کو بالکل جدا سمجھ گے تو تم شرک فی الوجود کرو گے- اگر عبد و رب کو وجود حقیقی اور منشا کے لحاظ سے عین یک دگر سمجھو گے اور یکی و یکتائی کے قائل ہو گے تو تم موحد ہو گے''- (فصوص الحکم، مترجم: عبدالقدیر صدیقی، ص ۵۶)

اور اب آخر میں **فتوحاتِ مکیہ** میں سے مندرجہ ذیل اشعار دیکھیے کہ شیخ الاکبر بندہ اور حق کے درمیان کس طرح امتیاز کر رہے ہیں' فرماتے ہیں:

الرب حق والعبد حق — یا لیت شعری من المکلف
ان قلت عبد فذاک میت — او قلت رب انی یکلف

(فتوحات مکیہ، مترجم صائم چشتی، جلد اول، ص ۴۳)

(رب حق ہے اور بندہ حق ہے کاش مجھے معلوم ہوتا کہ مکلف کون ہے- اگر تُو کہے عبد تو وہ

مرنے والا ہے اگر کہے رب تو وہ کیسے مکلّف ہو سکتا ہے)

دیگر افکار:

ابن عربیؒ یوں تو شیخ شہاب الدین عمر سہروردیؒ کے بقول ' هُوَ بَحْرُ الْحَقَائِق (وہ حقائق کا سمندر ہیں)۔ مذہب کے ظاہری اور باطنی علوم و اسرار کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جس پر شیخ الاکبر نے خامہ فرسائی نہ کی ہو۔ صرف فتوحاتِ مکیہ میں مستعمل اصطلاحات میں سے چند کو اکٹھا کیا گیا تو وہ بجائے خود ایک کتاب بن گئی، جہاں علم کا یہ عالم ہو وہاں ایسی شخصیت کے افکار و تصوّرات کو رقم کرتا اور پھر انہیں زیرِ بحث لاتا---اس کے لیے تو کئی دفاتر درکار ہیں۔ تصوّف کے حوالے سے محض چند مختصر مختصر افکار نمونہ مشتے از خروارے پیش ہیں:

حقیقت محمدیہ ﷺ:

وحدت الوجود کے بعد ان کا سب سے اہم نظریہ حقیقت محمدیہ ﷺ ہے۔ وہ ذاتِ احدیت کو ہی حقیقت محمدیہ ﷺ کہتے ہیں اور اسے ہی ''عقل اوّل'' اور نور محمدی ﷺ بھی کہتے ہیں۔ عقل اوّل تمام حقائق اشیا پر محیط ہے جبکہ ذاتِ محمدی رسول اللہ ﷺ کی ذات کو کہتے ہیں جو عبد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اسماء وصفات کے بے شمار مظاہر پیدا کئے ہیں اور ان میں سے سب سے بڑا مظہر خود انسان ہے جسے اس نے اپنی شکل پر پیدا کیا اور اس کامل مظہر کا مطلق، انسانِ کامل خود حضور ﷺ کی ذاتِ بابرکات ہے اور وہی اوّل و آخر بھی ہے۔ احدیت آپ ﷺ کی حقیقت اور بشریت آپ ﷺ کی ذات ہے۔ وہ حقیقت محمدیہ کو حقیقت الحقائق' روحِ محمد' عقل اوّل' العرش' روح الاعظم' قلم الاعلیٰ' انسانِ کامل' اصول العالم' آدم حقیقی' البرزخ' الہیولیٰ کہہ کر بھی پکارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالم کی تخلیق کا اصولِ اوّل بھی وہی ہیں۔ وہ حقیقت الحقائق یا حقیقت محمدیہ کو عقلِ کُل کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں جو کائنات کے تمام مظاہر و شئون کی تخلیق کا باعث ہوئی۔ وہ اسے تکوینِ کائنات کی علت اوّل بھی سمجھتے ہیں اور خدا کی تخلیقی قوت (الحق المخلوق به) بھی قرار دیتے ہیں، وہ اسے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں اور انسانِ کامل بھی۔ ☆(۵۸) فصوص الحکم میں لکھتے ہیں:

> ''آدم سے ہماری مراد وہ نفس واحد ہے جس سے یہ بنی نوع انسان پیدا ہوئی ہے جس کو بعض لوگ وحدت و حقیقت محمدیہ کہتے ہیں۔ انا من نور الله و كُلُّهم من نوری۔ سرّ ذات محمد

فردیت ہے کیونکہ آپ اس نوع انسانی کے کامل ترین فرد ہیں لہذا حقیقۃً نبوت آپ ہی سے شروع ہوئی اور آپ ہی پر ختم ہوئی۔ آپ نبی تھے جب آدم ہنوز آب و گل میں تھے اپنی نشست اور خلقت عنصری کے لحاظ سے خاتم النبیین ہیں اور اوّل افراد کا تین کا عدد ہے اس کے سوا جتنے افراد ہیں وہ اسی فردِ اوّل سے صادر ہیں لہذا رسول اللہ اپنے رب پر پہلی دلیل ہیں۔ حضرت کو اللہ تعالیٰ نے جوامع الکلم یعنی کلیات واصول عطا کیے'' (۵۹)

یونانی مفکر ہرقلیطس کے نظریہ لوگس (LOGOS) کو ابن عربی حقیقت الحقائق اور حقیقت محمدیہ کہتے ہیں۔ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ میں لکھا ہے:

ابن عربی وہ پہلے مسلمان مفکر ہیں جنھوں نے الکلمۃ یا کلام الٰہی (LOGOS) اور انسانِ کامل کے بارے میں ایک مکمل نظریہ پیش کیا فصوص الحکم اور التدبیرات الالٰھیۃ کا مرکزی موضوع یہی ہے' اگرچہ فتوحات اور انکی دیگر تصانیف میں بھی اس کے بعض پہلو معرض بحث میں آ گئے ہیں۔ مابعد الطبیعی نقطہءِ نظر سے کلام الٰہی کائنات میں ایک معقول اور زندہ اصل ہے یعنی وہ کسی حد تک رواقیوں کی عقلِ کل کا مماثل ہے جو تمام اشیاء میں جلوہ گر ہے اسے ابن عربی حقیقت الحقائق کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ متصوفانہ اور روحانی نقطۂ نظر سے وہ اسے حقیقت محمدیہ کا مترادف قرار دیتے ہیں جس کی اعلیٰ ترین اور مکمل ترین تجلی ان تمام انسانوں میں ملتی ہے جنہیں ہم انسانِ کامل کے زمرے میں شمار کرتے ہیں جس میں تمام انبیاء اور اولیاء اور خود آنحضرت ﷺ شامل ہیں۔ انسانِ کامل وہ آئینہ ہے جس میں تمام اسرار الٰہیہ منعکس ہوتے ہیں اور وہ واحد تخلیق ہے جس میں تمام صفاتِ الٰہیہ ظاہر ہوتی ہیں۔ انسانِ کامل خلاصہ کائنات (عالم اصغر) ہے۔ اس زمین پر خدا کا نائب اور وہ واحد ہستی ہے جسے خدا کی صورت میں بنایا گیا ہے۔ (٦٠)

علم کی اقسام:

ابن عربی جملہ علوم کو تین انواع میں تقسیم کرتے ہیں: ۱۔ علمِ عقل، ۲۔ علمِ احوال، ۳۔ علمِ اسرار۔

۱۔ علمِ عقل کی دو قسمیں ہیں۔ 1۔ ضروری اور بدیہی 2۔ اکتسابی اور نظری' کیونکہ یہ علم کسی دلیل میں غور و فکر کرنے سے حاصل ہوتا ہے اور اس کے حصول کی شرط یہ ہے کہ اس کی دلیل کے سبب اور

اس کے امثال ومترادفات پر نظر ہو جس کی پہچان یہ ہے کہ جس قدر اس کا بیان پھیلتا جائے گا' معانی کھلتے جائیں گے اور سمجھدار سننے والے کے لیے زیادہ قابلِ قبول ہو جائے گا۔

۲۔علم احوال وہ علم ہے جو ذوق اور تجربے کے بغیر ہاتھ نہیں آتا اور کوئی شخص محض عقل کے زور پر اس کے حدود متعین نہیں کر سکتا اور نہ اس کی معرفت پر کوئی دلیل قائم کی جا سکتی ہے۔شہد کی مٹھاس' کریلے کی کڑواہٹ' جمع کی لذت اور وجد وحال کا علم اسی نوع سے ہے کہ تجربے اور ذوق کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔

۳۔علمِ اسرار عقل سے ماورا ایک علم ہے جسے روح القدس قلب پر القا کرتا ہے اور یہ علم انبیاء اور اولیاء سے مخصوص ہے۔اس کی دو قسمیں ہیں،قسم اول وہ علم ہے جو علم نظری کے مانند ہے جسے عقل سہار سکتی ہے اس کا ادراک کر سکتی ہے مگر فکر ونظر کے ذریعے سے نہیں بلکہ خدا کے وہب وعطا سے۔قسم دوم کے دو حصے ہیں،ایک علم احوال سے مل جاتا ہے لیکن اس سے اشرف اور افضل ہے اور دوسرا حصہ علم اخبار کی نوع سے ہے جس میں قاعدے کے مطابق صدق اور کذب دونوں کا امکان پایا جاتا ہے مگر خبر دینے والے کی صداقت اور عصمت ثابت ہو جائے' جیسے انبیاء کی خبریں ہیں جن میں کذب کا ادنیٰ سا شائبہ بھی نہیں۔''

(فتوحاتِ مکیہ،مترجم: صائم چشتی،جلد اوّل،ص۳۱،۳۲)

ابن عربی علم کے تین مراتب کے قائل ہیں: مرتبہ علمِ ذاتی' مرتبہ علم موہوبی اور مرتبہ علم اکتسابی۔ خدا کا علم ذاتی' اشیاء کے ساتھ اپنے ہمہ گیر ذاتی تعلق کی جہت سے اس کا علم اشیاء ہے۔علم اکتسابی یہ ہے کہ جس کی طرف اس نے خود اشارہ کیا ہے حتیٰ نعلمہ(سورہ ۴۷-آیت ۳۱) رہا۔علم موہوبی وہ علم ہے جو اُسے کسی بندے کے عمل پر مباح کے واسطے سے حاصل ہوتا ہے۔علم ذاتی' وہ علم ہے کہ ہر مخلوق محض اپنی ذات اور صرف اپنے وجود کی وجہ سے اس کا حامل ہوتا ہے یعنی اس علم کے لیے فقط اس کی ذات کافی ہے' کسی دوسری چیز کی احتیاج نہیں' کیونکہ مخلوق بالذات علم کو قبول کرتی ہے۔علم اکتسابی صرف وجودِ شے سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اس کے لیے دیگر امور کی بھی حاجت ہوتی ہے جن کے وسیلے سے یہ علم ہاتھ آتا ہے۔تمام رسمی اور کسبی علوم اس نوع کے ہیں۔علم موہوبی چنیدہ افراد کا علم ہے اور یہ علم کی وہ قسم ہے جو حضرت خضرؑ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے تعلیم کی۔خدا تعالیٰ اسے ہمارے قلوب اور

اسرار پر نازل فرماتے ہیں اور ہم اسے بغیر کسی سبب اور واسطے کے حاصل کرتے ہیں۔

(فتوحاتِ مکیہ، جلد دوم، ص۲۲۲)

عقل و قلب:

ابن عربی فرماتے ہیں:

"یہ بات ہمارے لیے حیرت انگیز ہے کہ انسان اپنی فکر و نظر کا اتباع کرتا ہے حالانکہ وہ خود انسان کی طرح فانی ہے اور پھر عقل بھی دوسرے قویٰ جیسے حافظہ، متخیلہ، مصورہ، لامسہ، ذائقہ، شامہ، سامعہ اور باصرہ کی پیرو ہے۔ یہ حواس جو کچھ اُس تک پہنچاتے ہیں قبول کر لیتی ہے۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ خدا نے اس قویٰ کو اُس کا خادم مقرر کیا ہے اور یہ اپنے حدود سے تجاوز نہیں کر سکتے ان میں سے کوئی بھی دوسرے کی جگہ نہیں لے سکتا۔ اس معاملے میں یہ سب بذلتہ عاجز و ناتواں ہیں۔ عقل کی محدودیت فکر کی جہت سے ہے۔ عطائے الٰہی کو قبول کرنے کی جہت سے نہیں۔ انبیاء و اولیاء کی عقول نے اللہ کی بھیجی ہوئی خبروں کو قبول کیا اور حق تعالیٰ کی معرفت کے بارے میں اُنہوں نے فکر و نظر پر وحی کو فوقیت دی۔"

ابن عربی مزید لکھتے ہیں:

"ربانی علماء کا علم وہ علم ہے کہ عقل اپنے افکار کے بل پر چاہے وہ درست اور صحیح ہی کیوں نہ ہو، اس کی طرف راہ نہیں پا سکتی، کیونکہ وہ علم خدا کا عطا کردہ ہے اور عقل کی بساط سے بہت بلند ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خضر کے بارے میں فرمایا ہے: **وَعَلَّمْنَاهُ مِن لَّدُنَّا عِلْمًا** (سورہ کہف، آیت ۶۴) اور پھر ایک اور مقام پر ارشاد ہوا: **عَلَّمَهُ الْبَيَانَ** - (سورہ رحمٰن، آیت ۴) ان دونوں آیات میں باری تعالیٰ نے تعلیم کی نسبت اپنی طرف کی ہے نہ کہ عقل و فکر کی جانب۔ پس ثابت ہوا کہ فکر سے ماورا ایک اور مقام موجود ہے، جہاں سے کچھ بندگانِ خدا علم حاصل کرتے ہیں۔"

ابن عربی اس بات کے قائل ہیں:

"جس طرح معرفتِ حق تعالیٰ عقل کے بس میں نہیں، اسی طرح واجبات کے وجوب، محرمات کی حُرمت اور جائز چیزوں کے جواز کا علم بھی عقل کی پہنچ سے باہر ہے۔ یہ علم پیغمبران و مرسلین

سے خاص ہے جو حق تعالیٰ کی خبر دیتے ہیں اور شریعت لے کر آتے ہیں- شریعت کو ماننا سب کے لیے ضروری ہے اور اس کے محکم و متشابہ دونوں پر ایمان لانا لازمی ہے اور ان متشابہات کی تاویل میں رائے کے بل پر کچھ کہنے سے احتراز کرنا چاہیے کہ اس مقام میں تفسیر بالرائے سے ایمان جاتا رہتا ہے اور اس سے سعادت کھو جاتی ہے کیونکہ سعادت ایمان سے مربوط ہے' نیز وہ علمِ صحیح جس پر ایمان استوار ہوتا ہے زائل ہو جاتا ہے- صحیح الفکر عارفین اور علما بھی قدرتِ تشریع نہیں رکھتے اور اُنہیں اس کا حق نہیں کہ اپنی سوچ اور رائے کو شریعت میں دخیل کریں یا کسی امر شرعی میں تصرّف کریں- ان کا منصب صرف راہِ نجات کا بیان ہے اور اُن کا مقام بس شریعت کو سمجھنا ہے اور وہ بھی اس حد تک جتنا خدا نے انہیں عطا کیا ہو-"

(فتوحات مکیہ، جلد دوم، ص ۲۸۹)

ابن عربی اپنے رسالے تحفة السفره الی حضرت البرره میں قلب کو معرفتِ حقائق اور آگاہی علوم کا مورد قرار دیتے ہیں اور اسے بالخصوص معارف ربانی اور علوم الٰہی کا مقامِ معرفت سمجھتے ہیں اور دوسرے تمام عرفا کی طرح تاکید کرتے ہیں کہ معرفتِ تامہ اور عقلِ مستقیم اور مقامات کا حصول تب ہی ممکن ہے جب قلب کو آلودگیوں سے پاک کر دیا جائے اور اُسے اغیار سے خالی کر لیا جائے-" (۶۱)

معرفت:

ابن عربی کا عقیدہ ہے کہ اہل حق اور اہلِ عرفان کے اختصاصی علم یعنی معرفت کی بنیاد سات مسائل پر ہے اگر کوئی شخص ان سے آگاہی حاصل کر لے تو حقائق کی معرفت اُس کے لیے دشوار نہیں رہتی بلکہ حقائق میں سے کچھ بھی اس کے لیے پوشیدہ نہیں رہتا-

(۱) معرفت اسمائے الٰہی:

(۲) معرفت تجلیات الٰہی:

(۳) شرائع کی زبان میں اللہ تعالیٰ کے خطاب کی معرفت:

اس سہ گانہ معرفت کا مقصود یہ ہے کہ شرائع سماوی میں ہاتھ' پاؤں' چہرہ' آنکھ' کان، غصہ' تردّد' رضا' تعجب' استہزا' کوشش' بھاگنا' نیچے اُترنا' ٹھہرنا اور اس قسم کی صفاتِ مخلوقات' اللہ کے بارے میں بیان ہوئی ہیں لیکن اہل معرفت جانتے ہیں کہ مقامِ ذات میں حق تعالیٰ تمام اوصاف و خصوصیات سے منزّہ اور بلند ہے

لیکن اس کی تجلی اعیانِ ممکنات میں ان اوصاف وصفات کو اپنے آپ سے متعلق کر لیتی ہے اس اصول کی بنا پر شرائع تجلیات کی دلیل ہیں اور تجلیات اسمائے الٰہیہ کی لہٰذا یہ سہ گونہ معرفت باہم مربوط ہے۔

۴- وجود کے نقص وکمال کی معرفت:

ابن عربی کے خاص عقائد میں ہے کہ نقصِ وجود کا سبب بھی کمالِ وجود ہے' کیونکہ اگر وجود میں کوئی کمی نہ ہو تو وہ کامل نہیں ہوگا بلکہ اگر نقص کا تحقق نہ رہا تو وجود ناقص رہ جائے گا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وجودِ عالم کا کمال بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے دنیا کی ہر چیز کو اس کی خِلقت عطا کی۔ (سورہ ۲۰، آیت ۵۲) یعنی کوئی چیز بھی اُس سے رہ نہیں گئی حتیٰ کہ نقص کو بھی خلق کیا گیا اور یہی دنیا کے کمال پر دلیل ہے۔

۵- انسان کی خود اپنے حقائق کی معرفت:

اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان خود کو پہچانے اور اپنے ممکن ہونے' اپنے فقر و ذلت' اپنی محتاجی' مسکینی اور عاجزی کو اللہ کے سامنے رکھے اور یہ جان لے کہ دنیا میں اس کا تصرّف اور حکم اُس کی اپنی ذات سے نہیں ہے کیونکہ اپنی ذات میں تو وہ کچھ بھی نہیں بلکہ یہ چیزیں حق تعالیٰ طرف سے ہیں اور اُسی کی قدرت سے ہیں کیونکہ دنیا میں صفتِ حق کے سوا کسی چیز کو حکم چلانے کی قدرت نہیں۔

۶- کشفِ خیالی کے اسباب اور عالمِ خیال متصل ومنفعل کی معرفت:

ابن عربی معرفتِ حق کے لیے اس نوع علم کو ایک بڑا رکن جانتے ہیں اور اس کی یہ قسمیں قرار دیتے ہیں: عالم اجسام کا علم- یہاں عالم اجسام سے وہ عالم مراد ہے جس میں امور روحانیت ظاہر ہوتے ہیں' احوال جنت کا علم' قیامت میں تجلی الٰہی کا علم اور اُس تجلی کے گوناگوں صورتوں میں بدلنے اور ظہور کرنے کا علم' جسمانی صورتوں میں معانی کے ظہور کا علم مثلاً موت بصورتِ گوسفند یا علم بصورتِ شیر' خواب کی تعبیر کا علم' علمِ برزخ یعنی اس جگہ کا علم جہاں انسان مرنے کے بعد سے اٹھائے جانے تک رہیں گے وغیرہ۔

۷- امراض اور ان کے علاج کی معرفت:

ابن عربی کے خیال میں یہ علم اُن مشائخ کے لیے نہایت ضروری ہے جو رشد و ہدایت میں مشغول ہوں' کیونکہ یہاں امراض سے مراد امراضِ نفس ہیں نہ کہ بدنی اور ذہنی- نفس کے امراض کی تین قسمیں ہیں- امراض اقوال، امراضِ افعال اور امراض احوال- امراضِ اقوال یہ ہیں غیبت: نکتہ چینی' افشائے راز' ایسی نصیحت جو باعثِ فضیحت ہو اور یہ صرف جاہلوں اور غرض پرستوں کا کام ہے۔

(فتوحاتِ مکیہ، جلد دوم، ص ۲۹۷، ۳۱۸)

حق:

ابن عربیؒ کہتے ہیں:

"(۱) حق فی ذاتہٖ جود وجود مطلق، وجود صرف اور ذات بحت ہے۔ جملہ قیود و شرائط سے بری حتیٰ کہ قید و شرطِ اطلاق سے بھی منزہ ہے اور تمام اعتبارات و اضافات حتیٰ کہ اعتبار و نسبتِ علیت سے بھی پاک ہے اور عالم یعنی ساری مخلوقات سے ماوراء اور چونکہ وہ سارے اعتبارات اور اضافات خواہ ذہنی ہوں یا خارجی سے بری ہے لہٰذا خیال، قیاس، وہم اور فکر سے بھی بالاتر ہے اور اسی چیز کا نتیجہ ہے کہ اس کی معرفت ناممکن ہے اور عالم کے ساتھ اس کی مناسبت اور مشابہت ہی موجود نہیں اور فی الحقیقت اس کے اور عالم کے درمیان کسی قدر مشترک اور وجہ جامع کا اثبات محال ہے۔ حق حق ہے اور اشیاء اشیاء۔ (فتوحات، جلد اوّل، ص ۹۰، ۱۱۹)

(۲) حق فی ذاتہٖ کے برعکس حق متجلّی تمام مظاہر میں ظاہر ہے، خلق کا مرادف اور اس کے اوصاف سے متصف ہے بلکہ مخلوقات اور اشیاء کا عین ہے۔ (فتوحات، جلد دوم، ص ۴۵۹)

تشبیہ و تنزیہ:

ابن عربی کے مطابق حق منزہ بھی ہے اور مشبہ بھی، وہ کمال حقیقت کو ان دونوں مرتبوں کی یکجائی میں دیکھتے ہیں۔ اس سلسلے میں ان کے اشعار کا مطلب پیش ہے:

"چونکہ تنزیہ، تقیید کے شائبے سے خالی نہیں اور تشبیہ، تحدید کی آفت سے بَری نہیں لہٰذا اگر تو تنزیہ میں مشغول ہوا تو تُو نے کہا حق تعالیٰ کے لیے تقیید تجویز کی اور اگر صرف تشبیہ کو پکڑ لیا تو تُو نے اسے محدود کیا، لیکن اگر دونوں کو اکٹھا کر دیا تو تُو راستی اور خیر کی راہ پر ہے۔ اس طرح تو اربابِ کمالات و معارف کے مجمع میں امام اور سردار ہوگا۔ اگر تُو نے ایسا کیا تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تُو نے انبیاء و رُسل کی تقلید کی طرف رُخ کیا اور ان دونوں مقامات کا حق ادا کیا جیسا کہ سزاوار ہے جس نے خلق کو مشبہ بہ بنایا وہ گویا حق تعالیٰ کے ساتھ ایک اور وجود کا قائل ہو گیا یعنی ثنویت کا۔ اس طرح اس نے وحدت خلق کا انکار کر دیا اور اس کے ساتھ ایک شریک ٹھہرا لیا اور جس نے فقط تنزیہ پر اکتفا کی وہ گویا افراد میں مشغول ہو گیا۔ وحدت ذات کو تو

قبول کیا لیکن اُسے وحدت کی تقیید میں مقید کر دیا اور اس کے علاوہ اس شخص نے اسما و صفات کی کثرت کو فراموش کر دیا۔ پس وہ بھی اہل تشبیہ کی طرح اللہ کی ایسی معرفت سے محروم رہا جیسی کہ حق تعالیٰ کے شایان شان ہے۔ اگر تو ثنویت کے گڑھے میں گرا ہوا ہے یعنی اس ذاتِ واحد کے ساتھ کسی دوسرے وجود کا اثبات کرنے لگا تو تشبیہ سے پرہیز کر کیونکہ اس صورت میں ناقص اور حادث مخلوق' قدیم اور کامل ذاتِ حق سے مشابہ ہو جاتی ہے۔ اور اگر تو موحد اور مُفرد ہو چلا ہے یعنی فقط ایک ہی حقیقت کا اعتقاد تجھ پر قابض ہے تو تیرے لیے ضروری ہے کہ تو تنزیہ محض سے بھی اجتناب کرے کیونکہ اس مقام پر تُو وحدتِ محض میں ٹھہرا ہوا ہے اور کثرت کو بھلائے بیٹھا ہے' ذات کو مانتا ہے اور صفات کا انکار کرتا ہے یہ حق نہیں ہے بلکہ حق وہ ہے جسے تو کنہ ذات میں واحد جانے اور مقام صفات میں کثیر جاننا چاہیے کہ تو اپنی ظاہر' امکان اور محتاجی میں مقید ہونے کی وجہ سے حق نہیں ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ حقیقت میں تو اس کا عین ہے اور اس کی ہویت جو اس کی صفات میں سے کسی ایک صفت کے ساتھ اور اس کے وجود کے کسی ایک مرتبے میں ظاہر ہوئی ہے تیری ذات و صفات سب کی سب اسی کی طرف راجع ہے اسی لیے تو اُسے عین اشیاء میں مطلق بھی دیکھتا ہے اور مقید بھی۔ مطلق اس کی ذات کے اعتبار سے اور مُقید اس کے ظہور کے اعتبار سے۔''

(فصوص الحکم' شرح کاشانی' ص ۴۸-۴۹)

صفات و اسمائے الٰہیہ:

ابن عربی اور ان کے مقلدین عالم اور اہل عالم کو اسماء و صفات الٰہیہ کے مظاہر کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک حقائق کُلی میں سے ہر حقیقت الٰہی اسماء کی ترتیب رسمی کے تحت ہے اور عالم کے جزئی حقائق بھی ایک معنی میں حق تعالیٰ کے کلمات و صفات ہیں۔ ابن عربی کے نزدیک صفاتِ خداوندی یا تو سلبی ہیں یا ثبوتی۔ صفات سلبی ان امور کی طرف اشارہ کرتی ہیں جن سے ذات الٰہیہ کے متصف ہونا ممتنع ہے مثلاً اس کا جوہر ہونا' جسم ہونا اور زمان و مکان رکھنا' ان صفات کو صفاتِ جلال بھی کہا جاتا ہے۔ صفات ثبوتی حق تعالیٰ کے لیے وہ صفات ثابت کرتی ہیں جن سے اتصاف اس کی ذات کے لیے ضروری ہے انہیں صفاتِ جمال بھی کہتے ہیں کیونکہ ذاتِ حق کا جمال اور اس کی معرفت انہی صفات پر منحصر ہے۔ علم' قدرت

اورارادہ وغیرہ صفاتِ جمالی ہیں۔

ابن عربی اوران کے مقلدین کے ہاں جلال و جمال ایک مفہوم رکھتا ہے اوران کے نزدیک صفاتِ جمال لطف ورضا اور رحمت سے متعلق ہیں اور صفات جلال قہر وغضب اور عذاب سے۔ پس جمیل، لطیف، نافع اورانیس وغیرہ اسماء جمال ہیں کہ حق تعالیٰ کے لطف ورحمت کی حکایت کرتے ہیں اور جلیل قہار، ضار، ہائب اورایسے ہی دوسرے اسماء، اسمائے جلال ہیں اور جواس کے قہر وغضب پر دلالت کرتے ہیں۔ بنا بریں صفاتِ جلال و جمال ایک دوسرے سے الگ اور الٹ دکھائی دیتی ہیں لیکن یہ تقابل اور تضاد فقط ظاہر میں ہے باطن میں اس کا کوئی وجود نہیں کیونکہ باطن میں ہر جمال کے لیے جلال ہے اور ہر جلال کے لیے جمال اور یہ امر عجائب اسرار میں سے ہے۔"

ابن عربی اوران کے مقلدین سمیت جملہ صوفیاء اور عرفا اس بات کے قائل ہیں کہ صفاتِ حق ایک جہت سے عین ذات ہیں اور ایک جہت سے غیر ذات کیونکہ خدا کی تمام صفات جیسا کہ اوپر کہا جاچکا ہے فی الحقیقت معانی، اعتبارات، نسبتیں اور اضافتیں ہیں۔ پس اس جہت سے وہ عین ذات ہیں کیونکہ ذات کے علاوہ کچھ موجود نہیں اور جس جہت سے صفات غیر ذات ہیں وہ یہ ہے کہ انکا مفہوم ذات سے مختلف ہے۔ اسی بات کو یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ اعتبار اور تعقل کی رو سے صفات غیر ذات ہے اور وجود اور تحقق کی راہ سے عین ذات، مثلاً حَیّ، صفت حیات کے اعتبار سے ذات ہے، عالم صفتِ علم کے اعتبار سے، قادر صفتِ قدرت کی اعتبار سے، مرید صفتِ ارادہ کے اعتبار سے ہے۔ لیکن مفہوم کے اعتبار سے صفات آپس میں بھی متغائر ہیں اور ذات سے بھی لیکن ہستی اور تحقق کی بنیاد پر صفات عین ذات ہیں کیونکہ اس مقام پر وجود متعدد نہیں ہے بلکہ وجود ایک ہی ہے اور اسماء وصفات اس کی نسبتیں اور اعتبارات ہیں۔

ابن عربی اپنی فلسفیانہ فکر اور عرفانی ذوق کے مطابق حق تعالیٰ کے اسماء وصفات کو انکے ظاہری اور مروّج معانی سے الگ کر کے بیان کرتے ہیں اور ان کی اس طرح تاویل کرتے ہیں جو ان کے فکری نظام اور انکے تصوّف سے موافق اور سازگار ہو یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ اسماء وصفاتِ حق کو زیادہ تر اپنے ظاہری اور عملی مفاہیم کی بجائے نہایت دقیق وعمیق فلسفیانہ اور عرفانی معانی میں استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً فتوحات، میں لکھتے ہیں:

☆۔جبار، جبیر سے مشتق ہے اور حق تعالیٰ اس معنی میں جبار ہے کہ وہ وجوب اور ضرورت کی اصل

ہے جو کائنات کے ظہور کا سبب ہے اور اس کے خضوع ذاتی کی بنیاد ہے۔ تمام کائنات حق تعالیٰ کے حضور عاجز اور لرزاں ہے کیونکہ حق تعالیٰ اس میں تجلی فگن ہے۔'' (جلد چہارم،ص ۲۰۸)

☆۔ اسم غفار اور اسی طرح غافر اور غفور، غفر سے مشتق ہیں جس کے معانی ہیں ڈھانپنا اور حق تعالیٰ اس مفہوم میں غفار ہے کہ خود کو ممکنات کی صورتوں میں پوشیدہ کیے ہوئے ہے یا چھپائے ہوئے ہے جس کی وجہ سے تمام امور ایک دوسرے کے ساتر ہیں مثلاً اسم ظاہر اسم باطن کا پردہ ہے۔ (جلد چہارم،ص ۲۱۴)

☆۔ عدل میل کے معانی میں ہے اور عدل بمعنی مال سے مشتق ہے۔ حق تعالیٰ کا عادل ہونا اس جہت سے ہے کہ اس نے حضرتِ وجوبِ ذات ہی سے حضرتِ وجوب بالغیر یا امکان کی طرف میلان فرمایا تاکہ ممکنات کو حضرتِ وجوب سے دائرہ وجود میں لے آئے۔ اُس کا ایک شان سے دوسری شان میں عدول کرنا بھی اس مرتبہء عدل سے ہے جیسا کہ اس آیت میں بیان ہوا ہے۔ كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي الشَّانِ (۲۰/۵۵)۔ اسی لیے عدل ضروری ہے کیونکہ وجود حق تعالیٰ کے میل کے بغیر ظاہر نہیں ہوسکتا اور یہ میل عدل ہے لہذا دنیائے ہستی میں عدل کے سوا کوئی چیز معقول اور موجود نہیں ہے۔ (جلد چہارم،ص ۲۳۶)

☆۔ اسم لطیف لَطف بمعنی خفی سے مشتق ہے۔ خدا لطیف ہے یعنی خفی ہے اور اس کے خفاء کی علت اُس کی شدتِ ظہور ہے۔ (ایضاً۔ص ۲۳۸)

☆۔ اسم حفیظ حَفظ سے ہے جو صَانَ کا ہم معنی ہے۔ اللہ تعالیٰ حفیظ ہے یعنی بذاتِ خود اشیاء کے وجود کو قائم کرنے والا اور ان کا محافظ۔ (ایضاً۔ص ۲۴۷)

اعیانِ ثابتہ:

ابن عربی اور ان کے مقلدین کے ہاں اعیان ثابتہ علمِ حق میں قائم اشیاء کے حقائق، ذوات اور ماہیات ہیں۔ بالفاظ دیگر یہ اشیاء کی علمی صورتیں ہیں جو ازل لا آزال سے علم حق تعالیٰ میں ثابت ہیں۔ انہوں نے اس کی مختلف تعبیریں اور تعریفیں کی ہیں:

''حروف عالیات، اعیان ممکنات درحال معدومیت، حقائق موجودات جو حق تعالیٰ کے علم میں اپنے تعین کی نسبت سے عبارت ہیں۔ حقائق ممکنات جو علم الٰہیہ میں ثابت ہیں، علم الٰہی

میں موجود معانی، ذاتِ الٰہی کے تعینات اور اسمائے حق کے پرتو اور صورتیں کہ تمام موجودات خارجی اپنے لازمی آثار اور ہیئتوں کے ساتھ انہیں ظلال کا پرتو ہیں۔ تجلی حق ہی علمِ الٰہی میں اعیان کے ظہور اور خارج میں ان کے احکام کے وجود کا باعث ہے۔ حق تعالیٰ کی تجلی کی دو قسمیں ہیں۔ پہلی تجلی علمی غیبی جسے تجلی حبی ذاتی بھی کہا جاتا ہے اس تجلی کو فیضِ اقدس سے تعبیر کیا گیا ہے جو حضرتِ علمی میں اعیانِ ثابتہ کی صورت میں ظہورِ حق سے عبارت ہے۔

دوسری تجلی شہودی جو فیضِ مقدس کے نام سے موسوم ہے۔ اس تجلی میں حق تعالیٰ اعیانِ ثابتہ کے احکام و آثار میں ظاہر ہوتا ہے اس کے نتیجے میں عالم خارجی وجود میں آتا ہے۔ تجلی ثانی تجلیِ اوّل سے مرتب ہوتی ہے یہ کمالات کا مظہر ہے جو تجلی اوّل کے ساتھ اعیان کی قابلیتوں میں مندرجہ ہوئی ہے۔ (۶۲)

تنزلاتِ ستہ:

تنزلات کی وضاحت سے پہلے ایک مثال دیکھیں کہ ہم آفتاب سے جتنا دور ہوتے ہیں تاریکی سے اتنے ہی قریب ہوتے ہیں۔ اسی طرح تخلیق بھی ایک تنزل ہے مکمل سے نامکمل کی طرف۔ وجود میں ہم جس قدر نیچے جائیں گے اتنا ہی نقص، کثرت، تغیر اور برائی میں پھنسیں گے۔ بعد کا ہر مرتبہ اپنے سے پہلے مرتبے کا لازمی نتیجہ ہے، اس کی نقل اور اس کا پرتو یا سایہ ہے۔ لیکن بعد کا ہر مرتبہ اپنے سے بلند مرتبے کے لیے کوشاں اور اپنے منبع اور اپنی اصل کو حاصل کرنا چاہتا ہے اور اپنی منزل و مقصد اپنے سے پہلے مرتبے کو سمجھتا ہے۔ تنزلات کے مختلف مرتبے ہیں۔ پہلے مرتبے میں خدا کا وجود خیال اور تصور میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ دوسرا مرتبہ روح ہے جو خیالِ مجرد سے ظاہر ہوئی۔

قضا و قدر:

ابن عربی کے عقیدے میں قضا کا مطلب ہے:

☆ ''خداوند تعالیٰ کا اشیاء میں حکم کرنا اور اشیاء میں اللہ کا حکم کرنا اس حدِ علم پر ہے جو اشیاء کی ذات اور اُن کے حالات سے متعلق ہے کیونکہ حکم ''محکوم بہ'' محکوم علیہ اور ان کے احوال و استعداد کے علم کا مقتضی اور اس کے تابع ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ علم الٰہی اشیاء کی ذات اور ان کے احوال کے مطابق ہے یعنی ان کے تابع لہذا اللہ تعالیٰ کا اشیاء پر حکم کرنا خود اشیاء کا اقتضاء

ہے کیونکہ وہ اشیاء کے بارے میں کوئی حکم نہیں کرتا تاوقتیکہ خود ان کا اقتضا نہ ہو۔''

(شرح فصوص قیصری فصل عزیریہ)

قضا و قدر کے باب میں اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا لازمہ ہے کہ ہر انسان پیدائشی طور پر کافر یا مومن' گنہگار یا فرماں بردار اور بدکار یا نیکوکار ہوتا ہے اور یہ کفر و ایمان اور طاعت و عصیان ہر آدمی کا ذاتی خاصہ ہے اور اس کے عینِ ثابت کا اقتضاء۔ ابن عربی نے اس امر کو اپنی مختلف کتب میں صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔فصوص الحکم میں لکھتے ہیں:

''جو شخص اپنے ثبوت عینی اور حالتِ عدم میں مومن تھا وہ اپنے وجودِ خارجی میں بھی اسی صورت میں ظاہر ہوگا۔ بے شک اللہ اس کے ایمان کا اس وقت سے علم رکھتا ہے جب وہ شخص ابھی عدم کی حالت میں تھا اور خدا یہ بھی جانتا تھا کہ وجود خارجی حاصل کر کے بھی یہ آدمی مومن ہی رہے گا' اس نے اسی جہت سے فرمایا ہے ''اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے'' اور اسی مضمون کو ایک آیت میں یوں تمام کیا ہے کہ میرے پاس بات بدلتی نہیں ہے یعنی بعض کے کفر اور بعض کے ایمان کا امر اٹل ہے۔''

(فصوص الحکم فص لوطی، ص ۱۳۰ فص عزیزی، ص ۱۳۲)

چونکہ ہر انسان کا کفر و ایمان' سعادت و شقاوت اور طاعت و عصیان علم الٰہیہ میں ازل سے طے شدہ ہے اور اس کی ذات میں شامل ہے لہذا یہ دیکھتے ہوئے کہ ذاتی امور میں تغیر اور قضاء و قدر میں تبدل ممکن نہیں ہے۔ یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ خداوند سبحانہٗ نے کافروں پر ظلم کیا ہے اور اُنہیں اس چیز کا حکم کیا ہے جو ان کی طاقت سے باہر ہے اور اللہ تعالیٰ اُن سے وہ شئے طلب کر رہا ہے جو ان کے ذات اور ذاتیات سے موافقت نہیں رکھتی۔ ابن عربی نے اس خیال کو رد کیا ہے، انہوں نے لکھا:

''اللہ تعالیٰ کا ہر حکم خود ان کی استعداد' طلب سوال اور تقاضے کے مطابق ہوتا ہے۔ پس یہ عقیدہ بالکل درست ہے کہ اللہ تعالیٰ عادل ہے اس نے اپنے بندوں پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ بندوں پر جو ظلم ٹوٹتا ہے وہ خود اُنہیں کی طرف سے ٹوٹتا ہے یعنی یہ ان کی ذات کا تقاضا ہے جو ان کے کفر و عصیان اور ظلم و شقاوت کا سبب بنا ہے۔'' (۶۳)

عالم اور حق تعالیٰ:

ابن عربی کہتے ہیں:

'یہ تمام موجودات حق تعالیٰ کی پہچان کا باعث اور اس کی علامت ہیں البتہ ذاتی جہت سے نہیں بلکہ اسماء و صفات کی جہت سے- یعنی امورِ عالم میں سے ہر امر کے ذریعے کوئی ایک اسم الٰہی پہچان میں آتا ہے کیونکہ ہر امر اسمائے الٰہیہ میں سے کسی خاص اسم کا مظہر ہے مثلاً حقیقی انواع واجناس اسمائے کلی کے مظاہر ہیں- عقل اول حقائق عالم کے تمام کلیات اور ان کی صورتوں میں اجمالاً شامل ہونے کی جہت سے ایک کلی عالم ہے جو ''الرحمٰن'' کا مظہر ہے- نفسِ کلی عقل اول سے متعلق امور کی تمام جزئیات پر تفصیلاً مشتمل ہونے کی وجہ سے ایک کلی عالم ہے جو ''الرحیم'' کا مظہر ہے- اور انسانِ کامل جو ان تمام امور کا جامع ہے اپنے مرتبہ روح میں اجمالاً اور مرتبہ قلب میں تفصیلاً ایک کلی عالم ہے جو ''اسم اللہ'' کا مظہر ہے- اللہ تمام اسماء کو جامع ہے اور چونکہ عالم کا ہر ایک امر کسی نہ کسی اسم الٰہی کا مظہر اور اس کی علامت ہے اور ہر اسم ذات سے نسبت رکھنے کی بنا پر اپنے تئیں کل اسماء کو سموئے ہوئے ہے لہذا اس جہت سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ عالم کی ہر چیز انفرادی طور پر بھی تمام ہی اسماء کی علامت اور نشانی ہے-

وجود حقیقی جو قائم بالذات ہے' وجودِ حق میں منحصر ہے جبکہ عالم کا وجود مجازی' اضافی' اعتباری اور ظلی ہے یعنی وجودِ حق کا ظل اور اس سے وابستہ- وہ لوگ جو جہل کے اندھیرے حجاب میں محجوب اور حقیقی عرفان کے نور سے محروم ہیں اس تخیل سے دوچار اور اس توہم میں گرفتار ہیں کہ عالم کا وجود حقیقی ہے جو قائم بالذات ہے اور حق تعالیٰ سے جدا- یہ بات خلافِ حقیقت ہے کیونکہ اگر غور سے دیکھو تو معلوم ہو جائے گا کہ عالم کا وجود حق تعالیٰ ہی کا وجود ہے جو اعیان کے مظاہر اور ان کی صورتوں میں ظاہر ہوا ہے- ہم اس عالم میں جن صورتوں ہیئتوں اور احوال کا مشاہدہ کرتے ہیں وہ دراصل ان معقول معانی' حقائق اور شکلوں کی نشانیاں اور مثالیں ہیں جو ازلی ہیں پس ان صور و اشکال کی جہت سے کائنات خیال ہے لیکن خیال جو مظہرِ حقیقت ہے اور حقیقت وجودِ حق تعالیٰ ہے جو ان صورتوں میں ظاہر ہوا ہے-'' (۶۴)

انسان:

''انسان دو حالتوں کا مجموعہ ہے' خواب اور بیداری- اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کے لیے ایک

خاص ادراک مقرر کر رکھا ہے جس کے وسیلے سے چیزیں جانی جاتی ہیں۔ بیداری کے ساتھ مخصوص ادراک کو حِس اور خواب کے ساتھ مخصوص ادراک کو حِس مشترک کہا جاتا ہے۔ لوگوں کی عادت ہے کہ حِس میں آنے والی چیزوں کو خواب نہیں جانتے لہٰذا اس کی تعبیر کی فکر میں نہیں پڑتے جبکہ خواب کی تعبیر کرتے ہیں۔ تاہم معرفت کے بلند درجات تک پہنچ رکھنے والے حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ بیداری کی حالت میں بھی انسان خواب ہی میں ہے اور اس حالت میں جو صورتیں نظر آتی ہیں وہ بھی خواب ہیں۔ خواب کی طرح بیداری بھی حقائق و معانی کی مظہر ہے جو اس دنیا میں رونما صورتوں کے پیچھے چھپے ہوئے ہیں اسی لیے تو باری تعالیٰ نے ظاہری حِس میں واقع ہونے والے امور کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا' "فاعتبروا" اِنَّ فی ذالک لعبرۃ ٥ یعنی جو کچھ تمہاری حِس ظاہر میں نمودار ہے اس سے گزر جاؤ تاکہ اس چیز کے علم تک پہنچ جاؤ جو پوشیدہ اور اوجھل ہے۔ نبی ﷺ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ "الناس نیام فاذا ماتو ابنتھوا و لکن یشعرون" (لوگ سوئے پڑے ہیں' مریں گے تو جاگ آئے گی' لیکن یہ نہیں جانتے) پس ہستی ساری کی ساری خواب ہے' اس کی بیداری بھی خواب ہے اور جسے خواب کہا جاتا ہے وہ خواب در خواب ہے۔ جو لوگ اس بھید سے انجان ہیں معمول کی نیند سے اٹھ کر خود کو بیداری سمجھ لیتے ہیں یہ تو وہ لوگ ہیں کہ خواب میں اپنے آپ کو جاگا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ اس دنیا کی زندگی میں انسان ہر دم خواب ا[illegible] غفل[illegible] میں ہے' بیداری اور آ[illegible] گاہی موت کے وسیلے سے میسر آئے گی۔ موت سے پہلے خود کو بیدار سمجھنے والے اُن لوگوں کی طرح ہیں جو خواب میں ہیں اور خود کو بیدار سمجھ رہے ہیں۔ اس غلط فہمی کے نتیجے کے طور پر یہ لوگ دوسروں کے لیے اپنا خواب ہی نقل کرتے ہیں۔"

(فتوحات مکیہ، جلد: دوم، ص ۳۱۳)

ابن عربی نے انسان کی اہمیت اور اس کے مقام کے بارے میں زیادہ فکری وسعت اور عرفانی گہرائی کے ساتھ گفتگو کی ہے، وہ کہتے ہیں:

"انسان صورتِ الٰہی ہے' عالم اصغر ہے جو عالم اکبر کی روح اور اس کی عِلّت اور سبب ہے۔ اکمل موجودات ہے جو خلق بھی ہی اور حق بھی، مختصر الشریف ہے جس میں عالم کبیر کے تمام

معانی موجود ہیں-نسخہ جامعہ ہے کہ عالم کبیر میں اشیاء اور حضرت الٰہیہ میں اسماء کی ذیل میں جو کچھ موجود ہے وہ اس میں جمع ہے-کون جامع ہے کہ عالمِ اکوان کی ہر چیز اس کے زیرنگیں ہے اور عالم میں جو کچھ ہے خالصتاً اس میں موجود ہے-مَظاہرِ حق میں سب سے اکمل ہے کیونکہ حق تعالیٰ نے ویسے تو عالم کی تمام صورتوں میں تجلی فرمائی مگر ان میں فقط انسان ہی کو یہ شرف حاصل ہے کہ یہ اعلیٰ اور اکمل تجلی کا نمائندہ ہے، تمام حقائق اور مراتب وجود کا مستقر ہے کیونکہ حضرت الٰہیہ کے کل اسمائی اور صفاتی کمالات سمیت عالمِ اکبر کے سارے کمالات اس کے درجاتِ وجود میں منعقد ہیں۔ یہ ارادہ الٰہیہ کی جہت سے اول ہے اور ایجاد کی جہت سے آخر-صورت دیکھو تو ظاہر ہے اور منزلت دیکھو تو باطن- اللہ کی نسبت سے عبد ہے اور عالم کی نسبت سے رب' اسی وجہ سے یہ خلیفہ اللہ فی الارض ہے اور تمام اجزائے عالم سے برتر ہے حتیٰ کہ عالم کے فرشتوں اور ملائکہ مقربین سے بھی- فرشتے تو فقط حق تعالیٰ کی صفاتِ جمال کے مظہر ہیں جبکہ انسان صفاتِ جمال کا بھی مظہر ہے اور صفاتِ جلال کا بھی-''

(فتوحات، جلد اول، ص ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۵۲، ۲۱۸۔ جلد دوم، ص ۳۹۶، اور فصوص الحکم کی مختلف شروح)

انسان کامل:

ابن عربی پہلے مسلم مفکر ہیں جنہوں نے انسان کامل کی اصطلاح وضع کی- وہ انسانِ کامل کو کبھی انسان حقیقی بھی کہتے ہیں اسے زمین پر حق تعالیٰ کا نائب اور آسمان پر فرشتوں کا معلم-انہوں نے انسانِ کامل کے جو اوصاف اور مقامات تحریر کیے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں: ۱- انسان کامل اکمل موجودات ہے-۲) واحد مخلوق ہے جو مشاہدے کے ساتھ حق تعالیٰ کی عبادت بجالاتی ہے-۳) صفاتِ الٰہیہ کا آئینہ ہے-۴) مرتبہ حدِ امکان سے بالا اور مقام خلق سے بلند ہے-۵) حادث ازلی اور دائم ابدی اور کلمہ فاصلہ جامعہ ہے-۶) حق تعالیٰ سے وہی نسبت ہے جو آنکھ کو پُتلی سے-۷) عالم کے ساتھ اس کی نسبت انگشتری میں نگینے کی مانند ہے-۸) رحمت کی جہت سے اعظمِ مخلوقات ہے-۹) انسانِ کامل عالم کی روح ہے اور عالم اس کا قالب-'' (فتوحات اور فصوص الحکم کے مختلف حوالے)

ولائت:

شیخِ اکبر کے مطابق ولائت کی دو شاخیں ہیں (۱) ولائت مطلقہ یا ولائت عامہ- (۲) ولائت

خاصہ- مطلق اور علم ولائت تمام مومنوں کو حاصل ہے البتہ اس کے مختلف مراتب ہیں جو درجاتِ ایمان کے ساتھ مشروط ہیں- اس ولائت کے خاتم عیسیٰ علیہ السلام ہیں- ولائت خاصہ اہلِ دل، اہل اللہ اور صاحبانِ قرب الفرائض کے لیے مخصوص ہے جو حق تعالیٰ کی ذات میں فانی ہیں اور اس کی صفات کے ساتھ باقی- ولائت کی یہ قسم محمد ﷺ اور محمدیوں کے لیے مختص ہے- اس کی بھی دو قسمیں ہیں- مطلق اور مقید- مطلق ہونے کی صورت میں یہ ولائت تمام حدود و قیود سے عاری، حق تعالیٰ کے سارے اسماء و صفات کے ظہور کو جامع اور اس کی ذاتی تجلیات کے ہر پہلو سے متعلق ہوگی، جبکہ مقید ہونے کی صورت میں اسماء میں سے کسی ایک اسم، بے شمار حدود میں سے کسی ایک حد اور تجلیات کے کسی ایک رخ تک محدود ہوگی- ان دونوں اقسام کا الگ الگ خاتم موجود ہے'' (۶۵)

عقائد:

اللہ تعالیٰ کے بارے میں عقیدہ:

''تو اے میرے بھائی اور دوست! اللہ تعالیٰ تم پر راضی ہو تم ہر لحظہ اور ہر پل اللہ تعالیٰ کی طرف نقیر و کمزور و مسکین بندے یعنی اس کتاب کے مولف (شیخ اکبرؒ) کے حق میں گواہی دو اور یہ تمہیں اللہ تعالیٰ اور ملائکہ کے بعد اپنے آپ پر گواہ بناتا ہے، اور جو مومنین سے حاضر ہے اور جو اسے سنے اس قول کی گواہی دے اور عقیدہ رکھے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ واحد معبود ہے الوہیت میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے وہ بیوی اور اولاد سے منزہ اور پاک ہے- وہ بلا شرکت غیر مالک ہے اُس کیلئے بادشاہی ہے اور اس کا کوئی وزیر نہیں- وہ صانع ہے اور اس کے ساتھ کوئی مدبر نہیں'' وہ بذاتہٖ موجود ہے اور اُس کا وجود موجد کی طرف احتیاج کیے بغیر ہے- اُسے دل سے اور آنکھوں سے دیکھا جا سکتا ہے- وہ جب چاہے عرش پر غلبہ فرماتا ہے جیسا کہ اُس کا ارشاد ہے اور اس معنے میں اس کا ارادہ ہے، جیسا کہ عرش اور اس کے ماسوا کے ساتھ استوا یعنی غلبہ فرماتا ہے- اوّل و آخر اسی کے لیے ہے نہ اس کے لیے مثل معقول ہے اور نہ ہی اس پر عقول ولایت کر سکتے ہیں- اس کے لیے نہ زمان کی حد قائم کی جا سکتی ہے اور نہ انتقالِ مکانی کی بلکہ وہ تھا اور مکان نہ تھا- وہ مکان و مکین اور زمین کو بنانے والا ہے- اس نے فرمایا میں واحد ئی ہوں- اُس کے لیے مخلوقات کی حفاظت گراں نہیں، اور اس کی صفت رحمت نہیں کرتی

بلکہ نہ ہی اللہ تعالیٰ کی مصنوعات سے کوئی صفت اس پر ہے بے شک صنعت پر حوادث ہے اور حوادث ہر صنعت یا اس کے بعد یا اس سے پہلے جائز ہوگا بلکہ کہتے ہیں وہ تھا اور اُس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی پس وہ بُعدِ زمان کے صیغے سے ہے وہ اسے بنانا والا ہے وہ قیوم ہے اس کے لیے نیند نہیں وہ قہار ہے اس کی بارگاہ میں مجال دم زدنی نہیں۔ اُس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے۔ اس نے عرش کو پیدا کیا اور اس کے لیے حد اسلو اپیدا فرمائی۔ اس نے کرسی کو بنایا اور اُسے زمین اور بلند آسمانوں پر وسعت دی۔ اس نے لوح اور اعلیٰ قلم کی اختراع فرمائی اور فصل وقضا کے دن تک خلقت میں اُس کے علم کے ساتھ اجراء کتابت فرمایا۔ اس نے تمام خلقت کو پہلے مثال موجود ہونے کے علاوہ پیدا فرمایا۔ اس نے خلقت کو پیدا فرمایا۔ اُس نے روحوں کو اجسام میں اتارا اور اجسام کو ارواح کی منزل بنایا' زمین میں خلفا بنائے اور ہمارے لیے زمین وآسمان کی ہر چیز کو مسخر کیا' اُس کے حکم اور اُس کی طرف کے سوا کوئی ذرہ حرکت نہیں کرتا'' اس نے بغیر خلقت کی طرف حاجت کے خلقت کو پیدا فرمایا اور یہ اس پر موجب واجب نہیں مگر اُس کے پہلے علم کے مطابق پیدا ہوا جو پیدا ہوا۔ وہ اول وآخر اور ظاہر و باطن ہے اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اس کے علم نے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہے اور ہر چیز کو شمار کر رکھا ہے اُسے پوشیدہ اور اخفاء کا علم ہے اور وہ آنکھوں کی خیانت اور سینے میں چھپی ہوئی باتوں کو جانتا ہے اور اسے چیز کا علم کیسے نہ ہو جسے اس نے پیدا فرمایا ہے۔ وہ مخلوق کو جانتا ہے اور وہ لطیف وخبیر ہے۔ وہ چیزوں کو ان کے وجود میں آنے سے پہلے جانتا ہے پھر اُس نے انہیں انکے علم کی حد پر وجود عطا فرمایا۔ وہ ہمیشہ سے تمام اشیاء کا علم رکھتا ہے اور نئی چیز کو پیدا کرتے وقت اس کے لیے وہ انہیں اس چیز کا علم اس کے لیے نیا نہیں۔ وہ اشیاء کو حکم کرتا ہے اور ان کا حاکم ہے ساتھ اس کے وہ انہیں جو چاہے حکم کرے۔ اہل نظر کے صحیح اور متفق علیہ اجماع کے مطابق اُسے علی الاطلاق کلیات کا ویسے ہی علم ہے جیسے جزئیات کا وہ ہر نساں وعیاں کو جاننے والا ہے تو اسے انکے شرک سے بلندی ہے۔ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے پس وہ زمین وآسمان کے عالم میں کائنات کا ارادہ فرمانے والا ہے۔ اُس کی قدرت کے ساتھ کسی چیز کا تعلق نہیں یہاں تک کہ اُس کا ارادہ جیسا کہ وہ نہیں لوٹتا یہاں تک کہ وہ اُس کے علم میں ہوتا ہے' جبکہ عقل میں

محال ہے کہ اُس چیز کا ارادہ کرے جس کا علم نہ ہو یا کسی کام کا اختیار و تمکین رکھنے والا اس کام کو چھوڑ دے جس کا ارادہ نہ رکھتا ہو جیسا کہ ان حقائق کا غیر حق میں پایا جانا محال ہے' جیسا کہ ان صفات کا بغیر اُس ذات کے قائم رہنا محال جو ان صفات سے موصوف ہو تو جو کچھ وجود میں ہے اطاعت اور نافرمانی نہ رنج نہ خسارہ' نہ غلام نہ آزاد' نہ ٹھنڈک نہ گرمی' نہ حیات نہ موت' نہ حصول نہ ضیاع' نہ دن نہ رات' نہ اعتدال نہ جھکاؤ' نہ خشکی نہ سمندر' نہ جوڑا نہ اکیلا' نہ جوہر نہ عرض' نہ صحت نہ بیماری' نہ خوشی نہ غم' نہ روح نہ جسم' نہ ظلمت نہ روشنی' نہ زمین نہ آسمان' نہ ترکیب نہ تحلیل' نہ کثیر نہ قلیل' نہ صبح نہ شام' نہ سفید نہ سیاہ' نہ نیند نہ بیداری' نہ ظاہر نہ باطن' نہ متحرک نہ ساکن' نہ خشک نہ تر یا ان کے خلاف یا ان کی مثل کوئی نسبت ایسی نہیں جس کا مقصود اللہ تعالیٰ جل شانہ کی ذات نہ ہو اور وہ کیوں مقصود نہ ہو جبکہ اُسے اُس نے ایجاد فرمایا ہے اور مختار کے نہ چاہنے سے وہ کیسے وجود پاتی نہ اُس کے امر کو کوئی رد کر سکتا ہے اور نہ اُس کے حکم کو روک سکتا ہے وہ جسے چاہے ذلت دے جو چاہے کرے اور جسے چاہے ہدایت دے اور جسے چاہے گمراہ کرے جسے چاہے راستہ دکھائے' اُس نے جو چاہا وہ ہو گیا اور جو نہ چاہا نہ ہوا اگر تمام مخلوق جمع ہو کر کسی چیز کا ارادہ کرے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ارادے کے خلاف نہیں کر سکتی یا مل کر ایسا کام کرے جو اس کے ارادے میں نہ ہو تو نہیں کر سکے گی' مخلوق اُس کے ارادے کے سوا کسی ارادے اور کسی فعل کی استطاعت نہیں رکھتی اور نہ ہی اُسے سوائے اُس کی مشیت حکم اور ارادے کفر و ایمان اور اطاعت و نافرمانی میں قدرت حاصل ہے- اللہ سبحانہ تعالیٰ ہمیشہ سے اپنے ارادے کی صفت سے موصوف ہے- اور عدم اور غیر موجود کو جانتا ہے اور اس کے علم اور نگاہ میں معدوم غیر موجود ثابت تھا' پھر وہ بغیر تفکر و تدبر کے عالم کو جہل یا عدم علم سے وجود میں لایا اور اسے تفکر وذکا کا علم عطا فرمایا- زمان و مکان اور اکوان والوان میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے اُس سے وہ ناواقف نہیں تھا بلکہ اس نے اسے اپنے سابق علم کے مطابق اپنے ازلی فیصلہ شدہ ارادۂ پاک کے تعین سے وجود عطا فرمایا ہے تو وجود میں حقیقتاً اس کے ارادے کے سوا کوئی چیز نہیں اور جب وہ اللہ سبحانہٗ کے قائل ہوئے تو وہ وہی چاہیں گے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور بے شک اللہ سبحانہٗ اپنے علم خاص کے مطابق حکم و ارادہ

فرماتا ہے اور اپنی قدرت سے پیدا فرماتا ہے جیسا کہ دیکھنا اور سننا- جو حرکت کرتا ہے یا ساکن ہے یا عالم اسفل و اعلیٰ کے پیچھے بولنا اس کے لیے دور سے سننا حجاب میں نہیں تو وہ قریب ہے اور نہ قریب سے دیکھنا اس کے لیے حجاب میں ہے تو وہ دور ہے- وہ کلامِ نفس کو نفس میں سنتا ہے اور مس کرتے وقت مس کی پوشیدہ آواز کو سنتا ہے وہ اندھیرے میں سیاہی کو اور پانی کو پانی میں دیکھتا ہے- اس کے لیے ملی جُلی چیزیں پردے میں نہیں اور نہ روشنی اور اندھیرا اس کے لیے حجاب میں ہے اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے- اللہ تبارک وتعالیٰ ازلی اور قدیم کلام کے ساتھ گفتگو فرماتا ہے نہ کہ پہلی خاموشی اور نہ سکوتِ واہمہ ہے-

جیسا کہ اس کے علم وارادہ اور قدرت کی تمام صفات ہیں اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گفتگو فرمائی- اس کی گفتگو کا نام تنزیل' زبور' توراۃ اور انجیل ہے- نہ اس کے لیے حروف ہیں نہ آوازیں اور نہ ہی نغم ولغات ہے بلکہ وہ آوازوں' حرفوں اور لغات یعنی زبانوں کا خالق ہے- تو اس اللہ سبحان تعالیٰ کا کلام بغیر حروف ولسان کے ہے ایسے ہی اس کی سماعت بغیر کانوں اور اذان کے ہے' ایسے ہی اس کی آنکھ بغیر آنکھ کی سیاہی اور پلکوں کے ہے- ایسے ہی اس کا ارادہ بغیر قلب اور جان کے ہے' ایسے ہی اس کا علم بغیر اضطرار کے ہے اور برہان میں نظر نہیں' ایسے ہی اس کی حیات دل کے اندر کی گرمی اور امتزاج ارکان کے بغیر ہے' ایسے ہی اس کی ذاتِ اقدس زیادتی اور کمی کو قبول نہیں کرتی یعنی زیادہ یا کم ہونے سے پاک ہے پس وہ سبحانہٗ تعالیٰ قرب وبُعد سے پاک بہت بڑا بادشاہ احسان فرمانے والا اور اپنے تمام ماسوا سے جسیم الامتنان ہے اس کا جود فیض دینے والا ہے' اس کا فضل اور عدل اس کے لیے باسط اور قابض ہے- جب اس نے دنیا کی اختراع وتخلیق کی تو کمال تر صنعت گری ظاہر فرمائی اسکی بادشاہی میں کوئی اس کا شریک نہیں اور نہ ہی اس کی سلطنت میں کوئی اس کے ساتھ تدبیر کرنے والا ہے وہ کسی کو نعمتوں کے ساتھ نوازتا ہے تو یہ اس کا فعل ہے- اگر وہ کسی پر عذاب کرتا ہے تو اس کا عدل ہے- اس کے سوا اس کی مملکت میں کوئی تصرف نہیں کرسکتا- پس جور وحیف کی طرف منسوب کرنا اور نہیں توجہ کی جائے گی اس کے سوا کے لیے حکم کی تو وہ ڈر اور خوف سے مُتّصِف ہوگا- اس کے ماسوا سب کچھ اس کے غلبہ سلطانی کے تحت ہے اور اس کے

ارادہ وحکم کے زیر تصرف ہے۔ وہی لوگوں کے دلوں میں پرہیز گاری اور بدکاری الہام فرماتا ہے۔ وہ چاہے تو ثواب اور قیامت کے دن درگزر فرمائے اور چاہے تو گرفت فرمائے۔ اس کے فضل میں عدل اور عدل میں فضل حکم نہیں کرتا۔

اُس نے کائنات کو دو مُٹھیوں سے پیدا فرمایا اور اس کے لیے دو منزلیں بنائیں تو فرمایا یہ جنت کے لیے ہے اور مجھے اس کی پروا نہیں اور یہ دوزخ کے لیے ہے اور مجھے اس کی پروا نہیں اور اس امر پر کوئی معترض اعتراض نہیں کر سکتا جبکہ وہ اس کے سوا لاموجود تھا پس سب کچھ اُس کے اسماء کے تحت گردانے۔ اس کے اسماء کی ایک مُٹھی کے تحت مصیبتیں اور اسماء کی ایک مُٹھی کے تحت نعمتیں ہیں۔ اگر وہ پاک اور سُبحان چاہتا کہ تمام عالم سعید ہو تو تمام عالم سعید ہوتا اور اگر وہ چاہتا سب دنیا شقی ہو تو سب دنیا شقی ہوتی لیکن اس نے ایسا نہیں چاہا اور وہی ہوا جو اس نے چاہا تھا۔ اب بھی اور قیامت کے دن بھی ان میں سعید اور شقی دونوں قسم کے لوگ ہوں گے۔ پس اس کے امر قدیم میں تبدیلی کا کوئی راستہ نہیں۔

اس نے فرمایا کہ نمازیں پانچ ہیں اور فرمایا کہ نمازیں پچاس ہیں تو ہم اس کا فرمان تبدیل نہیں کر سکتے اور نہ ہی ہم اپنے ملک میں اپنی خواہش کا نفاذ کرنے کے سلسلے میں سرکشوں کے ساتھ اندھیروں میں ہیں۔ اس حقیقت کو جاننے کے لیے ابصار و بصائر نابینا ہیں اور سوائے عطائے الٰہی اور جود رحمانی کے اس پر افکار و ضمائر مطلع اور خبردار نہیں ہو سکتے۔ البتہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بعض بندوں کو اس حقیقت سے روشناس کرواتا ہے اور یہ اس کے لیے حاضری کے ساتھ پہلی گواہی ہے پس جب یہ علم جان لیا تو قِسم قِسم عطا ہوا ہے اور بے شک قدیم رمزوں سے ہے پس اللہ سبحانہٗ کے سوا کوئی فاعل نہیں اور نہ ہی اس کے سوا کوئی بنفسہٖ موجود ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے تمہیں اور تمہارے اعمال کو پیدا فرمایا' وہ جو بھی کرتا ہے اس کے بارے میں اس سے سوال نہ کیا جائے گا اور اُن سے پوچھا جائے گا' پس یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے لیے محبتِ بالغہ ہے تو اگر وہ چاہتا تو تم سب کو ہدایت نصیب فرماتا۔''

حضور رسالت مآب ﷺ کے متعلق عقیدہ:

''دوسری گواہی۔ جیسا کہ میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ کی توحید کے بارے میں اپنے لیے اللہ

تبارک وتعالیٰ کی اور اس کے فرشتوں کی' تمام مخلوق کی' آپ لوگوں کی گواہی طلب کی ہے ایسے ہی میں اللہ تعالیٰ سبحانہٗ کو اس کے فرشتوں کو' تمام مخلوق کو اور آپ کو اپنے ایمان کے لیے گواہ بناتا ہوں کہ جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے وجود سے چنا اور پسند کیا اور برگزیدہ فرمایا وہ ہمارے سردار حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں- اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں تمام لوگوں کے لیے بشیر ونذیر بنا کر بھیجا اور آپ اس کے حکم سے اللہ کی طرف بلانے والے اور سراج منیر ہیں تو حضور رسالت مآب ﷺ نے جو اُن کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا تھا پہنچا دیا اور اس کی امانت لوٹا دی اور اپنی امت کو نصیحت فرمائی- حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ نے اپنی اتباع کرنے والے تمام حاضرین کو خطاب فرماتے ہوئے خوف وحذر' تبشیر وانداز' وعدہ و وعید اور تحدید فرمائی اور اذن خداوندی سے اس وعظ وتذکیر کو کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں فرمایا- پھر اہل اجتماع سے کہا' کیا میں نے تمہیں پہنچا دیا' لوگوں نے کہا ہاں یا رسول اللہ ﷺ تو آپ ﷺ نے فرمایا یا اللہ اس پر گواہ جا-''

مزید شرائط ایمان:

''چنانچہ حضور رسالت مآب ﷺ جو کچھ بھی لائے میں اس پر ایمان رکھتا ہوں' آپ جس چیز کے ساتھ آئے اس میں سے جسے میں جانتا ہوں اس پر ایمان رکھتا ہوں اور جسے نہیں جانتا اُسے بھی تسلیم کرتا ہوں- اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں موت کا وقت مقرر ہے جب وہ آتی ہے تو موخر نہیں ہوتی- پس ہم اس ایمان کے ساتھ مومن ہیں اور اس میں کوئی شک وریب نہیں- ایسے ہی میں ایمان لایا اور اقرار کرتا ہوں کہ قبر میں حساب کتاب پوچھا جائے گا اور یہ حق ہے- عذابِ قبر اور قبروں سے جسموں کا اُٹھایا جانا حق ہے- اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا اور حوضِ کوثر حق ہے- میزان اور اعمال ناموں کا ملنا اور پُل صراط حق ہے- جنت اور دوزخ حق ہے- ایک فریق کا جنت میں اور ایک فریق کا دوزخ میں جانا حق ہے- قیامت کے دن ایک گروہ کے لیے کرب اور ایک گروہ کو حُزن وملال نہ ہونا حق ہے- ملائکہ وانبیاء کرام اور مومنین کی شفاعت حق ہے اور وہ ارحم الراحمین جسے چاہے گا شفاعت کے بعد دوزخ سے نکالے گا' حق ہے- کبیرہ گناہ کرنے والے مومنوں کا جہنم میں داخل ہونا اور پھر انہیں شفاعت واحسان کے

ساتھ اس سے نکالا جانا حق ہے- مومنین اور موحدین کا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے باغِ نعیم اور جنت میں قیام حق ہے- اہل جہنم کا ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہنا حق ہے- اللہ تبارک وتعالٰی کے ہاں سے علم یا جہل کی صورت میں جو بھی اس کے رسولوں اور کتابوں کے ساتھ آیا حق ہے- پس یہ میری ذات پر ہر اس شخص کی گواہی اور امانت ہے جس کے پاس یہ پہنچے- جب بھی اس سے پوچھا جائے وہ یہ امانت واپس کرے- اللہ تبارک وتعالٰی ہمیں اور آپ کو اس ایمان کے ساتھ نفع عطا فرمائے اور اس دنیا سے دارِ حیات کی طرف منتقل کرتے وقت ہمیں اس پر ثابت قدم رکھے اور اس سے دارِ کرامت و رضوان ہمارے لیے نازل فرمائے- ہمارے اور انکے گھر کے درمیان پردہ ہو جن کے کرتے بدبودار اور روغن یا رال کے ہوں گے یعنی ہمارے اور جہنمیوں کے درمیان فاصلہ رکھے اور ہمیں ایمان کے ساتھ کتابوں سے اخذ کرنے کی دستاریں پہنائے اور ہمیں حوضِ کوثر سے تر و تازہ اور سیراب کر کے لوٹائے اور اس کے ساتھ میزان کا پلڑا بھاری فرمائے اور اس کے لیے پُل صراط پر دونوں پاؤں کو مضبوط فرمائے- بے شک وہ نعمتیں عطا کرنے والا اور احسان فرمانے والا ہے- تو شکر ہے اس ذات کا جس نے ہمیں ہدایت نصیب فرمائی اس لیے کہ اگر اللہ تبارک وتعالٰی ہمیں ہدایت نصیب نہ فرماتا تو ہمیں ہدایت نہ ملتی' بے شک ہمارے پروردگار کی طرف سے حق کے ساتھ رسول تشریف لائے- تو یہ عوام' اہل تقلید اور اہل نظر مسلمانوں کے عقیدے کا خلاصہ اور اختصار ہے'' (فتوحات مکیہ، مترجم: صائم چشتی، جلد اول، ص ۱۱۵ تا ۱۲۵)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

تیسرا باب:

﴿ناقدین﴾

فتوحات مکیہ میں حضرت امام زین العابدینؓ کے حوالے سے ایک شعر مرقوم ہے ۔

یا رب جوھر علم لوأ برح بہ　　لقیل لی أنت ممن یعبد الوثنا

ولا ستعل رجال مسلمون دمی　　برون اقبح مایا تو نہ حسنا

(مترجم۔ صائم چشتی، جلد سوم، ص ۲۹۲)

(یعنی علم کے بہت سے جواہر ریزے ایسے ہیں جن کو اگر میں ظاہر کروں تو اے میرے رب! لوگ کہیں گے کہ تم بُت پرست ہو اور مسلمان میرے خون کو حلال سمجھیں گے اور میرے خون بہانے کے قبیح امر کو اچھا خیال کریں گے)

امامؒ کے اس قول کے مصداق شیخ اکبر کو بھی ایسی ہی صورتحال کا سامنا کرنا پڑا۔ پوری ملتِ اسلامیہ میں کوئی اور ایسا شخص مشکل سے ہی ملے گا کہ جس کے ہر زمانے میں بیک وقت مخالفین اور موئدین رہے ہوں اور جس کی وجہ سے اختلاف اور افتراق پیدا ہو گیا ہو۔ ایک گروہ کی نظر میں وہ ولی کامل، قطب زماں اور باطنی علم میں ایسی سند تھے کہ جس میں کلام ہی نہیں ہو سکتا۔ دوسرے گروہ کے نزدیک وہ کافر، زندیق، بدترین قسم کے ملحد اور ملتِ اسلامیہ کے شیطان تھے۔ اس سے بڑھ کر حیرت کی بات یہ ہے کہ ان کے بدترین دشمن بھی ان کے تخلیقی و علمی جواہر کے قائل تھے۔ جیسا کہ ڈاکٹر سید عبداللہ نے لکھا ہے:

"متقشف دینی نقطۂ نظر سے کوئی کچھ کہے یہ تسلیم کرنا ہی پڑتا ہے کہ ابن عربی عالمِ اسلام کی عظیم ترین (گو کہ بے حد متنازعہ فیہ) تخلیقی اور علمی شخصیتوں میں سے ایک تھے۔ جنہیں محض یہ کہہ کر ٹالا نہیں جا سکتا کہ ان کے یہاں الحاد و زندقہ ہے یا تاویل و رمز ہے۔ یہ رائے درست بھی ہو تب بھی ہم یہ دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں کہ ہماری تاریخ کے بڑے بڑے علمی رجال ان سے الجھتے بھی ہیں اور ان کے سامنے سر بھی جھکاتے ہیں۔"(۱)

شیخ پر شدید ترین تنقید و اعتراضات کی وجوہات ان کا رمزیہ، مبہم اور الحاقی کلام ہونا ہے جیسا کہ عبدالوہاب شعرانی، الیواقیت والجواھر میں لکھتے ہیں:

''شیخ ابن عربی کا کلام جس قدر لوگوں کی سمجھ میں نہیں آیا اس کا سبب اس کلام کا بلند پایہ ہونا ہے اور جس قدر ان کا کلام ظاہر شریعت اور طریق جمہور کے خلاف ہے وہ ان کے کلام میں خارج سے داخل کیا گیا ہے چنانچہ شیخ ابو طاہر مغربی نزیل مکہ نے مجھ سے اول یہ بیان کیا' پھر اس کے بعد میرے دکھلانے کے لیے فتوحات کا وہ نسخہ نکالا جس کو حضرت شیخ کے اس نسخے سے مقابلہ کیا تھا جو شیخ (ابن عربی) کے خاص قلم کا لکھا ہوا شہر قونیہ میں تھا سو میں نے اس نسخے میں ان عبارتوں میں سے کوئی عبارت نہیں دیکھی جن میں مجھ کو تردّد تھا اور ''فتوحات'' کے اختصار کے وقت میں نے انہیں حذف کر دیا تھا'' (۲)

ذیل میں ہم ابن عربیؒ کے چند شدید ترین ناقدین کے اعتراضات کا جائزہ پیش کر رہے ہیں جنہوں نے اُن کے افکار و نظریات پر کڑی تنقید کی۔ عزالدین بن عبدالسلام ☆(۳) اور رکن الدین علاؤ الدولہ سمنانی ☆(۴) بھی اگرچہ ابن عربیؒ کے مخالفین میں سے تھے لیکن اس سطح کے نہیں جس طرح کے ابن تیمیہ ☆(۵) تھے۔ ان کی ابن عربی اور تصوّف سے مخاصمت میں کس حد تک صداقت تھی اس کی تفصیل ذرا آگے آئے گی، سردست ہم اُن کے تیئس ۲۳ صفحات پر مشتمل ایک طویل خط سے ابن عربی کے متعلق چند مندرجات پیش کرتے ہیں جن میں ابن تیمیہ' ابن عربی کی فکر کے مخالف اور ان کے کلام اور علمی بصیرت کے قائل نظر آتے ہیں۔ یہ خط انہوں نے مصر کے شیخ نصر بن سلیمان المنبجی (المتوفی ۷۱۹ھ) کو اس وقت لکھا جب اُنہیں معلوم ہوا کہ شیخ کی مجلس میں وحدت الوجود اور دوسرے نزاعی مسائل کا ذکر آیا اور اُنہوں نے امام ابن تیمیہ پر سخت تنقید کی تو امام صاحب نے اُنہیں ۷۰۴ھ میں یہ خط لکھا، ابن تیمیہ رقم طراز ہیں:

'' بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

احمد بن تیمیہ کی طرف سے شیخ عارف وقدوۂ سالک وناسک ابوالفتح نصر بن سلیمان المنبجی کے نام۔ افاض اللہ علینا ببرکات انفسہ۔ شیخ کے ظاہر و باطن پر اللہ تعالیٰ وہی اسرار کھولے جن کو اس نے اپنے اولیاء کے دلوں پر کھولا ہے نیز جن وانس کے شیاطین کے خلاف اللہ تعالیٰ شیخ کی مدد کرے اور اُن کو ایسے طریقے پر چلائے جو محمد ﷺ کی لائی ہوئی شریعت اسلامیہ کے مطابق ہو اور اُن پر ایسی حقیقتِ دینیہ کا انکشاف کرے جس کی مدد سے شیخ خدا کی مخلوق اور

اس کی اطاعت وارادت اور محبت کے درمیان فرق کر سکیں---- مجھے ابن عربی کے متعلق ابتداء میں بہت ہی حسنِ ظن تھا کیونکہ اُن کی فتوحاتِ مکیہ' الکنہ المحکم المربوط' الدرة الفاخرہ اور مطالع النجوم جیسی کتابوں میں بہت سی مفید باتیں پائی جاتی ہیں لیکن جب میں نے ان کی کتاب فصوص الحکم پڑھی تو اندرونی حقیقت ظاہر ہوگئی اور ہمیں اپنی ذمہ داری محسوس ہونے لگی اور جب مشرق کے شہروں سے معتبر مشائخ تشریف لائے اور ہم سے اسلام کا حقیقی اور سچا راستہ دریافت کیا تو ہم پر ان اتحادیوں کی حقیقت کا ظاہر کرنا ضروری ہو گیا- ہم نے ان کی وضاحت کی-

----اب رہا حلولِ مطلق کا عقیدہ کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ساری کائنات میں پھیلی ہوئی ہے صرف قدیم جہمیہ کا تھا جن کو علماءِ اسلام کافر کہا کرتے تھے' آج کل اتحادی اس مطلق حلول کے عقیدے کی تبلیغ کر رہے ہیں- ان سے پہلے اس قسم کا عقیدہ یا تو فرعون جیسے منکر خدا کے دعاوی میں ملتا ہے یا قرامطہ کے خیالات میں پایا جاتا ہے- ان اتحادیوں کا یہ بھی خیال ہے کہ خالق کا وجود مخلوق کے وجود کا عین ہے- اس خیال کے مطابق ہرگز یہ تصور نہیں کیا جا سکتا کہ خدا نے اپنی ذات کے سوا کوئی اور چیز پیدا کی ہو یا کسی دوسری کائنات کا پروردگار رہا ہو- ان اتحادیوں کی باتیں اتنی مبہم ہیں کہ بسا اوقات کوئی اُن کا صحیح مفہوم معلوم نہیں کر سکتا- ان کا کہنا یہ ہے کہ تمام ذوات کل کی کل عدم میں ثابت ہیں اور وہ ازلی اور ابدی ہیں- یہ لوگ حیوانات ونباتات ومعدنیات بلکہ حرکات وسکنات کی ذوات تک کو ازلی وابدی اور اُنہیں عدم میں ثابت مانتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ کا وجود اُن پر فائض ہے اسی لیے ان ذوات کا وجود گویا حق کا وجود ہے اس کے باوجود ان کی ذوات حق کی ذات نہیں ہوتیں- اس طرح وہ وجود اور ثبوت کے درمیان فرق کرتے ہیں----- یہ تمام مذکورہ بالا نظریے صاحب فصوص الحکم ہی کے ہیں- خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کس عقیدے پر اس شخص کی موت ہوئی ہے- خدا ہم سب زندوں اور مُردوں کی مغفرت کرے-----"

آگے چل کر ابن تیمیہ لکھتے ہیں:

"---دوسری اصل یہ ہے کہ حادث ومحدث مخلوقات کا وجود عین خالق کا وجود ہے- نہ تو وہ

خالق کا غیر ہیں اور نہ ہی اس کے سوا کچھ اور ہیں- اس اصل کو سب سے پہلے ابن عربی نے ہی پیش کیا- وہ اس معاملے میں بالکل منفرد ہیں- ان سے پہلے کسی شیخ اور عالم نے یہ نظریہ پیش نہیں کیا- آج کل کے تمام اتحادی اسی نظریہ کی پیروی کر رہے ہیں لیکن ان سب میں ابن عربی اسلام سے قریب تر ہیں- اکثر جگہوں پر اُن کا کلام بہتر ہوتا ہے کیونکہ وہ ظاہر اور مظاہر کے درمیان فرق کرتے ہیں اور اوامر ونواہی اور امور شریعت کو اپنی جگہ پر برقرار رکھتے ہیں اور مشائخ امت نے جن اخلاق وعبادات کی تعلیم دی ہے ان پر عمل کرنے کا حکم دیتے ہیں' اسی لیے وہ عابد وزاہد لوگ جو اُن کے کلام کو اپنا رہنما اور رہبر مانتے ہیں اپنے سلوک کی منزلوں کو طے کرنے میں ان کے کلام سے بہت زیادہ فائدہ اٹھاتے ہیں- حالانکہ یہ لوگ ابن عربی کے پیش کردہ حقائق کو نہیں سمجھ سکتے ہیں اور جو لوگ سمجھ سکتے ہیں ان پر ان کے خیالات ونظریات کی حقیقت کھل جاتی ہے''(٦)

الرد الاقوم علیٰ ما فی کتاب فصوص الحکم میں امام ابن تیمیہ شیخ الاکبر کے نظریات پر کڑی تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''کتاب فصوص الحکم میں جو باتیں مذکور ہیں وہ ظاہری اور باطنی کفر پر مشتمل ہیں جس کا باطن ظاہر سے بھی بدتر ہے''(٧)

ابن تیمیہ کو شیخ الاکبر کے ان اقوال پر کہ: ☆''اشیا عدم میں موجود تھیں''۔☆''حق کا ظہور ہو گیا ہے اور اس کی تجلیات نمودار ہوگئی ہیں اور جو کچھ نظر آ رہا ہے وہ حق تعالیٰ کے مظاہر ہیں''۔☆اس کے علاوہ ان کے ''اعیان ثابتہ'' کے تصور پر اعتراض تھا۔ نیز ابن عربی کی ولائت ونبوت کی تشریح پر بھی ابن تیمیہ کو اعتراض تھا۔(٨)

مندرجہ بالا تمام اعتراضات اپنی جگہ اہم سہی لیکن سر دست ہم ''وحدت الوجود'' پر ابن تیمیہ کے اعتراضات کا جواب تلاش کرتے ہیں- اس سلسلہ میں مولانا محمد حنیف ندوی کی وضاحت کے بعد کسی دلیل ودفاع کی ضرورت نہیں رہتی' وہ لکھتے ہیں:

''ہمارے نزدیک تصویر کا یہ صرف ایک رخ تھا (جو ابن تیمیہ نے پیش کیا یا جو کچھ وہ سمجھے) دوسرا رخ یہ ہے کہ صوفیہ نے وحدت الوجود کے جس تصور کو اپنایا ہے وہ فلسفیانہ وحدت الوجود

سے قطعی مختلف ہے- علامہ ابن تیمیہ کے اعتراضات کا ہدف جو تصور ہے اس سے یقیناً حلول' اباحت' ترکِ عمل اور جبر کے داعیے اُبھرتے ہیں اور اس حد تک ان کی تنقید بالکل بجا' برمحل اور صحیح ہے- لیکن مشکل یہ ہے کہ صوفیہ کی تاریخ' احوال اور مواجید سے اس امر کی تائید نہیں ہو پاتی کہ اس تصور نے لازماً ان میں برائیوں کی تخلیق کی ہے اور زندگی کے بارے میں اس فاسقانہ رجحان کی پرورش کی ہے، بلکہ اس کے برعکس اس گروہ کے اخلاق و سیرت کے سرسری مطالعہ سے یہ چونکا دینے والی حقیقت فکر و نظر کے سامنے آتی ہے کہ ان بزرگوں کی اخلاقی و روحانی سطح کس درجہ اونچی ہے اور یہ حضرات خواہشاتِ نفس کی غلامی سے کس درجہ آزاد ہیں- معلوم ہوتا ہے کہ کسی بھی صورت میں پاکبازوں کا یہ طائفہ عروسِ دنیا کی اداہائے عشوہ و ناز کا اسیر ہونے والا نہیں- یہ حضرات جب "وحدت الوجود" کا نعرۂ مستانہ بلند کرتے ہیں تو ان کا مطلب کسی فلسفہ کا اثبات نہیں ہوتا' ان کی غرض و غائت یہ ہوتی ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کی ذاتِ گرامی کے اور کوئی شےئ حُسن و کمال کے وصف سے متصف نہیں ہے اور یہ کہ ان کی محبت اور ان کا اللہ تعالیٰ سے تعلقِ خاطر تھوڑ ِ غیر کو کسی عنوان برداشت کرنے پر آمادہ نہیں---اس سلسلہ میں ان لوگوں کی عبارتوں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہیے جن سے حلول و اتحاد کی بُو آتی ہے کیونکہ یہ خود بھی ان شطحیات کو درخور اعتنا نہیں جانتے- ان سے ان کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ الفاظ و پیرائیہ بیان کی مجبوریوں کے باوجود اپنی وارداتِ محبت کی تشریح کریں اور یہ بتائیں کہ عشق و محبت کی وادیءِ پُرشوق میں ایک مقام ایسا بھی آتا ہے جہاں سالک اپنی ذات کو بھول جاتا ہے اور اس کی وسیع و بیکراں ذات میں جذب ہو جاتا ہے- ان اصحابِ حال حضرات کی عبارتوں میں منطق و نحو کے تقاضوں کے مطابق معانی و مطالب ڈھونڈنا عبث ہے' یہاں تو کچھ ذوق و وجدان کی رہنمائی ہی میں آگے بڑھنا مفید ثابت ہو سکے گا-" (۹)

ابو عبداللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی ☆(۱۰) اپنی مشہور کتاب میزان الاعتدال میں ابن عربی کے بلند بانگ دعوؤں کو ان کی ریاضت اور ان کی گوشہ نشینی کے بُرے اثرات کے باعث خرافات ہی سمجھا ہے' اُن کی پراگندگی خیالات اور کم عقلی پر محمول کیا اور اُن کے متعلق بحث کو یوں ختم کیا ہے کہ "اُن کے بارے میں یہ قول اُن کے حق میں جاتا ہے کہ شاید وہ اولیاء اللہ میں سے ہوں جنہیں مرتے

وقت خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت میں ڈھانپ لیا ہو اور اُن کا خاتمہ خیر و برکت سے ہوا ہو۔'' (۱۱)

علامہ حافظ ابن قیم ☆ (۱۲) کا بھی وحدت الوجود اور ابن عربی کے بارے وہی موقف تھا جو ان کے استاد امام ابن تیمیہ کا تھا- ابن قیم وحدت الوجود پر تنقید کرتے ہوئے اپنی کتاب مدارج السالکین، جلد اوّل، ص ۸۳ پر لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کے سوا ہر چیز کے فنا ہونے کا تصور ان ملحدوں کا تصور ہے جو وحدت الوجود کے قائل ہیں- وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عارفوں اور سالکوں کی انتہائی معراج یہ ہے کہ وہ وحدت مطلقہ میں فنا ہو جائیں اور ہر حیثیت سے وجود کے تکثر و تعدد کی نفی کی جائے یعنی وحدت الشہود برقرار رہے اور عبد کے وجود کا شہود عین وجود رب ہو جائے- ان لوگوں کے نزدیک درحقیقت نہ کوئی رب ہے اور نہ کوئی عبد ہے بلکہ شہود وجود میں فنا ہو کر سب ایک ہو گئے ہیں جو بذات خود واجب الوجود ہے- اس صورت میں ممکن اور واجب دو طرح کے وجود نہیں ہیں- ان کے نزدیک عالمین اور رب العالمین میں کوئی فرق نہیں ہے- وہ شریعت کے امر و نہی کو ان لوگوں کے لیے مقرر کرتے ہیں جو اپنے شہود و فنا سے حجاب میں ہوں- ان کے نزدیک اہل حجاب کے لئے طاعت اور معصیت ہے مگر جب ان کا درجہ بلند ہو جائے تو ان کے تمام افعال طاعت پر مبنی ہوں گے کیونکہ انہیں عالمگیر حقیقت کونیہ کا شہود حاصل ہوگا۔ جب اس سے بھی بلندتر ان کا درجہ ہو جائے تو پھر ان کے لیے طاعت و معصیت کا کوئی فرق نہیں رہے گا- اس وقت وہ دوئی سے آزاد ہوں گے مگر ان کی یہ تمام باتیں تلبیسی اور شرک پر مبنی ہیں، خالص توحید کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہے'' (۱۳)

ابن قیم نے وحدت الوجود کی تردید محض اس بنا پر کی کہ ان کے سامنے شیخ الاکبر کے بیان کردہ حقائق اصل صورت میں نہیں تھے-

ابو محمد عبداللہ بن اسعد بن علی بن سلیمان یافعی یمی مکی اشعری شافعی، ☆ (۱۴) اپنی کتاب مراۃ الجنان میں ابن عربی کے بارے میں رقمطراز ہیں:

''فقیہوں کی ایک کثیر تعداد نے ان کی مذمت و ملامت کی اور ان کے مقابل صوفیاء کے ایک گروہ اور چند فقیہوں نے بھی ان کی مدح و ستائش اور تعظیم و تکریم بھی کی- ان کے بارے میں طعنہ زنی کا سب سے بڑا سبب ان کی کتاب فصوص الحکم ہے- مجھے یہ خبر ملی تھی کہ امام علامہ

ابن زملکانی نے اس کی شرح وتفسیر پر قلم اٹھایا تھا جس سے مشکوک' موانع اور قابل نفرت خطرات دور ہو گئے- ان کے بارے میں میرا مسلک توقف کا ہے- ان کے کاموں کی سزا و جزا میں خدا پر چھوڑتا ہوں' (مراۃ الجنان، جلد چہارم، ص۱۰۰، ۱۰۱)

حافظ ابن کثیر، ☆(۱۵) ابن عربی کی سیاحت وریاضت' علمیت اور شاعری اور دمشق میں قیام کی تفصیل کے بعد لکھتے ہیں:

''ابن عربی نے جو کچھ کہا یا لکھا اس کے معانی کے کئی احتمال ہیں'' (۱۶)

احمد بن یحیٰی ابوالعباس شہاب الدین التلمسانی ☆ (۱۷) نے وحدت الوجود اور خصوصاً ابنِ عربی کے شارح، ابن الفارض کی سخت مخالفت کی۔ حافظ ابن حَجر عسقلانی ☆ (۱۸) وحدت الوجود اور شیخ الاکبر کے زبردست ناقد تھے-

حسین بن عبدالرحمٰن بن محمد المعروف ابن اہدل ☆ (۱۹) ابن عربی کے سخت مخالفوں میں سے تھے- اپنی کتاب **کشف الخطاء** میں توحید کے حقائق اور موحدین کے عقائد اور اشعری اماموں اور ان کے مخالفین' ملحدوں اور بدعتیوں کے بارے میں بحث کے بعد ابن عربی اور ان کے مقلدین پر تنقید کرتے ہیں اور انہیں بدعتی' براعتدال سے تجاوز اور غلو کرنے والے تشبیہ و تجسیمِ ذات کے قائل اور باطنی اور جبری کہتے ہیں- جن کا مقصد محض مسلمانوں کو گمراہ کرنا اور دین میں فتنہ وفساد پیدا کرنا ہے اس کے علاوہ انہیں دینِ محمدی کا ناپابند' کائنات کی قدرت کا قائل اور اللہ تعالیٰ کے جزیات کے علم اور جسمانی حشر ونشر اور حسی عذاب کا منکر لکھتے ہیں- نظریہ وحدت الوجود کا زبردست قائل ہونے کی وجہ سے ان پر کفر کا فتوٰی لگاتے ہیں تاہم ابن عربی کے دیگر مخالفوں کی طرح ان کے علم وفضل میں بلند پایہ ہونے کا بھی اعتراف کرتے ہیں۔ علومِ معقول اور مذاہب مخالفین میں ان کی مہارتِ تامہ کی تعریف کرتے ہیں- (۲۰)

معروف محدث' مورخ اور مفسر ابراہیم بن عمر بن حسن شافعی المعروف برہان الدین بقاعی (۸۰۹ھ-۸۸۵ھ) نے ابن عربی کے افکار ونظریات کی تردید میں **تنبیھہ الغبی الی تکفیر ابن عربی** اور **تحذیر العباد من اھل العناد ببدعت الاتحاد** نامی کُتب لکھیں جن میں تصوف پر بالعموم اور ابن عربی پر بالخصوص تنقید کی ہے- اوّل الذکر کتاب میں انہیں گمراہ کن ملحد منکرِ ذاتِ خداوندی'

کافر اور دہریہ لکھا ہے- دوسری کتاب میں ان کی تکفیر پہ دیئے گئے فتوؤں کو یکجا کیا ہے- تاہم اس تمام طعن طعن اور بدگوئی اور ملامت کے باوجود وہ بھی شیخ الاکبر کے علم وفضل اور مختلف علوم وفنون میں ان کی وسیع معلومات اور بلندی و برتری کے قائل نظر آتے ہیں- (تحذیر العباد من اهل العناد، ص ۲۱۳)

علمائے تشیع میں معروف ایرانی فقیہہ' متکلم' ادیب اور محقق احمد بن محمد المعروف مقدس اردبیلی (التوفی ۹۹۳ھ) نے اپنی کتاب حدیقة الشیعه میں ابن عربی کو چور فلسفی اور سخت سست کہا ہے- حتیٰ کہ کفر کا فتوی بھی لگایا- اسی طرح شیعوں کے ایک اور معروف فقیہہ' محدث اور مفسر محمد بن مرتضیٰ مدعو بہ محسن المعروف مُلّا محسن (۱۰۰۷ھ-۱۰۹۱ھ) نے کلمات مکنونه نامی کتاب میں جو وحدت الوجودی عارفوں کے علوم و معارف پر لکھی' میں ابن عربی کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کے دماغ میں خلل اور فتور تھا اور کہیں لکھا ہے کہ ''وہ گم گشتہ راہ تھے''- اپنی ایک اور کتاب بشارة الشیعه، ص ۱۵۰، میں اُنہیں شیخ اکبر' صوفیاء کا امام' اہل معرفت کا سردار وغیرہ بھی لکھا-

اہل تشیع علماء میں سے ابن عربی کے سب سے بڑے اور شدید ناقد قم شہر کے شیخ الاسلام محمد بن طاہر بن حسین شیرازی نجفی قمی المعروف مُلّا طاہر قُمی (التوفی ۱۰۹۸ھ) تھے- اپنی کتاب تحفة الاخبار کے صفحہ ۵۸ پر لکھتے ہیں:

> ''یہ بات چھپی نہ رہے کہ اس قابلِ نفرت اور کریہہ مذہب کے اصحاب نے اگرچہ اسلامی لبادہ اوڑھ رکھا ہے اور منافقت کے لباس میں اپنے آپ کو چھپا رکھا ہے لیکن اربابِ بصیرت کے نزدیک ان کا کفر یہود و نصاریٰ سے بھی بڑا اور واضح ہے کیونکہ وہ خالق اور مخلوق کی مغائرت (تناقص اور تضاد) کے منکر ہیں جو تمام مذاہب میں ایک لازمی اور بیّن و مسلّمہ امر ہے- یہ گروہ اس عالم کو صفتِ خدا بلکہ عین خدا ہی سمجھتے ہیں اور یہ سب یہی کہتے ہیں کہ ظہورِ کائنات سے پہلے خداوند تعالیٰ بھی ایک وجود مطلق تھا' بعد ازاں وہ اس عالم کی شکل میں آیا' عقل بنا' نفس بنا' زمین و آسمان بنا' حیوان بنا اور اس کے بغیر جو کچھ تھا وہ اجزائے عالم بن گئے''

فتوحات اور فصوص سے مختلف کلمات منتخب کر کے تنقید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ کلماتِ کفر کا ہر کلمہ محی الدین ابن عربی کے کافر ہونے کی ایک واضح دلیل ہے اور جو ان کلمات کفر کے لکھنے یا کہنے والے کو کافر نہ کہے وہ خود بھی بے دین اور ایمان کے دائرے سے خارج ہے-'' (۲۱)

شیعوں کے نامور محدث، فقیہہ اور مبلغ محمد باقر بن محمد تقی المعروف علاّمہ باقر مجلسی (۱۰۳۷ھ-۱۱۱۱ھ) بھی تصوّف، وحدت الوجود اور ابن عربی کے شدید مخالف تھے- اپنی کتاب بھار الانوار میں وجودی صوفیا اور خاص طور پر ابن عربی پر شدید تنقید کی ہے- اپنی ایک اور کتاب عین الحیاۃ میں وجودیوں کو حلولی ثابت کر کے ان پر تنقید کی-

تشیعہ کے طریقہ شیخیہ کے بانی احمد بن زین الدین بن ابراہیم المعروف شیخ احمد احسائی (۱۱۶۶ھ-۱۲۴۳ھ) نے ابن عربی پر کڑی تنقید کی اور انہیں احیائے دین کی بجائے دین کو ہلاک کرنے والا اور کافر لکھا اور امام غزالی کو اس معاملے میں ابن عربی کا استاد گردانا ہے-

اپنے دور کے مشہور عالم اور فقیہہ **قصص العلماء** کے مصنف میرزا احمد بن سلیمان تنکابنی (۱۳۰۲ھ-۱۳۳۵ھ) نے ابن عربی کی مذمت و تکفیر کی اور لکھا کہ اگر ابن عربی کافر نہیں تو پھر کسی صوفی اور کسی کافر کو بھی دین کے دائرے سے خارج نہیں کیا جا سکتا-

عالم، محقق اور **روضات الجنات** کے مصنف میر محمد باقر بن زین العابدین موسوی خوانساری اصفہانی (۱۲۲۶ھ-۱۳۱۳ھ) نے پہلے تو اس کتاب میں ابن عربی کو اہل کشف و شہود کا قطب اور عارفوں کے سلسلے کا رکن عظیم لکھا ہے اور آگے چل کر تنقید شروع کر دی-

ایران کے بہت بڑے شیعی دانا و عالم بزرگ میرزا حسین نوری (۱۲۵۴ھ-۱۳۲۰ھ) نے اپنی مشہور کتاب **المستدرک الوسائل و مستنبط المسائل** میں ابن عربی پر سخت تنقید کی- حتیٰ کہ مُلاّ صدرا کو بھی ابن عربی کی تعریف و توصیف کرنے پر سخت برا بھلا کہا- وہ ابن عربی کو ان کی لکھی ہوئی کتب میں شیعہ عقائد کا دشمن ثابت کرتے ہیں اس لیے ان کی مذمت کرتے ہیں-

کتاب **بعثت النشور** کے مصنف شیخ علی اکبر بن محسن اردبیلی (۱۲۲۹-۱۳۴۶ھ) نے تو اپنوں کو بھی نہیں چھوڑا اور مُلاّ صدرا کو مجلسِ کفر کا صدر- ملا محسن فیض کو اس لیے کافر، لغوگو اور بکواسی کہا کہ اُنہوں نے ابن عربی کی پیروی کی حتیٰ کہ مُلاّ محمد کاظم خراسانی کو جو زمانے بھر کے شیعوں کی تقلید کے مرجع تھے گم کردہ راہ، جبری اور گمراہ سمجھا اور ابن عربی کو تو دین کو ہلاک کرنے والا، بے دین، گمراہ لکھا اور ان کی کتاب **فصوص الحکم** کو **فضول الحکم** لکھا-(۲۲)

÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷

حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی المعروف مجدد الف ثانیؒ اور شیخِ اکبرؒ:

محی الدین ابن عربیؒ اور شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ ☆(۲۳) کے بارے میں یہ بات بڑے شدومد سے بیان کی جاتی ہے کہ حضرت مجدد نے نہ صرف شیخ الاکبر کی مخالفت کی بلکہ ان کے مقابلہ میں اپنا نیا نظریہ وحدت الشہود پیش کیا۔مخالفت کے باب میں کہاں تک صداقت ہے؟ اس کی وضاحت تو آگے آئے گی سردست ہم یہ دیکھتے ہیں کہ وحدت الشہود ہے کیا اور وحدت الوجود کی نسبت اس میں کوئی فرق یا اشتراک ہے نیز یہ نظریہ کس تناظر میں معرضِ وجود میں آیا۔ڈاکٹر الف،د،نسیم لکھتے ہیں:

''اکبری دورِ الحاد میں جاہل صوفیہ اور علماء نے وحدت الوجود کی غلط تعبیرات سے مسلمانوں میں جو غلط فہمیاں پھیلا رکھی تھیں اور اس سے اتحاد و دخول اور ہر شے کے خدا ہونے کی باتیں عام کر رکھی تھیں اور ان سے لوگوں کو بچانے کے لیے انہوں نے اس اصطلاح وحدت الوجود ہی کو بدل دیا اور اس کی جگہ وحدت الشہود کی اصطلاح رائج کر دی جس کا مقصود وہی ہے جو ثقہ وجودی صوفیہ کہتے ہیں۔''(۲۴)

حضرت مجددؒ کے والد مخدوم عبدالاحدؒ، مرشد خواجہ باقی باللہؒ اور خود حضرت مجدد شروع میں وحدت الوجود کا مسلک رکھتے تھے۔حضرت خواجہ باقی باللہؒ کے بارے میں رود کوثر میں لکھا ہے:

''حضرت خواجہ باقی باللہ کا مسلک شروع میں وحدت الوجود کا تھا اور گلزارِ ابرار میں لکھا ہے کہ ان کے دہلوی جانشین مرزا حسام الدین احمد نے اسے جاری رکھا لیکن حضرت مجدد لکھتے ہیں کہ آخری ایام میں خواجہ نے یہ مسلک ترک کر دیا تھا''(۲۵)

وجود سے شہود یا عین سے ظِل کی جانب تبدیلی اور مراجعت کی تفصیل خود مجددؒ صاحب یوں بیان کرتے ہیں:

''کم عمری میں فقیر کا اعتقاد بھی توحید وجودی والوں کے مشرب جیسا تھا۔فقیر کے والد صاحب قدس سرہٗ بھی بظاہر اس مشرب پر تھے اور باطن کی پوری نگرانی کے باوجود جو بے کیفی کے مرتبہ کی طرف رکھتے تھے ہمیشہ اسی طریقہ کے مطابق مشغول رہے اور فقیہہ کا بیٹا نصف فقیہہ کے مطابق فقیر بھی اسی مشرب سے ازروئے علم حظِ وافر اور لذتِ عظیم رکھتا تھا یہاں تک

کہ حق سبحانہٗ تعالیٰ نے فقیر کو طریقہ نقشبندیہ کی تعلیم فرمائی۔ اس طریقہ عالیہ میں محنت کرنے کے بعد تھوڑی مدت ہی میں توحید وجودی منکشف ہوگئی اور اس کشف میں غلو پیدا ہوگیا اور اس مقام کے علوم و معارف کثرت سے ظاہر فرمائے گئے اور اس مرتبہ کی باریکیوں سے کوئی کم ہی باریکی ہوگی جو منکشف نہ کی گئی ہو۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ کے معارف کے دقائق پورے طور پر ظاہر اور واضح کئے گئے اور تجلی ذاتی جسے فصوص نے بیان فرمایا ہے اور نہایت عروج اسی کو قرار دیا ہے اور اسی تجلی کی شان میں فرماتے ہیں کہ اس کے بعد کچھ نہیں سوائے عدم محض کے' سے بھی مشرف فرمایا اور اس تجلی ذاتی کے علوم و معارف جنہیں شیخ کے خاتم الولائیۃ کے ساتھ مخصوص کیا ہے وہ تفصیل سے معلوم ہوئے اور سکرِ وقت اور غلبہ حال اس توحید وجودی میں اس حد تک پہنچ گیا کہ بعض خطوط میں جو حضرت خواجہ کی خدمت میں لکھے گئے' یہ دو بیت بھی جو سراسر سکر ہیں لکھ ڈالے:

اے دریغا کہ ایں شریعت ملت اعمائی است ملت ما کافری و ملت ترسائی است

کفر و ایماں زلف وروئے آں پری زیبائی است کفر و ایماں ہر دو اندر راہ ما یکتائی است

(افسوس کہ یہ شریعت نابینوں کی ملت ہے۔ ہماری ملت تو کافر و ترسا کی ملت ہے۔ کفر و ایمان اس پری چہرہ کی زلف اور چہرہ کا نام ہے۔ ہمارے مسلک میں کفر اور ایمان یکتا ہیں)

یہ حال مدت دراز تک رہا اور مہینوں سے سالوں تک پہنچ گیا کہ اچانک حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ کی عنایت بے نہایت غیب کی کھڑکی سے ظاہر ہوئی اور بے چون و بے چگوں کی روپوشی کے پردہ کو اٹھا دیا۔ پہلے جو علوم اتحاد اور وحدت الوجود کی خبر دیتے تھے زائل ہونا شروع ہوگئے اور احاطہ اور ذاتِ حق کا قلب مومن میں سما جانا اور قرب و معیتِ ذاتی یہ سب کچھ جو اس مقام میں منکشف ہوئے تھے روپوش ہوگئے اور پورے یقین سے معلوم ہوگیا کہ صانع عالم جل شانہ کے لیے عالم کے ساتھ ان مذکورہ نسبتوں میں سے کوئی نسبت بھی ثابت نہیں۔ ذات حق سبحانہ تعالیٰ کا احاطہ اور قرب ذاتی نہیں بلکہ علمی ہے۔'' (۲۶)

یہ فرق جو پہلے مقام سے دوسرے مقام پر پہنچنے سے حضرت مجددؒ کو نظر آیا بقول ڈاکٹر الف' د' نسیم مشاہداتی نہیں علمی ہے جس کو وجودی صوفیا عین حق کہتے تھے۔ مجدد صاحب نے اسے ظلِ حق کہنا

شروع کر دیا۔ یہ عین وظل کا علمی فرق ہی وجود وشہود میں تمیز پیدا کر رہا ہے۔'' (۲۷)

اسی طرح حضرت مجدد قدس سرہٗ کی تصنیف ''رسالہ تہلیلیہ'' جس میں کلمہ طیبہ کے متعلق مختلف امور سے بحث ہے' اس میں نہ صرف صوفیائے کبار کی مشہور تصانیف سے طویل اقتباسات لیے ہیں بلکہ صوفیائے کرام اور قطب واوتاد کے متعلق آپ نے اسی نقطہ نظر کا اظہار کیا ہے جو شیخ اکبر کا تھا۔ رسالہ مذکور کے صفحہ ۲۷ پر لکھتے ہیں:

''وہ صوفیائے کرام جو خدا پرست' صاحب کشف اور شمع نبوت سے نور حاصل کرتے ہیں زمین ان کے سہارے قائم ہے اور انہیں کے فیض و برکات سے اہل زمین پر نزول رحمت ہوتا ہے۔ انہیں کی وجہ سے لوگوں پر بارش برسائی جاتی ہے اور انہیں کی بدولت ان کو رزق دیا جاتا ہے''

شیخ محمد اکرام لکھتے ہیں کہ ''رسالہ تہلیلیہ کی تالیف کے بعد حضرت مجدد نے سلسلہ نقشبندیہ میں بیعت کی جس میں شرع کی پابندی ہے۔ اس بیعت کے بعد آپ نے وحدت الشہود کی توضیح کی اور ابن العربی سے بعض باتوں میں اختلاف کیا' لیکن ابتدائی اثرات کو جڑ سے اکھیڑ دینا آسان نہیں ہوتا۔ ابن العربی نے قطب' ابدال' اوتاد کا جو باطنی نظام پیش کیا تھا اور جس کا پرتو رسالہ تہلیلیہ کی مندرجہ بالا عبارت میں نظر آتا ہے۔ اس کا اثر آپ پر تمام عمر رہا بلکہ آپ نے اس میں اضافہ کر کے (اور قرآن مجید کی ایک آیت کی تاویل کر کے) قیومیت کا نظریہ پیش کیا جسے بعد والوں نے بہت وسعت دی اور بے حد غلو کیا۔ یہ نظریہ فی الحقیقت ابن العربی کے ان اثرات کا ماحصل ہے جن کے بیج مخدوم صاحب (ان کے والد) کی صحبت اور تعلیم باطنی کے زمانے میں بوئے گئے۔'' (۲۸)

حضرتِ مجددؒ کے نظریہ ''قیومیت'' سے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ جیسے متعدد علماء اور صوفیاء کو اختلاف رہا ہے۔ یہ نظریہ تو شیخ الاکبرؒ کے نظریات وعقائد سے بھی آگے کی چیز دکھائی دیتا ہے۔ پروفیسر عزیز احمد اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''تصوف کی سطح پر انہوں نے ''قطب'' کے تصور کو ''قیوم'' سے مبدل کر دیا تھا جس کی تشریح بعد میں ان کے مسترشدین نے یہ کی کہ ''قیوم'' وہ درویش صوفی ہے جو تمام اسماء' اصول' اقوال اور خصائص پر قدرت رکھتا ہو۔ جو خدا کے تمام عابدوں کے ارادے اور طرزِ عبادت پہ متصرف ہو اور عبد اور معبود کے مابین واسطہ کا کام کرے''۔ اگرچہ انہوں نے خود

''قیوم'' ہونے کا دعوٰی نہیں کیا لیکن ان کے پیروان کو اور ان کے بعد آنے والے دو مسترشدین کو قیوم کے مرتبہ پر فائز سمجھتے تھے- یہ بات راسخ العقیدہ علماء کے نزدیک شرک و بدعت کے مترادف تھی کیونکہ ''قیوم'' کو جن قوتوں کا مالک قرار دیا گیا تھا وہ اسے نہ صرف نبوت بلکہ خدائی کے ہم مرتبہ بنا دیتی تھیں''(۲۹)

سردست ہمیں حضرت مجدد کے اس نظریہ سے بحث نہیں- (اس نظریہ کے تفصیلی مباحث کے لئے ملاحظہ فرمائیں: رود کوثر از شیخ محمد اکرام، صفحات ۲۹۲ تا ۳۰۸) ہم حضرت مجدد کے نظریہ وحدت الشہود کے بارے میں کچھ معروضات پیش کرنا چاہتے ہیں- وحدت الشہود' حضرت مجدد کے نزدیک انکشافی درجہ رکھتا ہے- آپ کا قول ہے:

''مقام وحدت الوجود سالک کو ابتدائے سلوک میں پیش آتا ہے جس سے اسے گزر جانا چاہیے اور جو شخص اس سے بالاتر مقام پر عروج کرتا ہے' اس پر مقام وحدت الشہود منکشف ہوتا ہے- جو شرع کے عین مطابق ہے-''(۳۰)

حضرت مجددؒ وحدت الوجود سے وحدت الشہود کی جانب مراجعت کو بھی کشف والہام قرار دیتے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:

''اگرچہ یہ احوال پوشیدہ رکھنے کے لائق تھے لیکن ان کے ظاہر کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگوں کے علم میں یہ بات آ جائے کہ فقیر نے اگر وحدتِ وجود کے نظریہ کو قبول کیا تھا تو کشف کی بنا پر ایسا کیا تھا نہ کہ از روئے تقلید اور اگر اب انکار ہے تو یہ بھی الہام کے باعث ہے جو انکار کی گنجائش نہیں رکھتا اگرچہ الہام دوسرے پر حجت نہیں ہے''

(مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۳۱)

وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں کون سا بنیادی فرق ہے یا یہ ایک ہی سلسلہ کی کڑیاں ہیں- صاحب رود کوثر لکھتے ہیں:

''وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے دونوں فلسفے ذاتِ باری اور مخلوقات کے تعلقات کو بیان کرتے ہیں اور ان کے مطالب کے لحاظ سے انہیں توحید عینی اور توحید ظلی بھی کہہ سکتے ہیں''- تصوف کی ایک مشہور کتاب تذکرہ غوثیہ میں دونوں کا فرق اس طرح سمجھایا گیا

ہے: ''وجود یعنی ہستیِ حقیقی واحد ہے لیکن ایک ظاہر وجود ہے اور ایک باطن - باطن وجود ایک نور ہے جو جملہ عالم کے لئے بمنزلہ ایک جان کے ہے - اسی نورِ باطن کا پرتو ظاہر وجود ہے جو ممکنات کی صورت میں نظر آتا ہے - ہر اسم وصفت وفعل کہ عالمِ ظاہر میں ہے' ان سب کی اصل وہی وصفِ باطن ہے اور حقیقت اس کثرت کی وہی وحدت صرف ہے - جسے امواج کی حقیقت عین ذات دریا ہے - حاصل یہ کہ جملہ افرادِ کائنات تجلیاتِ حق ہیں - سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَشْیَاءَ وَھُوَ عَیْنُھَا - اور اس کثرت اعتباری کا وجود اسی وحدتِ حقیقی سے ہے - اَلْحَقُّ مَحْسُوْس" وَالْخَلْقُ مَعْقُوْل. یہ خلاصہ وحدت الوجود کی تقریر کا ہے اور وحدت الشہود کا بیان یہ ہے کہ وجودِ کائنات اور ظہور آثار وصفات مختلفہ' واحد مطلق کی ذات و صفات کا ظل وعکس ہے جو عدم میں منعکس ہو رہا ہے اور یہ ظل عین صاحب ظل نہیں ہے بلکہ محض ایک مثال ہے''(۳۱)

وحدت الوجود (ہمہ اوست) اور وحدت الشہود (ہمہ از اوست) میں کون سا نازک فرق ہے اسے ہم مکتوباتِ حضرت مجدد میں تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں - حضرت موصوف نے اپنے ایک عقیدت مند شیخ عبدالعزیز جونپوری کے استفسار کے جواب میں ایک نہایت ہی عالمانہ مکتوب لکھا جس میں اس نزاعی مسئلہ پر روشنی ڈالی - فرماتے ہیں:

---اس امر میں جو کچھ اس فقیر پر مکشوف ہوا ہے - مفصل آپ کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے - پہلے شیخ اکبر ابن عربی کا مذہب بیان کروں گا جو متاخرین صوفیا کے امام ہیں - اس کے بعد اپنا مسلک واضح کروں گا - شیخ محی الدین ابن عربی فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ کے اسماء و صفات اس کے عین ذات ہیں یعنی ان میں باہم دگر کسی نوع کی مغائرت (دوئی) نہیں ہے - نیز یہ اسماء وصفات آپس میں بھی عین یک دگر ہیں مثلاً (الف):

(۱) - صفاتِ علم وقدرت وارادہ تینوں عین ذات ہیں - (۲) - اور ذاتِ باری تعالیٰ عین وجودِ باری تعالیٰ ہے - (۳) - اور یہ صفات آپس میں بھی عین یک دگر ہیں - یعنی ذاتِ حق میں تعدد وتکثر کا کوئی نام ونشان نہیں ہے اور نہ کسی قسم کا تمایز یا تباین ہے - اگر ایسا ہو تو وحدت باطل ہو جائے گی -

(ب) لیکن اسماء صفات اور شئون و اعتبارات نے حضرتِ علم میں اجمالی اور تفصیلی رنگ میں تمایز اور تباین (امتیاز) پیدا کیا ہے۔ تمیزِ اجمالی کو اصطلاح میں تعین اوّل اور تمیزِ تفصیلی کو تعین ثانی کہتے ہیں۔

(ج) تعین اوّل کو اصطلاح میں وحدت سے تعبیر کرتے ہیں اور اسی تعین اوّل کو حقیقت الحقائق یا حقیقتِ محمدیہ بھی کہتے ہیں۔ تعین ثانی کو اصطلاح میں واحدیت کہتے ہیں اور اسی کو حقائق ممکنات سے بھی تعبیر کرتے ہیں یعنی واجب تعالیٰ کا علم تفصیلی ہی تمام ممکنات کی حقیقت ہے۔

(د) ان حقائق ممکنات کو اصطلاح میں اعیان ثابتہ سے تعبیر کرتے ہیں۔

(ہ) ان ہر دو تعیناتِ علمی (وحدت اور واحدیت) کو مرتبہ وجوب میں ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان اعیان ثابتہ نے وجود خارجی کی خوشبو بھی نہیں سونگھی۔

(و) خارج میں احدیت مجردہ کے سوا اور کچھ موجود نہیں ہے۔ یہ کثرت جو دکھائی دیتی ہے ان اعیانِ ثابتہ کا عکس ہے جو ظاہر وجود کے آئینہ ہیں، جس کے سوا اور کچھ موجود نہیں ہے۔ منعکس ہوا ہے۔

(ز) ان اعیانِ ثابتہ کے عکوس (اشیائے کائنات) نے محض تخیلی وجود پیدا کر لیا ہے۔ جس طرح آئینہ میں زید کی صورت منعکس ہو کر بظاہر ایک طرح کا تخیلی وجود پیدا کر لیتی ہے (حالانکہ درحقیقت آئینہ میں کچھ بھی نہیں) یعنی اس عکس (صورتِ زید) کا وجود خیال کے سوا اور کہیں ثابت نہیں ہے۔ آئینہ میں نہ تو کسی شے نے حلول کیا ہے اور نہ کوئی شے اس پر منقش ہوئی ہے۔ اگر کچھ منقش ہوا ہے تو تخیل میں ہوا ہے جو آئینہ میں وہمی طور پر ظاہر ہوا ہے۔

(ح) یہ متخیل اور متوہم عکس (عالم خارجی) چونکہ صنعتِ ایزدی ہے اس لیے بڑا استحکام اور ثبات رکھتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ رفع وہم و تخیل سے رفع نہیں ہو سکتا۔ ثواب اور عذاب (بدی) اس عکس پر مرتب ہوتا ہے۔

(ط) یہ کثرت جو خارج میں نظر آتی ہے تین اقسام میں منحصر ہے۔ قسم اوّل تعینِ روحی، قسم دوم تعینِ مثالی اور قسم سوم تعینِ جسدی، جس کا تعلق عالم شہادت (کائناتِ محسوس) سے

ہے۔ان تعینات سہ گانہ کو تعیناتِ خارجیہ بھی کہتے ہیں اور ان کو مرتبہءِ امکان میں ثابت کرتے ہیں۔

(ی) چونکہ حق تعالیٰ کی ذات اور اس کے اسماء وصفات کے سوا جو کچھ عین ذات ہیں۔ شیخ اکبر کے نزدیک کائناتِ خارجی کا وجود ثابت نہیں ہے اور انہوں نے صورتِ علمیہ کو اس صورت کا عین سمجھا ہے نہ کہ شبح (مثال) نیز اعیان ثابتہ کی صورتِ منعکسیہ کو جو ظاہر وجود کے آئینہ میں نمودار ہوئی ہے' ان اعیانِ ثابتہ کا عین تصور کیا ہے نہ کہ ان کی شبح (مثال)۔ اس لیے عقلاً عینیت کا حکم کیا ہے یعنی کائنات عینِ خدا ہے اور خدا عینِ کائنات ہے۔(۱)۔ کائنات' عین اعیانِ ثابتہ ہے۔(۲)۔اعیانِ ثابتہ' عین علم باری تعالیٰ ہے۔(۳)۔علم باری تعالیٰ عین ذات باری تعالیٰ ہے اس لیے کائنات عین ذاتِ باری تعالیٰ ہے اس کو اصطلاح میں ''ہمہ اوست'' کہتے ہیں۔''

یہ ہے شیخ کے مذہب کا بیان اجمالی طور پر مسئلہ وحدت الوجود میں' اب میں اپنا مذہب بیان کرتا ہوں:

واجب الوجود کی صفاتِ ہشت گانہ (حیات' علم' قدرت' ارادہ' خلق' سمع' بصر اور کلام) جو اہلِ حق کے نزدیک خارج میں موجود ہیں' حق تعالیٰ کی ذات سے خارج میں متمیز ہیں لیکن یہ امتیاز بھی ذات وصفات کی طرح بیچون وبچگون ہے۔اسی طرح یہ صفات بھی ایک دوسری سے متمیز ہیں۔اگرچہ یہ تمیز بھی بیچون وبچگون ہے یعنی ہم یہ تو جانتے ہیں کہ ذات وصفات میں امتیاز ہے لیکن اس امتیاز کی کیفیت بیان نہیں کرسکتے۔اِنَّــہٗ اَلْـوَاسِـعُ بِـالْـوُسْـعِ الْـمَـجْـهُـوْلِ الْـكَـيْـفِيَّـة کیونکہ اللہ تعالیٰ کائنات کو اس طرح محیط ہے کہ اس کے احاطہ کی کیفیت فہم انسانی سے باہر ہے اس لیے ذات وصفات میں جو امتیاز ہے وہ بھی فہم انسانی سے بالاتر ہے کیونکہ تبعُض' تجزی' تحلیل یا ترکیب کا اس کی جناب میں گزر نہیں ہوسکتا اور نہ وہاں حال اور محل کی گنجائش نکل سکتی ہے۔مختصر یہ کہ ذات باری تعالیٰ ممکن کے صفات واعراض سے منزہ ہے۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ'' فی الذات ولا فی الصفات ولا فی الافعال'' یعنی ذات' صفات اور افعال میں کوئی ممکن اس کی مثال نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی ذات و

صفات فہم انسانی سے بالاتر ہیں۔

(ب)۔اس بے چونی اور بیچگونی کے باوجود حق تعالٰی کے اسماء وصفات نے مرتبہ علم میں تفصیل وتمیز پیدا کی ہے اور ہر صفت اور ہر اسم متمیزہ کے لیے مرتبہ علم میں ایک مقابل اور نقیض ہے۔مثلاً مرتبہ علم میں صفتِ علم کا مقابل اور نقیض عدم علم ہے جس کو جہل سے تعبیر کر سکتے ہیں۔اس طرح صفتِ قدرت کا مقابل عدم قدرت ہے جسے عجز کہ سکتے ہیں وقس علی هذا۔

(ج)۔ان عدمات متقابلہ نے بھی حق تعالٰی کے علم میں تفصیل وتمیز پیدا کی ہے اور اسی بنا پر اپنے متقابلہ اسماء وصفات کے آئینے اور ان کے عکوس کے مظاہر بن گئے ہیں۔فقیر کے نزدیک وہ عدمات مع عکوسِ اسما حقائق ممکنات ہیں بالفاظ دگر وہ عدمات ان ماہیات کے لیے بمنزلہ مواد ہیں اور وہ عکوس اس مواد میں بمنزلہ صور حلول کردہ ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے:

(الف)۔شیخ اکبر کے نزدیک حقائق ممکنات وہ اسماء وصفات ہیں جو مرتبہ علم میں ایک دوسرے سے متمیز ہیں۔ب)۔فقیر کے نزدیک حقائق ممکنات وہ علامات ہیں جو نقیضِ اسماء و صفات ہیں مع عکوس اسماء وصفات جو مرتبہ علم میں ان عدمات کے آئینہ میں ظاہر ہوئے ہیں۔جب حق تعالٰی نے یہ چاہا کہ ان ماہیات میں سے کسی ماہیت کو وجودِ ظلی کے ساتھ (جو پرتو ہے وجودِ مطلق کا) متصف کر کے خارج میں موجود کر دے تو اس ماہیت پر اپنے وجود کا پرتو ڈالا اور اس طرح اس کو آثار خارجیہ کا مبداء بنایا پس خارج میں ممکن کا وجود حق تعالٰی کے وجود اور اس کے کمالات کا ظل یا عکس یا پرتو ہے مثلاً ممکن الوجود کا علم واجب الوجود کے علم کا پرتو ہے جو اپنے مقابل میں منعکس ہوا اور ممکن الوجود کی قدرت بھی ظل ہے یا پرتو ہے واجب الوجود کی قدرت کا جو عجز میں (جو اس کا مقابل ہے) منعکس ہوا ہے۔اسی مضمون کو نظامی نے یوں ادا کیا ہے:

نیا و روم از خانہ چیزے نخست	تو دادی ہمہ چیز و من چیز تست

یعنی میرا وجود خانہ زاد یا ذاتی نہیں ہے جسے میں خودی سے تعبیر کرتا ہوں یہ "من" یا یہ "انا"

بھی تیرا ہی عطا کردہ ہے یعنی میری ماہیت تو عدم ہے میں اگر موجود ہوں تو تیرے موجود کرنے سے۔ لیکن فقیر کے نزدیک کسی شئے کا عکس یا ظل یا پرتو' اس شئے کا عین نہیں ہے۔ بلکہ اس کا شبح و مثال ہے اور منطقی طور پر ثابت ہے کہ ظل اور ذی ظل' عین یک دگر نہیں ہو سکتے یعنی ان میں مغائرت پائی جاتی ہے اور چونکہ وہ غیر یک دگر ہیں اس لیے ایک کو دوسرے پر حمل نہیں کر سکتے یعنی یہ نہیں کہہ سکتے کہ کائنات' حق (خدا) ہے یا حق کائنات ہے۔ غور کرو: حق تعالیٰ ذی ظل ہے یعنی واجب الوجود ہے۔ کائنات' ظل ہے یعنی ممکن الوجود' ذی ظل اور ظل میں غیریت پائی جاتی ہے۔ اس لیے یہ کائنات عین خدا نہیں ہے۔ پس فقیر کے نزدیک ممکن الوجود' کبھی ہرگز واجب الوجود کا عین نہیں ہو سکتا اور اس لیے ممکن کو واجب پر حمل نہیں کر سکتے کیونکہ ممکن کی ماہیت' عدم ہے اور واجب کی حقیقت' وجود ہے۔ اور وہ عکس جو اسماء وصفات سے اس عدم میں منعکس ہوا ہے وہ ان اسماء وصفات کا شبح (مثال) ہے نہ کہ ان کا عین۔ پس ہمہ اوست کہنا درست نہیں ہے بلکہ ہمہ باوست کہنا درست ہوگا یعنی جو کچھ کمالات' ممکن میں پائے جاتے ہیں وہ سب حق تعالیٰ کی بارگاہِ عالیہ سے عطا ہوئے ہیں اور حق تعالیٰ ہی کے کمالات کا ظل یا عکس ہیں یہی مطلب ہے اس آیت شریفہ کا: اللّٰہُ نُـــورُ السَّـــمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اللہ ہی آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس کے سوا سب ظلمت ہی ظلمت ہے اور ایسا ہونا بالکل قرینِ عقل ہے کیونکہ ماسوای اللہ عدم ہے اور عدم' ظلمت سے لبریز ہے بلکہ ظلمت ہی کا دوسرا نام عدم ہے۔ پس شیخ محی الدین ابن عربی کے نزدیک عالم بتمامہ ان اسماء وصفات سے مراد ہے جنھوں نے خانہءِ علم میں تمیز پیدا کر کے ظاہر وجود کے آئینہ میں نمود و نمائش حاصل کی ہے لیکن فقیر کے نزدیک عالم بتمامہ ان عدمات سے مراد ہے جن میں حق تعالیٰ کے اسماء وصفات منعکس ہوئے ہیں اور وہ عدمات ان عکوس کے ساتھ حق تعالیٰ کی ایجاد سے خارج میں موجود ہو گئے ہیں۔ چونکہ عالم کی ماہیت عدم ہے اس لیے ظلمت' شر' خبث اور نقص اس کی ذات میں داخل ہے۔ اسی نکتہ کو اس آیت میں واضح کیا گیا ہے مَـــا اَصَـــابَکَ مِـــن حَسَـنَةٍ فَـمِنَ اللّٰہِ وَمَـا اَصَابَکَ مِنْ سَیِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِکَ۔ اے انسان! جو کچھ بھلائی تجھے پہنچتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے (کیونکہ وہ ذاتِ پاک منبع خیر

ہے) اور جو کچھ برائی تجھے پہنچتی ہے وہ تیرے ہی نفس کی طرف سے ہے (کیونکہ نفس منبع ء سوء و شر ہے) پس اس تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ عالمؑ وجودِ ظلی کے ساتھ خارج میں موجود ہے اور حق تعالیٰ وجود حقیقی کے ساتھ یعنی بذات خود خارج میں موجود ہے- چونکہ عالمؑ حق تعالیٰ کا ظل ہے اس لیے ہم اسے عین حق نہیں کہہ سکتے اور نہ ایک دوسرے پر حمل کر سکتے ہیں- کسی شخص مثلاً زید کے ظل کو زید کا عین نہیں کہہ سکتے اگر چہ یہ ضرور ہے کہ اگر ذی ظل کا جواز کا وجود نہ ہو تو ظل کا وجود بھی نہیں ہو سکتا یعنی ظل اپنے وجود کے ذی ظل کا محتاج ہے- اگر یہ کہا جائے کہ شیخ اکبر اور ان کے اتباع بھی عالم کو حق سبحانہٗ کا ظل تسلیم کرتے ہیں تو ان کے اور میرے مسلک میں کیا فرق ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حضرات کائنات کے وجودِ ظلی کو موہوم قرار دیتے ہیں یعنی اس کا وجود صرف وہم و خیال کے درجہ میں تسلیم کرتے ہیں اور وجودِ خارجی کی خوشبو بھی اس کے حق میں یہ تجویز نہیں کرتے- یہ حضرات عالم کثرت کو وجود مطلق کا ظل تو تسلیم کرتے ہیں لیکن اس ظل کو موہوم مانتے ہیں اور خارج میں صرف حق تعالیٰ ہی کو موجود حقیقی جانتے ہیں- یہ حضرات چونکہ ظل (کائنات) کے لیے وجودِ خارجی ثابت نہیں کرتے اس لیے اس کو اصل (ذی ظل یعنی واجب تعالیٰ) پر حمل کرنے میں بھی کوئی تامل نہیں کرتے کیونکہ ان کے نزدیک دوسرا تو موجود ہی نہیں ہے- یہ فقیر چونکہ ظل (کائنات) کو خارج میں موجود جانتا ہے اس لیے اس کو ذی ظل پر حمل کرنے کی جسارت نہیں کرتا- فقیر اور یہ حضرات دو باتوں میں متفق ہیں: (۱)- کائنات کا وجود ظلی ہے حقیقی یا مستقل نہیں ہے- (۲)- ظل کا وجود ذی ظل پر موقوف ہوتا ہے- اس لیے کائنات اپنے وجود میں حق تعالیٰ کی محتاج ہے لیکن ان میں اور مجھ میں فرق یہ ہے کہ یہ فقیر اس ظل یا ظلی وجود کو خارج میں موجود مانتا ہے اور یہ حضرات اس ظل کو موہوم قرار دیتے ہیں یعنی صرف وہم و تخیل میں تسلیم کرتے ہیں خارج میں احدیت مجردہ (ذات حق) کے سوا کسی کو موجود نہیں جانتے بلکہ حق تعالیٰ کی صفات ہشت گانہ کو بھی مرتبہ علم کے علاوہ خارج میں تسلیم نہیں کرتے- ان کے مقابلے میں علمائے ظاہر نے افراط کا پہلو اختیار کر لیا یعنی کائنات کو حقیقی معنی میں موجود سمجھ لیا- اس افراد و تفریط میں ''حق متوسط'' اس فقیر کے حصہ میں آیا ہے الحمد للہ علی ذٰلک- اگر

قائلینِ وحدت الوجود ظل کو خارج میں تسلیم کر لیتے تو عالم کے خارجی وجود کا انکار نہ کرتے اور اگر علمائے ظاہر اس سِرّ سے واقف ہوتے ہیں کہ عالم ظِل ہے اسماء وصفات کا تو ممکن کے لیے حقیقی وجود ثابت نہ کرتے۔ میرا مسلک یہ ہے کہ عالم کو حق تعالیٰ کے ساتھ کسی قسم کی مناسبت نہیں ہے "اِنَّ اللّٰہَ لَغَنِیٌّ" عَنِ الْعَالَمِیْنَ" اللہ تعالیٰ تمام کائنات اور مافیہا سے بے نیاز ہے اس لیے حق تعالیٰ کو عالم کا عین یا عالم کو حق تعالیٰ کا عین قرار دینا میرے لیے بہت دشوار ہے۔ (مکتوب اوّل دفتر دوم)

حضرت مجددؒ نے توحید وجودی کے ماننے والوں کے خیالات کی تردید نہیں کی بلکہ انکے تصورات کی وضاحت بڑی خوبی سے کی ہے۔ اپنے ایک اور مکتوب میں لکھتے ہیں:

''پس جو صوفیا وحدت الوجود کے قائل ہیں حق پر ہیں اور علماء جو کثرت کے معتقد ہیں وہ بھی حق پر ہیں۔ صوفیاء کے حالات کے مناسب وحدت ہے اور علماء کے حالات کے مناسب کثرت۔ کیونکہ شرائع کی بنا کثرت پر ہے اور احکام کا تغائیر کثرت سے وابستہ ہے اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی دعوت اور اخروی تنعیم وتعذیب بھی کثرت سے متعلق ہے اور جب حضرت حق سبحانہ تعالیٰ مطابق فاجبت ان اعرف (میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں) کثرت کو چاہتا اور ظہور کو پسند کرتا ہے تو اس مرتبہ کو باقی رکھنا بھی ضروری ہے کیونکہ اس مرتبہ کی تربیت اللہ رب العالمین کی پسندیدہ اور محبوب ہے۔ سلطان ذی شان کے لیے نوکر چاکر چاہیں اور اس کی عظمت وکبریائی کے لیے خواری، شکستگی اور محتاجی درکار ہے۔ وحدت، معاملہ حقیقت کی مانند ہے اور اس کے مقابلے میں کثرت کا معاملہ مجاز کی طرح۔ اس طرح اُس عالم کو عالمِ حقیقت کہتے ہیں اور اِس عالم کو عالمِ مجاز۔ لیکن چونکہ ظہورات اس بلند ذات کو پیارے لگتے ہیں اور اس نے اشیاء کو بقائے ابدی عطا فرمائی ہے اور قدرت کو لباسِ حکمت میں لایا ہے اور اسباب کو اپنے فعل کا روپوش بنایا ہے اس بنا پر وہ حقیقت، حقیقت مہجور کی طرح ہوگئی ہے اور یہ مجاز متعارف ہو چکی ہے۔ نقطہ جوالہ اگرچہ حقیقت کی طرح ہے اور اس سے پیدا ہونے والا دائرہ مجاز کی طرح لیکن وہاں حقیقت یعنی نقطہ جوالہ مہجور ہے اور جو کچھ متعارف ہے یعنی دائرہ مجاز ہے'' (مکتوب ۴۴، دفتر دوم، بنام محمد صادق ولد محمد مومن)

☆ ''صوفیوں میں جو وحدت الوجود کا قائل ہے اور اشیاء کو حق تعالیٰ کا عین دیکھتا ہے اور ''ہمہ اوست'' کا حکم لگاتا ہے اس کی مراد یہ نہیں کہ اشیاء حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہیں اور تنزیہہ' تنزل کر کے تشبیہہ ہوگئی ہے یا واجب ممکن بن گیا ہے اور بے چون' چون میں آ گیا ہے کیونکہ سب کفر والحاد و زندقہ ہے وہاں نہ اتحاد ہے نہ عینیت نہ تنزل نہ تشبیہہ تو وہ "سبحانه الان کما کان" ہے تو پاک ہے- وہ جو نہ اپنی ذات میں متغیر ہو سکتا ہے نہ صفات میں نہ حدوث الوان میں اپنی اسماء کے ساتھ متغیر ہو سکتا ہے وہ سبحانہ تعالیٰ اپنی اسی صرافت اطلاق پر ہے اس نے وجوب کی بلندی سے امکان کی پستی تک میلان نہیں فرمایا- بلکہ ''ہمہ اوست'' کا معنی ہے- اشیاء نہیں ہیں- اور حق سبحانہ تعالیٰ موجود ہے'' منصور نے جو انا الحق کہا اس کی مراد یہ نہیں کہ میں حق ہوں اور حق تعالیٰ کے ساتھ متحد ہوں کہ یہ معنی کفر ہے اور اس کے قتل کا موجب بلکہ اس کے قول کا معنی ہے ''میں نہیں ہوں حق سبحانہ تعالیٰ موجود ہے''- صرف اتنی بات ہے کہ صوفیا اشیاء کو حق تعالیٰ و تقدس کے ظہورات جانتے ہیں اور اس کی اسماء وصفات کا جلوہ گاہ قرار دیتے ہیں- تنزل کے شائبہ اور تغیر و تبدل کے گمان کے بغیر جس طرح سایہ' شخص سے دراز ہوتا ہے لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ سایہ اس شخص کے ساتھ متحد ہے اور عینیت (ہو بہو ہونے) کی نسبت رکھتا ہے یا وہ شخص تنزل کر کے سایہ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے بلکہ وہ شخص اپنے اصالت کی صرافت پر ہے اور سایہ اس کے وجود میں آیا ہے- بے شائبہ تغیر و تبدل--- اگر چہ بعض اوقات ایک جماعت جس نے اس شخص کے وجود کے ساتھ کمالی محبت پیدا کر لی ہوتی ہے اس کی نظر سے سایہ پوشیدہ ہو جاتا ہے اور شخص کے سوا کوئی چیز مشہود نہیں ہوتی' ہو سکتا ہے کہ ایسے لوگ کہیں کہ سایہ شخص کا عین (ظہور) ہے یعنی سایہ معدوم ہے اور شخص موجود ہے اور بس- اس تحقیق سے لازم آیا کہ صوفیا کے نزدیک اشیاء حق تعالیٰ کی ظہورات ہیں نہ حق جل سلطانہ کا عین (یعنی آپس میں ہو بہو ہونا) پس اشیاء حق سے ہیں نہ کہ حق جل شانہ ہیں- پس ان کے کلام ''ہمہ اوست'' کے معنی ''ہمہ از اوست'' ہی ہے جو علمائے کرام کا مختار ہے اور علمائے کرام اور صوفیائے عظام (كثر هم الله سبحانه الى يوم القيامة) کے درمیان فی الحقیقت کوئی نزاع ثابت نہیں ہوتا اور دونوں باتوں کا مآل و انجام

ایک بن جاتا ہے البتہ اس قدر فرق ہے کہ صوفیا اشیاء کو حق تعالیٰ کے ظہورات کہتے ہیں اور علماء اس لفظ سے پرہیز کرتے ہیں تاکہ حلول واتحاد کے وہم سے محفوظ رہ سکیں۔"

(مکتوب نمبر ۴۴، جلد دوم)

ان مباحث سے اندازہ ہوگا کہ حضرت مجدد وحدت الوجود کے منکر نہیں بلکہ اس کی غلط تعبیر کے انکاری ہیں۔ انہوں نے شیخ اکبر کے بعض خیالات سے اختلاف ضرور کیا لیکن ان کی بزرگی وعظمت کے ہمیشہ قائل رہے جیسا کہ شیخ محمد اکرام نے رود کوثر میں لکھا ہے:

"فی الحقیقت شیخ کی نسبت ان کا نقطۂ نظر بڑا پیچ در پیچ تھا۔ بعض باتوں میں انہیں اُن سے اختلاف تھا اور بعض میں اشتراک رائے، لیکن شیخ کی عظمت اور پاکیزگی پر وہ بڑا زور دیتے تھے" (۳۲)

حضرتِ مجددؒ نے شیخ اکبرؒ کے بارے میں کئی جگہ اظہار خیال کیا ہے۔ چند مثالیں درج ہیں:

☆ "جناب شیخ مقبولانِ بارگاہ کبریا میں سے نظر آتے ہیں اور اولیاء اللہ کی جماعت میں ان کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ باکریماں کارہا دشوار نیست۔ ہاں، کبھی یہ صورت ہوتی ہے کہ دعا رنجیدگی کا سبب بنتی ہے اور کبھی بدتمیزی موجب خوشنودی، شیخ کا رد کرنے والا خطرہ میں ہے اور ان کے اقوال کے ساتھ ان کا قبول کرنے والا بھی خطرہ میں ہے۔ جنابِ شیخ کو قبول کیا جائے اور ان کے خلافی کلام کو قبول نہ کیا جائے یہ راہِ وسط ہے جو شیخ کو قبول کرنے اور قبول نہ کرنے کے متعلق فقیر کا مختار مسلک ہے" (مکتوب ۷۷، دفتر سوم)

☆ "اس میدان میں مقابلہ پر شیخ محی الدین ابن العربی قدس سرہٗ ہیں۔ کبھی ان کے ساتھ مقابلہ ہے اور کبھی صلح۔ بہرحال انہی کی ذات ہے جس نے معرفت اور عرفان کے کلام کی بنیاد رکھی ہے اور پھر اس کو خوب شرح وبسط سے بیان کیا ہے اور انہی کی ذات ہے جس نے توحید واتحاد کو تفصیل سے بیان کیا ہے اور تعدد وتکثر کی منشاء ظاہر کی ہے۔ وہی ہیں جنہوں نے وجود کو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات کے واسطے ثابت کیا ہے اور عالم کے وجود کو موہوم اور خیالی وجود قرار دیا ہے۔ وہی ہیں جنہوں نے حضرتِ وجود کے واسطے تنزلات کا اثبات کیا ہے اور ہر مرتبہ کے احکام کو الگ کیا ہے۔ وہی ہیں جنہوں نے عالم کو عینِ حق سمجھا ہے اور "ہمہ

اوست'' کہا ہے یعنی سب کچھ وہی ہے- باوجود اس کے انہوں نے اللہ کے مرتبہء تنزیہ کو سب سے بلند تر پایا ہے اور سب کی دید و دانش سے اس کو منزہ و مبرا اقرار دیا ہے- جنابِ شیخ سے پہلے جو مشائخ گزرے ہیں اس سلسلہ میں ان حضرات نے اگر کچھ کہا ہے بطریق رمزو اشارہ کہا ہے- کُھل کر بات کسی نے نہیں کہی ہے اور جنابِ شیخ کے بعد جو مشائخ آئے ہیں اُن میں سے اکثر نے جنابِ شیخ کی پیروی کی ہے اور آپ ہی کی اصطلاح کو اختیار کیا ہے- ہم پس ماندگان انہی بزرگوار کی برکات و فیوضات سے مستفید ہوئے ہیں اور ان کے علوم و معارف سے فوائد حاصل کئے ہیں اللہ تعالیٰ ہماری طرف سے انکو جزائے خیر عنائت کرے'' (مکتوب ۷۹- دفتر سوم)

☆ ''انہوں نے کمالِ معرفت کی وجہ سے اس دقیق مسئلہ (وحدت الوجود) کو خوب واضح طور پر بیان کر دیا- انہوں نے اس طرح پر ابواب و فصول مقرر کیے جس طرح علم نحو و صرف میں ہیں- باوجود اس وضاحت اور تحقیق کے صوفیہ کی ایک جماعت (مثل شیخ علاء الدولہ) ان کے مطلب و مدعا کو نہ سمجھی اور ان کو برخطا قرار دے کر مطعون و ملام کیا حالانکہ اس مسئلہ میں جنابِ شیخ اکبر اپنی اکثر تحقیقات میں حق پر ہیں اور ان پر طعن کرنے والے راہِ صواب سے دور ہیں- جنابِ شیخ نے جس طرح اس دقیق مسئلہ کو حل کیا ہے اس سے آپ کی بزرگی اور علم کے بے پایانی کا اندازہ لگانا چاہیے نہ یہ کہ ان کو بُرا کہا جائے'' (مکتوب ۸۹، دفتر سوم)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ سے لے کر سید سلیمان ندویؒ تک تمام علماء و صلحائے امت نے وجودی اور شہودی نظریات کو محض لفظی نزاع ہی بتایا ہے کوئی مقصدی یا مشاہداتی اختلاف نہیں کیا- مولانا محمد اشرف خان سلیمانی مصنف سلوک سلیمانی جلد دوم کے صفحہ ۵،۸ پر سید سلیمان ندوی کے حوالے سے لکھتے ہیں:

''وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں اختلاف لفظی ہے- حقیقت بادنیٰ تفاوت وہی ہے کہ غلط حال میں سالک سے مخلوق محجوب ہو جاتی ہے اور وہ ایک ہی وجودِ حق میں شاغل ہو جاتا ہے- اب جو ایک ہی وجودِ حق کو پاتا ہے وہ وجودی ہے اور جو ایک کو دیکھتا ہے وہ شہودی ہے- وحدت الوجود کی اصطلاح تیز و مرد افگن ہے اور عوام میں اس کے معنی غلط مشہور ہو گئے ہیں-

اس لیے وحدت الشہود کی اصطلاح کو اختیار کیا گیا کہ دلالت معنی کے لحاظ سے یہ اصطلاح زیادہ مناسب واحوط ہے"

سید صاحب مزید کہتے ہیں:

"ان مباحث کا حاصل صرف اتنا ہے کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا مسئلہ ایک حالی کیفیت سے متعلق ہے جس کی حقیقت اہل حال ہی سمجھ سکتے ہیں- علمی و کلامی حیثیت سے اس میں زیادہ غور وخوض اور حکم جازم کرنا سخت محل خطرہ وخلاف سلف صالحین ہے"

یہ عجیب اتفاق ہے کہ حضرت مجددؒ کے دفتر اول و دوم کے مکتوبات میں وحدت الوجود کا ابطال نظر آتا ہے لیکن دفتر سوم کے مکتوبات نمبر ۵۸، ۶۲، ۶۷، ۶۸، ۷۱، ۸۰، ۸۹، ۹۷، ۱۰۰، ۱۰۹ وغیرہ میں وحدت الوجود اور شیخ الاکبر کے بارے میں ان کا رویہ مصالحانہ بلکہ مرابعانہ نظر آتا ہے- وہ اپنے آپ کو شیخ ابن عربیؒ کے کام کو آگے بڑھانے والا اور اس کی تکمیل کرنے والا سمجھتے تھے- صاحبزادہ محمد معصوم کے نام کے مکتوب کے آخر میں اگرچہ صراحت اسی نہیں لیکن مفہوم قریبا یہی ہے- توحید وجودی کے متعلق جو ان کے اور شیخ کے درمیان سب سے بڑی وجہ اختلاف سمجھی جاتی ہے انہوں نے بالصراحت کہا کہ "بشرط عبور" وہ اس کے حسن کے قائل ہیں- ان کی توحید شہودی، شیخ کی توحید وجودی کی ضد نہیں بلکہ اس سے اگلی منزل ہے- اسی طرح ابن عربی کے نظامِ باطنی کا مسئلہ ہے- حضرت مجدد نے نہ صرف اسے قبول کیا بلکہ اسے ترقی دی اور طریقہء مجددیہ کا قیوم، شیخ ابن عربی کے قطب کی ارتقائی صورت ہے-(۳۳)

اگر وحدت الشہود اور وحدت الوجود میں کوئی بنیادی فرق نہیں ہے اور یہ محض لفظی نزاع ہے تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر حضرت مجدد کو متقدمین صوفیاء کے اس راسخ نظریے کے متوازی ایک اور نظریے کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی روحانی تشفی کے لیے تو شاید اس وقت بھی اور اب بھی وحدت الوجود کے نظریہ کا بنیادی کردار ہے تاہم وحدت الشہود حضرت مجدد کے دور کی روحانی سے زیادہ اخلاقی اور سماجی ضرورت تھا اور غالی وجودیوں کا منطقی ردعمل بھی- وحدت الشہود ایک مخصوص تناظر میں وجود میں آیا- ڈاکٹر از کیا ہاشمی رقمطراز ہیں:

"برصغیر کے مخصوص ماحول میں ویدانت اور تصوف، ہندومت اور اسلام کے درمیان ترکیب و امتزاج سے متعلق مختلف علمی، فکری اور احیائی تحریکوں کے پس منظر میں جھانک کر دیکھا جائے

تو اس فلسفہ کے واضح نقوش نمایاں نظر آئیں گے۔ مختلف ہندو مصلحین، رامانج، رامانند، بھگت کبیر، گرونانک اور انتہائی پسند وجودی نقطہ نظر کے حامل صوفی داراشکوہ اسی فکر و فلسفہ کا پرچار کرتے ہوئے اسلام اور ہندومت کے درمیان مفاہمت کی وجوہ تلاش کرتے نظر آتے ہیں۔ اگرچہ ان کے بنیادی افکار میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے تاہم بہت حد تک ان کے ہاں فکری مماثلت بھی پائی جاتی ہے جس کے زیر اثر وہ مذاہب کے رسوم و ظواہر کو مسترد کرتے ہوئے باطنی پاکیزگی اور محبت کو اصل مذہب قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک مذہب کی ظاہری صورتوں کے برعکس اس کی روحانی قدروں کی زیادہ اہمیت ہے اس لیے وہ ہندو مذہب اور اسلام کو ایک ہی صداقت کے جداگانہ مظاہر بتلاتے ہیں۔ پندرہویں اور سولہویں صدی عیسوی میں ان افکار کو کافی فروغ حاصل ہوا اور صورتِ حال اس حد تک پہنچ گئی کہ انتہا پسندانہ صوفیانہ حلقوں میں مومن و کافر کا امتیاز مٹنے لگا۔ ویدوں کو الہامی کتب کا درجہ حاصل ہوا۔ مذہب کی ظاہری رسوم نظر انداز ہونے لگیں اور شریعت و طریقت کے راستے جدا ہونے لگے" (۳۴)

یہ تھا وہ پس منظر جس میں وحدت الشہود کا نظریہ منظرِ عام پر آیا۔ حاصل بحث یہ ہے کہ وجودی و شہودی نظریات محض نزاعِ لفظی ہیں۔ حضرت مجدد وحدت الوجود کے منکر نہیں بلکہ اس کی غلط تعبیر کے انکاری ہیں اور یہ محض اس لیے تھا کہ حضرتِ مجدد کے پیش نظر شیخ الاکبر کا الحاقی کلام تھا اگر انہوں نے علامہ عبدالوہاب شعرانی کی الیواقیت والجواہر کا مطالعہ فرما لیا ہوتا جو یقیناً آپ تک نہیں پہنچی تو شاید اس بحث کی نوبت ہی نہ آتی۔ بقول محمد حسن عسکری جو لوگ شیخ اکبر کی مخالفت میں مجدد صاحب کا نام لیتے ہیں وہ اپنی کج فہمی برقرار رکھنے کا ایک بہانہ ڈھونڈتے ہیں۔

÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷

علامہ اقبالؒ اور ابن عربیؒ: گریز و کشش کی روداد

شاعرِ مشرق علامہ محمد اقبالؒ، بقول پروفیسر آسن پلکوس (Asin Palacios) شیخ الاکبر محی الدین ابنِ عربیؒ سے فکری مماثلت رکھتے ہیں۔ ۱۹۳۳ء میں میڈرڈ یونیورسٹی کے اس اجلاس کہ جس میں علامہ اقبال نے ''اندلس اور اسلام کی فکری کائنات'' کے عنوان سے لیکچر دیا تھا، کے صدارتی خطبہ میں پروفیسر موصوف نے کہا تھا:

> ''ابن عربی کی طرح سر محمد اقبال نے بھی شعر و آہنگ کے سانچے میں اپنے فلسفیانہ افکار ڈھالنے میں کامیابی حاصل کی اور اس خوبصورت شعر پارے ''اسرارِ خودی'' کا معنی خیز عنوان دیا۔''(۳۵)

علامہ اقبالؒ اور شیخ الاکبر محی الدین ابنِ عربیؒ کے درمیان ذہنی روابط اور فکری فاصلوں کی عجب گریز و کشش کی سی صورت نظر آتی ہے۔ شیخ کے افکار و خیالات کے بارے میں علامہ کی اپنی ایک رائے تھی جو مختلف ادوار میں مختلف رہی۔ اوائل یا پہلے دور میں (۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۰ء تک) علامہ، شیخ اکبر ابن عربی کے نظریہ ''وحدت الوجود'' کے قائل تھے اور وجودی صوفیہ کی طرح نفیءِ ہستی اور فنافی اللہ پر محکم یقین رکھتے تھے۔ اس دور میں وہ، حُسنِ ازل کو ہمہ گیر اور کائنات کے تمام مظاہر میں جاری و ساری خیال کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس کی طلب و جستجو میں ذرے ذرے کا دل دھڑک رہا ہے۔ اس دور میں علامہ، بقول پروفیسر محمد شریف:

> ''خُدا کو حُسنِ ازلی سے تعبیر کرتے ہیں جس کا وجود ہر ذرہ سے پہلے اور ہر ذرہ سے آزاد ہونے کے باوجود ہر ایک میں جلوہ گر ہے۔ آسمان کی رفعتوں اور زمین کی بستیوں، چاند، سورج، ستاروں، گرتے ہوئے قطرہ ہائے شبنم، بر و بحر، شعلہ و آتش، جمادات و نباتات، طیور و حیوانات، نغمہ در یاحین سب میں وہ مشہود و موجود ہے۔''(۳۶)

بانگ درا کی بعض نظمیں اِسی نظریہ کی غمازی کرتی ہیں:

حسن ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے — انسان میں وہ سخن ہے غنچے میں جو چٹک ہے
دلِ ہر ذرہ میں پوشیدہ کسک ہے اس کی — نور یہ وہ ہے کہ ہر شے میں جھلک ہے اس کی

جگنو میں جو چمک ہے وہ پھول میں مہک ہے — کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی

علی عباس جلالپوری کے مطابق اقبال کو دو واسطوں سے وحدتِ وجود یا ہمہ اوست کا نظریہ ذہنی اور ذوقی میراث میں ملا تھا۔ ایک تو وہ برہمن نژاد تھے اور سریان کا تصور صدیوں سے ان کے آباواجداد کے ذہن وعقل میں نفوذ کر چکا تھا اور دوسرے اُن کے والد ایک صاحب کشف وحال صوفی تھے جنکے احوال وکرامات کا ذکر اقبال اپنے دوستوں میں کیا کرتے تھے'' (۳۷)

۱۹۰۵ء میں اقبال یورپ گئے۔ وہاں انہوں نے ایرانی فلسفہ اور تصوف کا مطالعہ کیا۔ ''ایران میں مابعد الطبیعات کا ارتقا' پر مقالہ لکھا۔ اس میں انہوں نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ قرآن حکیم میں بعض آیات ایسی ہیں جن سے وحدت الوجود کا عقیدہ مستنبط ہو سکتا ہے:

''میرے خیال میں یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ قرآن واحادیث صحیحہ میں صوفیانہ نظریہ کی طرف اشارات موجود ہیں لیکن وہ عربوں کی خالص عملی ذہانت کی وجہ سے نشو ونما پا کر بار آور نہ ہو سکے، جب ان کو غیر ممالک میں موزوں حالات میسر آ گئے تو وہ ایک جداگانہ نظریہ کی صورت میں جلوہ گر ہوئے۔ قرآن نے ایک مسلم کی حسب ذیل تعریف کی ہے:

وَفِی الْاَرْضِ اٰیَات'' لِلْمُوْقِنِیْنَ ٥ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ٥ (سورہ الذاریات ۲۰، ۲۱) اور پھر کہا ہے وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ ٥ (سورہ ق۔ ۱۵) اسی طرح قرآن کی تعلیم ہے کہ اس ''غیب'' کی اصل ماہیت خالص نور ہے۔ اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ٥ (سورہ طور، ۳۵) اس سوال کے متعلق کہ آیا نور اولی شخصی ہے؟ قرآن نے شخصیت کے تصور کو مختلف عبارتوں میں پیش کرنے کے باوجود مختصر الفاظ میں یہ جواب دیا ہے کہ لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْء'' ٥ (سورہ شوریٰ، ۹) یہ چند خاص آیات ہیں جن کی بنا پر صوفی مفسرین نے کائنات کے ایک وحدت الوجودی نقطۂ نظر کو نمو دیا ہے۔'' (۳۸)

دوسرے دور میں، جو ۱۹۱۷ء تک کو محیط ہے انہوں نے ابن عربی اور ان کے نظریات سے اختلاف کیا۔ پروفیسر محمد شریف اس دور کو اقبال کے ذہنی وفکری نشو ونما کا دور کہتے ہیں۔ ☆ (۳۹) اس دور میں علامہ کو شیخ کے نظریہ وحدت الوجود کے سلسلے میں قرآنی تفسیر کا طریقہ رمز وتاویل جس میں شیخ اکبر قرآن کے ظاہری معنی میں باطنی معنی نکالتے تھے۔ علاوہ ازیں نظریہ قدم ارواحِ کملاء یعنی اولیاء وانبیاء کی

روحیں قدیم یالافانی ہیں اور وجود کے مراتب ستہ یا تنزلات، وغیرہم جیسے مسائل سے اختلاف تھا۔ یہ اور ان جیسے اور اختلافات کی روداد درج ذیل مکتوبات ونثر پاروں میں دیکھی جاسکتی ہے۔ ۱۹ جولائی ۱۹۱۴ء کو منشی سراج الدین کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

''تصوف کا سب سے پہلا شاعر عراقی ہے جس نے لمعات میں فصوص الحکم کی تعلیمات کو نظم کیا ہے۔ جہاں تک مجھے علم ہے فصوص میں سوائے زندقہ اور الحاد کے اور کچھ نہیں۔'' (۴۰)

علامہ نے خواجہ حسن نظامی کو بھی تصوف' حافظ شیرازی' وحدت الوجود اور شیخ الاکبر کے بارے میں اپنے اپنے موقف کی وضاحت کے لیے متعدد خطوط لکھے۔ ان میں سے ایک خط (۳۰ ستمبر ۱۹۱۵ء) تو تاریخی اہمیت کا حامل ہے، اس میں لکھتے ہیں:

''۔۔۔۔شیخ ابن عربی کے ذکر سے ایک بات یاد آ گئی جس کو اس لیے بیان کرتا ہوں کہ آپ کو غلط فہمی نہ رہے۔ میں شیخ کی عظمت اور فضیلت دونوں کا قائل ہوں اور اُن کو اسلام کے بہت بڑے حکماء میں سے سمجھتا ہوں۔ مجھے اُن کے اسلام میں بھی کوئی شک نہیں ہے کیونکہ جو عقائد ان کے ہیں (مثلاً قدم ارواح اور وحدت الوجود) ان کو انہوں نے فلسفہ کی بنا پر نہ سمجھا بلکہ نیک نیتی سے قرآن حکیم سے مستنبط کیا ہے پس ان کے عقائد صحیح ہوں یا غلط' قرآن کی تاویل پر مبنی ہیں یہ دوسری بات ہے کہ جو تاویل انہوں نے پیش کی ہے وہ منطقی یا منقولی اعتبار سے صحیح ہے یا غلط؟ میرے نزدیک ان کی پیش کردہ تاویل یا تفسیر صحیح نہیں ہے اس لیے گو میں ان کو ایک مخلص مسلمان سمجھتا ہوں مگر ان کے عقائد کا پیرو نہیں ہوں۔'' (۴۱)

شاہ سلیمان پھلواروی کو اپنے ایک خط (۲۴ فروری ۱۹۱۶ء) میں شیخ اکبر سے اپنی محبت و اختلاف کی داستان یوں بیان کرتے ہیں:

''شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی نسبت کوئی بدظنی نہیں بلکہ مجھے ان سے محبت ہے۔ میرے والد کو فتوحات اور فصوص سے کمال توغل رہا ہے اور چار برس کی عمر سے میرے کانوں میں ان کا نام اور ان کی تعلیم پڑنی شروع ہوئی۔ برسوں تک ان دونوں کتابوں کا درس ہمارے گھر میں رہا۔ گو بچپن کے دنوں میں مجھے ان مسائل کی سمجھ نہ تھی تاہم محفل درس میں ہر روز

شریک ہوتا' بعد میں جب عربی سیکھی تو کچھ کچھ خود پڑھنے لگا اور جوں جوں علم اور تجربہ بڑھتا گیا میرا شوق اور واقفیت زیادہ ہوتی گئی- اس وقت میرا عقیدہ یہ ہے کہ حضرت شیخ کی تعلیمات قرآن کے مطابق ہیں اور نہ کسی تاویل وتشریح سے اس کے مطابق ہوسکتی ہیں لیکن یہ بالکل ممکن ہے کہ میں نے شیخ کا مفہوم غلط سمجھا ہو- کئی سالوں سے میرا یہی خیال رہا ہے کہ میں غلطی پر ہوں' گو اب میں سمجھتا ہوں کہ میں ایک قطعی نتیجے پر پہنچ گیا ہوں لیکن اس وقت بھی مجھے اپنے خیال کے لیے کوئی ضد نہیں اس واسطے بذریعہ عریضہ ہذا آپ کی خدمت میں ملتمس ہوں کہ از راہ عنایت ومکرمت چند اشارات تسطیر فرمادیں- میں ان اشارات کی روشنی میں فصوص اور فتوحات کو پھر دیکھوں گا اور اپنے علم ورائے میں مناسب ترمیم کرلوں گا۔''(۴۲)

اپنے ایک مضمون اسرار خودی اور تصوّف میں علامہ لکھتے ہیں:

''مجھے اس امر کا اعتراف کرنے میں کوئی شرم نہیں کہ میں ایک عرصے تک ایسے عقائد ومسائل کا قائل رہا جو بعض صوفیہ کے ساتھ خاص ہیں اور جو بعد میں قرآن شریف پر تدبر کرنے سے قطعاً غیر اسلامی ثابت ہوئے- مثلاً شیخ محی الدین ابن عربی کا مسئلہ قدم ارواح کملا' مسئلہ وحدت الوجود یا مسئلہ تنزلات ستہ یا دیگر مسائل جن میں بعض کا ذکر عبدالکریم جیلی نے اپنی کتاب انسانِ کامل میں کیا ہے- مذکورہ بالا تینوں مسائل میرے نزدیک مذہب اسلام سے کوئی تعلق نہیں رکھتے- گو میں ان کے ماننے والوں کو کافر نہیں کہہ سکتا کیونکہ انہوں نے نیک نیتی سے ان مسائل کا استنباط قرآن شریف سے کیا ہے''(۴۳)

اسرار خودی کے دیباچہ میں علامہ نے شنکر اور شیخ الاکبر کو نہ صرف ہم خیال گردانا بلکہ وحدت الوجود کو عالم اسلام کے لیے ذوقِ عمل سے محرومی کی وجہ قرار دیا' لکھتے ہیں:

''مسئلہ انا کی تحقیق وتدقیق میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی ذہنی تاریخ میں ایک عجیب وغریب مماثلت ہے اور وہ یہ کہ جس نکتہ ءِ خیال سے شری شنکر نے گیتا کی تفسیر کی اُسی نکتہ ءِ خیال سے شیخ محی الدین ابن عربی اندلسی نے قرآن شریف کی تفسیر کی جس نے مسلمانوں کے دل و دماغ پر نہایت گہرا اثر ڈالا ہے- شیخ اکبر کے علم وفضل اور ان کی زبردست شخصیت نے مسئلہ

وحدت الوجود کو جس کے وہ انتھک مفسر تھے اسلامی تخیل کا ایک لاینفک عنصر بنا دیا۔ اوحد الدین کرمانی اور فخر الدین عراقی ان کی تعلیم سے نہایت متاثر ہوئے اور رفتہ رفتہ چودھویں صدی کے تمام عجمی شعراا اس رنگ میں رنگین ہو گئے۔ ایرانیوں کی نازک مزاج اور لطیف الطبع قوم اس طویل دماغی مشقت کی کہاں متحمل ہو سکتی تھی جو جزو سے کل تک پہنچنے کے لیے ضروری ہے۔ انہوں نے جزو اور کل کا دشوار گزار درمیانی فاصلہ تخیل کی مدد سے طے کر کے ''رگِ چراغ'' میں خونِ آفتاب کا اور شرارِ سنگ میں جلوۂ طور کا بلا واسطہ مشاہدہ کیا۔ مختصر یہ کہ ہندو حکماء نے مسئلہ وحدت الوجود کے اثبات میں دماغ کو اپنا مخاطب کیا مگر ایرانی شعراء نے اس مسئلے کی تفسیر میں زیادہ خطرناک طریق اختیار کیا یعنی انہوں نے دل کو اپنا آماجگاہ بنایا اور ان کی حسین و جمیل نکتہ آفرینیوں کا آخر کار یہ نتیجہ ہوا کہ اس مسئلے نے عوام تک پہنچ کر قریباً تمام اسلامی اقوام کو ذوقِ عمل سے محروم کر دیا'' (۴۴)

۱۱ر جون ۱۹۱۸ء کو اکبر الہ آبادی کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

''--- میں پہلے لکھ چکا ہوں کہ کون سا تصوّف میرے نزدیک قابلِ اعتراض ہے' میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ کوئی نئی بات نہیں ہے۔ مجھ سے پہلے حضرت علاؤالدولہ سمنانی یہی بات کہہ چکے ہیں۔ حضرت جنید بغدادی لکھ چکے ہیں۔ میں نے تو شیخ محی الدین ابن عربی اور منصور حلاج کے متعلق وہ الفاظ نہیں لکھے جو حضرت سمنانی اور جنید نے ان بزرگوں کے متعلق ارشاد فرمائے ہیں' ہاں میں نے ان کے عقائد اور خیالات سے بیزاری ضرور ظاہر کی ہے۔'' (۴۵)

مذکورہ بالا مندرجات سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں رہا کہ علامہ نے فصوص اور فتوحات جیسی مشکل، مبہم اور رمزی و عارفانہ کتب کی تفہیم کے لیے نہ تو کسی مستند شرح سے استفادہ کیا اور نہ ہی کسی متصوّف عالم سے رجوع کیا۔ ان کے سامنے شیخ کے افکار کے بنیادی مصادر اور مستند تفہیمی کتب کے بجائے ابنِ تیمیہ، علاؤالدین سمنانی اور حضرتِ مجدد وغیرہم جیسے شیخ اکبر کے ناقدین کے محض تبصرے موجود تھے۔ محمد سہیل عمر کے بقول:

''علامہ اقبال نے دیگر مفکرین کی طرح شیخ اکبر کی تعلیمات پر اپنے ردِ عمل کا اظہار ضرور کیا ہے کیونکہ یہ افکار مسلم تاریخِ فکر کے ہر گوشے پر اثر انداز ہوتے رہے ہیں۔ علامہ کے موقف

اور آراء کا تعین بالعموم شیخِ اکبر کی تصانیف کے براہِ راست مطالعے سے نہیں ہوا۔ علامہ کی آراء اس وسیع ذخیرہ فکر وعمل پر ایک تبصرے اور ان فکری رویوں کے ایک جواب کی حیثیت رکھتی ہیں جو ان تک ان کے عہد کی فکری اوضاع اور متقدمین کے مباحث وافکار کے وسیلے سے منتقل ہوا تھا جن میں ابن عربی کے مکتبِ فکر کے شارحین اور پیروکاروں کے (صحیح یا غلط) نمائندے بھی شامل تھے۔"(۴۶)

ہم دیکھتے ہیں کہ یورپ سے واپسی پر علامہ کے وحدت الوجود سے گریز کا اہم موڑ آتا ہے۔ انہوں نے اس خالص متصوفانہ اور مابعد الطبیعاتی فکر کو مغربی فلسفہ کے آئینے میں دیکھا۔ یہ شاید ان کی مجبوری یا فطرتِ ثانیہ تھی۔ جیسا کہ اپنے ایک خط میں اس کا اظہار بھی کرتے ہیں:

"میری عمر زیادہ تر مغربی فلسفے کے مطالعہ میں گزری ہے اور یہ نقطۂ خیال ایک حد تک طبیعت ثانیہ بن گیا ہے۔ دانستہ یا نا دانستہ میں اسی نقطۂ نگاہ سے حقائق اسلام کا مطالعہ کرتا ہوں۔"(۴۷)

مستشرقین اور مغربی مفکرین نے وحدت الوجود کے لیے (Panentheism) کا لفظ استعمال کیا ہے جو ایک فلسفیانہ نظام ہے اور نشاۃ ثانیہ کے بعد کی مغربی دنیا میں سامنے آیا جبکہ وحدت الوجود ایک مابعد الطبیعاتی تصور ہے۔ علامہ نے بھی اس زمانے میں انگریزی خطوط اور تحریروں میں ہر جگہ وحدت الوجود کے لیے فلسفے کی اصطلاح "پین تھی ازم" ہی استعمال کی اور اسی اصطلاح کو ہر جگہ شیخ اکبر (اور فخر الدین عراقی) کی تعلیمات کی طرف اشارہ کرنے کے لیے برتا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ کم از کم اس زمانے میں وحدت الوجود کے مشرقی تصور اور "پین تھی ازم" کی مغربی فلسفیانہ اصطلاح اور نظریے کو علامہ ایک ہی قرار دیتے تھے حالانکہ اسلامی اصطلاح میں "پین تھی ازم" کا اگر کوئی صحیح ترجمہ ہوسکتا ہے تو وہ حلول یا سریان ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کائنات میں مل گیا ہے اور اس کا کوئی مستقل وجود باقی نہیں رہا۔ یہ عقیدہ سراسر غیر اسلامی ہے۔ یوں اس دور میں علامہ وحدت الوجود کو حلول وسریان ہی کا ہم معنی سمجھ کر اس پر تنقید کر رہے تھے۔ جب کہ وحدت الوجود جس کا انگریزی میں اگر کوئی مترادف لفظ ہوسکتا ہے تو وہ Unity of Existence یا Monism ہے جس کا مطلب ہے کہ کائنات کا وجود غیر حقیقی، وہمی یا ظلی ہے اور حقیقی واصلی وجود صرف اللہ تعالیٰ کا ہے اور کائنات اسی ذاتِ حقیقی کا جلوہ ہے۔

ابن عربی کے تصورِ وحدت الوجود کے سلسلے میں پائے جانے والے مختلف شکوک وشبہات کی وضاحت ڈاکٹر سید حسین نصر کے حوالے سے ہو چکی ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ابن عربی کے مابعد الطبیعاتی عقائد کو محض فلسفیانہ موشگافی سمجھ کر اس پر تنقید کی گئی ہے۔

علامہ اقبال کا شیخِ اکبر سے فکری اختلاف ضرور رہا لیکن جہاں تک ان کی عظمت ومحبت کا تعلق ہے علاّمہ نے اس کا اعتراف اپنے متعدد خطوط اور تحریروں میں کیا ہے۔ اپنے ایک مقالہ **عبدالکریم جیلی کا تصور توحید مطلق** مطبوعہ انڈین اینٹی کیوری بمبئی شمارہ ستمبر ۱۹۰۰ء کے حاشیہ میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

> ''شیخ محی الدین ابن عربی امت محمدی کے عظیم ترین صوفیاء میں سے تھے۔ حیرت ناک حد تک کثیر التصانیف تھے۔ ان کا اعتقاد تھا کہ زمین سورج کے گرد گھومتی ہے اور سمندر پار ایک اور دنیا ہے'' (۴۸)

اسی طرح **فلسفہ عجم** میں ایک جگہ لکھا ہے:

> ''تصوّف کا وہ طالب علم جسے اصول توحید کی ایک جامع تفسیر وتعبیر کی تلاش ہو اُسے چاہیے کہ اندلس کے ابن العربی کی ضخیم کتابوں سے رجوع کرے جس کی عمیق تعلیمات اس کے ہم وطنوں کے روکھے پھیکے اسلام سے عجب تضاد رکھتی ہیں'' (۴۹)

اپنے خطبات **تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ** کے ساتویں خطبہ ''کیا مذہب کا امکان ہے؟'' میں علامہ لکھتے ہیں:

> ''اسلامی اندلس کے مشہور صوفی فلسفی محی الدین ابن عربی کا یہ قول کیا خوب ہے کہ وجود مدرک تو خُدا ہے۔ کائنات تو معنی ومفہوم ہے۔ یعنی خدا تو احساس ہے اور دنیا ایک تصور۔'' (۵۰)

خطبات کے ان اقتباسات سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے کہ ۱۹۲۸ء میں علامہ، ابن عربی کی تعلیمات کو استحسان کی نظر سے دیکھنے لگے تھے۔ انہوں نے اپنے ایک خط (۸/ اگست ۱۹۳۳ء) میں مولانا سید سلیمان ندوی سے شیخ اکبر کی تعلیم **حقیقتِ زمان** کے متعلق دریافت کرنے اور اس سلسلے میں ان کی رہنمائی کے طلبگار ہونے کی خواہش کا اظہار کیا۔ دراصل علاّمہ شیخ اکبر اور ان کی تعلیمات کے حوالے سے انگلستان میں لیکچر دینے کے خواہش مند تھے۔ اس سے پہلے وہ ۱۹۳۲ء میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک

لیکچر دے چکے تھے جو ان کے بقول بہت سراہا گیا تھا۔ علامہ لکھتے ہیں:

''مخدومی! السلام علیکم۔ چند ضروری امور دریافت طلب ہیں جن کے لیے زحمت دے رہا ہوں' ازراہ عنایت معاف فرمایئے۔ ۱۔ حضرت محی الدین ابن عربی کے فتوحات یا کسی اور کتاب میں حقیقتِ زمان کی بحث کس کس جگہ ہے؟ حوالے مطلوب ہیں۔ ۲۔ حضراتِ صوفیہ میں اگر کسی اور بزرگ نے بھی اس مضمون پر بحث کی ہو تو اس کے حوالے سے بھی آگاہ فرمایئے۔

۳۔ متکلمین کے نقطہ خیال سے حقیقت زمان یا آنِ سیال پر مختصر اور مدلل بحث کون سی کتاب میں ملے گی؟ امام رازی کی مباحث مشرقیہ میں آج کل دیکھ رہا ہوں۔ ۴۔ ہندوستان میں بڑے بڑے اشاعرہ کون کون سے ہیں اور مُلّا محمود جونپوری کو چھوڑ کر کیا اور فلاسفہ بھی ہندوستانی مسلمانوں میں پیدا ہوئے؟ ان کے اسماء سے مطلع فرمایئے اگر ممکن ہو تو ان کی بڑی بڑی تصنیفات سے بھی۔ امید ہے کہ مزاج بخیر و عافیت ہوگا۔

والسلام، مخلص۔ محمد اقبال'' (۵۱)

اس قسم کے مضمون کا ایک خط (مورخہ ۱۸/ اگست ۱۹۳۳ء) علامہ نے پیر مہر علی شاہ گولڑوی کو بھی لکھا۔ پیر صاحب اس وقت عالم استغراق میں تھے اس لیے جواب نہ دے سکے۔ علامہ کے ساتھ بھی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ شیخ اکبر پر لیکچر دینے کی خواہش دل میں لیے واصل بحق ہوئے۔ وفات تک علامہ شیخ اکبر کی تعلیمات کو سمجھنے کی کوشش میں معروف رہے۔ پیر صاحب کو لکھتے ہیں:

''مخدوم و محترم حضرت قبلہ! السلام علیکم۔ اگر چہ زیارت اور استفادہ کا شوق ایک مدت سے ہے' تاہم اس سے پہلے شرفِ نیاز حاصل نہیں ہوا۔ اب اس محرومی کی تلافی اس عریضہ سے کرتا ہوں گو مجھے اندیشہ ہے کہ اس خط کا جواب لکھنے یا لکھوانے میں جناب کو زحمت ہوگی بہر حال جناب کی وسعت اخلاق پر بھروسہ کرتے ہوئے یہ چند سطور لکھنے کی جرات کرتا ہوں کہ اس وقت ہندوستان بھر میں کوئی اور دروازہ نہیں جو پیشِ نظر مقصد کے لیے کھٹکھٹایا جائے۔ میں نے گذشتہ سال انگلستان میں حضرت مجدد الف ثانی پر ایک تقریر کی تھی جو وہاں کے ادا شناس لوگوں میں بہت مقبول ہوئی۔ اب پھر اُدھر جانے کا قصد ہے اور اس سفر میں حضرت محی

الدین ابن عربی پر کچھ کہنے کا ارادہ ہے۔نظر بایں حال چند امور دریافت طلب ہیں جناب کے اخلاق کریمانہ سے بعید نہ ہوگا اگر سوالات کا جواب شافی مرحمت فرمایا جائے۔

۱۔ اول یہ کہ حضرت شیخ اکبرؒ نے تعلیم حقیقت زمان کے متعلق کیا کہا ہے اور آئمہ متکلمین سے کہاں تک مختلف ہے؟؟

۲۔ یہ تعلیم شیخ اکبر کی کون کون سی کتب میں پائی جاتی ہے اور کہاں کہاں؟؟ اس سوال کا مقصود یہ ہے کہ سوال اول کے جواب کی روشنی میں خود بھی ان مقامات کا مطالعہ کرسکوں۔

۳۔ حضرات صوفیہ میں اگر کسی بزرگ نے بھی حقیقت زمان پر بحث کی ہو تو ان بزرگ کے ارشادات کے نشان بھی مطلوب ہیں۔مولوی سید انور شاہ صاحب مرحوم ومغفور نے مجھے عراقی کا ایک رسالہ مرحمت فرمایا تھا اس کا نام تھا ''درایۃ الزمان''۔جناب کو ضرور اس کا علم ہوگا۔میں نے یہ رسالہ دیکھا ہے مگر چونکہ یہ رسالہ بہت مختصر ہے اس لیے مزید روشنی کی ضرورت ہے۔میں نے سنا ہے کہ جناب نے درس وتدریس کا سلسلہ ترک فرمادیا ہے اس لیے مجھے یہ عریضہ لکھنے میں تامل تھا لیکن مقصود چونکہ خدمتِ اسلام ہے' مجھے یقین ہے کہ اس تصدیعہ کے لیے جناب معاف فرمائیں گے۔باقی التماس دعا ہے'' (۵۲)

آخری دور میں جو علامہ کی فکری پختگی کا زمانہ کہلاتا ہے،اس دور میں پیام مشرق (۱۹۲۳ء) سے لے کر ارمغانِ حجاز (۱۹۳۸ء) تک اپنی تمام تصانیف میں انہوں نے مسلسل وحدت الوجودی افکار کو سمویا ہے۔چند مثالیں دیکھیں:

تلاش او کنی جز خود نہ بینی　　تلاش خود کنی جز او نیابی
بضمیرت آرمیدم تو بجوش خود نمائی　　بکنارہ برفگندی دُرِ آبدار خود را

(پیام مشرق ۱۹۲۳ء)

در خاکدانِ ما' گہر زندگی گم است　　ایں گوہرے کہ گم شدہ مائیم یا کہ اوست

(زبور عجم ۱۹۲۷ء)

اگر زیری زخود گیری' زبر شو　　خدا خواہی؟ بخود نزدیک تر شو

(گلشن راز جدید ۱۹۲۷ء)

عبدہ از فہم تو بالا تر است ز انکہ اوہم آدم وہم جوہر است
لا اِلہ تیغ و دم او عبدہ فاش تر خواہی؟ بگو ھو عبدہٗ

(جاوید نامہ ۱۹۳۱ء)

از ضمیر کائنات آگاہ اوست تیغ لا موجود اِلا اللہ اوست

(مسافر ۱۹۳۴ء)

یہ نکتہ میں نے سیکھا ابوالحسن سے کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے
چمک سورج میں کیا باقی رہے گی اگر بے زار ہو اپنی کرن سے !
تو شاخ سے کیوں پھوٹا، میں شاخ سے کیوں ٹوٹا اک جذبۂ پیدائی، اک لذتِ یکتائی
غوّاصِ محبت کا اللہ نگہباں ہو ہر قطرۂ دریا میں ،دریا کی گہرائی

(بالِ جبریل ۱۹۳۵ء)

اگر نہ ہو تجھے الجھن تو کھول کر کہہ دوں وجودِ حضرتِ انساں نہ روح ہے نہ بدن!

(ضربِ کلیم)

مردِ مومن از کمالاتِ وجود از وجود و غیر او ہر شے نمود

(پس چہ باید کرد ۱۹۳۶)

تو اے ناداں دل آگاہ دریاب بخود مثل ِ نیا گاں راہ دریاب
چساں مومن کند پوسیدہ راز فاش ز لا موجود اِلا اللہ دریاب
زمین و آسمان و چار سو نیست دریں عالم بجز اللہ ھُو نیست

(ارمغان حجاز ۱۹۳۷ء)

اپنے شہرۂ آفاق عالمانہ خطبات (تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ) جو ۱۹۳۰ء میں شائع ہوئے، میں علامہ لکھتے ہیں:

''اجمالاً پوچھیے تو مذہبی زندگی کی تقسیم تین ادوار میں ہو جاتی ہے اس میں پہلا دور عقیدہ (FAITH) کا ہے دوسرا فکر (THOUGHT) کا اور تیسرا' کشف یا عرفان (DISCOVERY) کا-- اس تیسرے دور میں انسان میں اس کی آرزو ہوتی ہے کہ وہ

حقیقتِ مطلقہ سے براہِ راست اتحاد و اتصال پیدا کرے''(۵۳)

ایک اور جگہ کہتے ہیں:

''یہ صرف وجودِ حقیقی ہے جس سے اِتصال میں خودی کو اپنی یکتائی اور مابعد الطبعی مرتبہ و مقام کا عرفان ہوتا ہے''(۵۴)

درج بالا اشعار اور نثری ٹکڑوں سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اقبال نے ایک خاص مرحلے کے علاوہ کبھی بھی وحدت الوجود مخالفت نہیں کی بلکہ آخر میں تو وہ وحدت الوجودی بن کے رہ گئے تھے۔ ڈاکٹر 'الف' د' نسیم، علامہ کے شیخ اکبر کے افکار، خصوصاً وحدت الوجود سے گریز و کشش کی وجوہات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اقبال اپنے بچپن' لڑکپن اور ابتدائے شباب میں تصوّف اور وحدت الوجود کے قائل تھے۔ فلسفہ عجم و یورپ کے مستشرقین اور مغرب زدہ مصنفین کی تحریروں سے تصوّف اسلامی اور عجمی تصوّف میں مشابہت اور یگانگت کے مغالطے کی بنا پر وہ اسلامی تصوّف اور وحدت الوجود کے خلاف ہو گئے۔ جب ان کا واسطہ چند صحیح الخیال ہم عصر بزرگوں کے اعتراضات سے پڑا تو احساس ہوا کہ کہیں میری ہی غلط فہمی نہ ہو۔ اس سے خط و کتابت کے ذریعے حقیقت سے آگاہ ہونے کی خلوص دل سے سعی کی۔ اس خط و کتابت سے قاری کو دو چیزوں کا علم ہوتا ہے ایک تو یہ کہ علامہ اقبال کو تصوّف و وجود کی مخالفت کے زمانے میں اسلامی تصوّف ثقہ صوفیہ اور ان کے خیالات و افکار خصوصاً ابن عربی اور ان کے متبعین کے خیالات اور مذہب کے بعض رخوں سے مکمل اور صحیح واقفیت نہ تھی۔ اقبال میں رفتہ رفتہ تصوّف اور وجود کے صحیح رخ سے تعارف اور اس کے سمجھنے کے لیے ایسا اضطراب پیدا ہو چکا تھا جس نے انہیں وہ اقبال بنا دیا جو تصوّف اور وجود کا شیدائی تھا''(۵۵)

علّامہ' شیخ اکبر کے نظریہ وحدت الوجود اور ''تصورِ ابلیس'' سے نہ صرف متاثر تھے بلکہ ان کے خوشہ چین بھی تھے، جیسا کہ محمد شریف بقا' اقبال اور تصوّف میں لکھتے ہیں:

'علّامہ موصوف کا نظریہ وحدت الوجود کافی حد تک مولانا روم کی طرح ابن عربی سے متاثر نظر آتا ہے اگرچہ بعد میں انہوں نے وحدت الشہود کے تصور کو اپنا لیا تھا لیکن پھر بھی وہ پوری

طرح وحدت الوجود کے تصور سے چھٹکارا نہ پا سکے-ضربِ کلیم کی ایک نظم ''تقدیر'' میں زیادہ تر محی الدین ابن عربی کے تصورِ ابلیس پر روشنی ڈالی ہے- یہ ابن عربی سے ماخوذ ہے''(۵٦)

علاّمہ کورومی کے ہاں عشق کا اور ابن عربی کے ہاں انسانی عظمت کا تصور پسند ہے- انسانِ کامل کے تصور کے حوالے سے انہوں نے ابن عربی سے بھرپور استفادہ کیا ہے-ابن عربی پہلے مسلم مفکر ہیں جنھوں نے انسانِ کامل کی اصطلاح وضع کی- وہ انسانِ کامل کو کبھی انسان حقیقی بھی کہتے ہیں اسے زمین پر حق تعالٰی کا نائب اور آسمان پر فرشتوں کا معلم- انہوں نے انسانِ کامل کے جو اوصاف اور مقامات تحریر کیے ہیں ان میں سے چند یہ ہیں:

''ا-انسان کامل اکمل موجودات ہے-۲-واحد مخلوق ہے جو مشاہدے کے ساتھ حق تعالٰی کی عبادت بجالاتی ہے-۳- صفاتِ الٰہیہ کا آئینہ-۴- مرتبہ حدِ امکان سے بالا اور مقام خلق سے بلند-۵- حادث ازلی اور دائم ابدی اور کلمہ فاصلہ جامعہ ہے-٦-حق تعالٰی سے وہی نسبت ہے جو آنکھ کو پتلی سے-۷- عالم کے ساتھ اس کی نسبت انگشتری میں نگینے کی مانند-۸- رحمت کی جہت سے اعظم مخلوقات-۹-انسانِ کامل عالم کی روح ہے اور عالم اس کا قالب-'' (فتوحات اور فصوص الحکم کے مختلف حوالے)

ابن عربی کے نزدیک اگر کوئی انسانِ کامل ہے تو حضور ﷺ کی ذاتِ بابرکات ہے جنہیں وہ ''حقیقت محمدیہ'' اور ''عقل اوّل'' کہتے ہیں۔ عقل اوّل تمام حقائقِ اشیا پر محیط ہے اور اسے نور محمدی بھی کہتے ہیں- جبکہ ذاتِ محمدی رسول اللہ کی ذات کو کہتے ہیں جو عبد ہے-اس کی وضاحت وہ یوں کرتے ہیں کہ چونکہ اللہ تعالٰی نے اپنے اسماء و صفات کے بے شمار مظاہر پیدا کئے ہیں اور ان میں سے سب سے بڑا مظہر خود انسان ہے- جسے اس نے اپنی شکل پر پیدا کیا اور اس کامل مظہر کا مطلق انسانِ کامل خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے- اور وہی اوّل و آخر بھی ہے- احدیت آپ کی حقیقت اور بشریت آپ کی ذات ہے-'' سید علی عباس جلال پوری لکھتے ہیں:

''ابن عربی ''حقیقت محمدیہ'' کو حقیقت الحقائق' روحِ محمدؐ' عقل اوّل' العرش' روح الاعظم' قلم الاعلیٰ' انسانِ کامل' اصول العالم' آدم حقیقی' البرزخ' الھیولی کہہ کر بھی پکارتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عالم کی تخلیق کا اصولِ اوّل بھی وہ ہیں- ابن عربی حقیقت الحقائق یا حقیقت محمدیہ کو عقلِ

کُل کے معنوں میں استعمال کرتے ہیں جو کائنات کے تمام مظاہر وشئون کی تخلیق کا باعث ہوئی- وہ اسے تکوینِ کائنات کی عِلت اوّل بھی سمجھتے ہیں اور خدا کی تخلیقی قوت (الحق المخلوق بہ) بھی قرار دیتے ہیں- وہ اسے قطب الاقطاب بھی کہتے ہیں اور انسانِ کامل بھی'' (۵۷)

فصوص الحکم میں خود شیخ الاکبر لکھتے ہیں:

''آدم سے ہماری مراد وہ نفس واحد ہے جس سے یہ بنی نوع انسان پیدا ہوئی ہے جس کو بعض لوگ وحدت وحقیقت محمدیہ کہتے ہیں- انا من نور اللہ و کُلھم من نوری- سِرّ ذات محمد فردیّت ہے کیونکہ آپ اس نوع انسانی کے کامل ترین فرد ہیں لہذا حقیقۃً نبوت آپ ہی سے شروع ہوئی اور آپ ہی پر ختم ہوئی- آپ نبی تھے جب آدم ہنوز آب وگل میں تھے اپنی نشست اور خلقت عنصری کے لحاظ سے خاتم النبیین ہیں اور اوّل افراد کا تین کا عدد ہے اس کے سوا جتنے افراد ہیں وہ اسی فردِ اوّل سے صادر ہیں لہذا رسول اللہ اپنے رب پر پہلی دلیل ہیں- حضرت کو اللہ تعالیٰ نے جوامع الکلم یعنی کُلیات واصول عطا کیے'' (۵۸)

یونانی مفکر ہرقلیطس کے نظریہ لوگس (LOGOS) کو ابن عربی حقیقت ... اور حقیقت محمدیہ کہتے ہیں- جیسا کہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ میں لکھا ہے:

''ابن عربی وہ پہلے مسلمان مفکر ہیں جنہوں نے الکلمۃ یا کلام الٰہی (LOGOS) اور انسانِ کامل کے بارے میں ایک مکمل نظریہ پیش کیا ''فصوص الحکم'' اور ''التدبیرات الالٰہیۃ'' کا مرکزی موضوع یہی ہے' اگرچہ فتوحات اور انکی دیگر تصانیف میں بھی اس کے بعض پہلو معرض بحث میں آگئے ہیں- مابعد الطبیعی نقطہءِ نظر سے کلام الٰہی کائنات میں ایک معقول اور زندہ اصل ہے یعنی وہ کسی حد تک رواقیوں کی عقلِ کل کا مماثل ہے جو تمام اشیاء میں جلوہ گر ہے- اسے ابن عربی حقیقت الحقائق کے نام سے یاد کرتے ہیں- متصوفانہ اور روحانی نقطہِ نظر سے وہ اسے حقیقت محمدیہ کا مترادف قرار دیتے ہیں جس کی اعلیٰ ترین اور مکمل ترین تجلی ان تمام انسانوں میں ملتی ہے جنہیں ہم انسانِ کامل کے زمرے میں شمار کرتے ہیں جس میں تمام انبیاء اور اولیاء اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شامل ہیں- انسانِ کامل وہ آئینہ

ہے جس میں تمام اسرار الٰہیہ منعکس ہوتے ہیں اور وہ واحد تخلیق ہے جس میں تمام صفاتِ الٰہیہ ظاہر ہوتی ہیں- انسانِ کامل خلاصہ کائنات (عالم اصغر) ہے- اس زمین پر خدا کا نائب اور وہ واحد ہستی ہے جسے خدا کی صورت میں بنایا گیا ہے-"(۵۹)

علامہ اقبال، ابن عربی کے "انسانِ کامل" کے کس پہلو سے متاثر تھے؟ واجد رضوی رقمطراز ہیں:

"شیخ محی الدین ابن العربی کا انسانِ کامل بجائے خود ایک عالم ہے کیونکہ وہ خدا کی تمام صفات اور کمالات کا مظہر ہے- وہ حقیقت کی ایک مختصر تصویر ہے- خدا سے مکمل اتحاد و یگانگت کے باعث اُسے یہ مقام نصیب ہوتا ہے' لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ انسانِ کامل کا کمال کیا ہے- وہ اپنے علم میں کامل ہوتا ہے یا اپنے وجود میں یا ان دونوں میں کمال حاصل کرتا ہے یا خدا کا کامل مظہر ہونے کی وجہ سے کامل ہے یا محض اپنی عارفانہ کیفیت میں وہ خدا سے یگانگت محسوس کرتا ہے؟؟ ابن عربی ان صورتوں کو مخلوط کر دیتے ہیں-

اپنی کامل حیثیت میں انسان خدا کا ایک عکس ہے- وہ ایک آئینہ ہے جو خدا کی تمام صفات کو منعکس کرتا ہے- روحانی تربیت اور صوفیانہ مشقت سے یہ کمال حاصل ہوتا ہے- اس ترقی کے تین مدارج ہیں- پہلے درجہ میں انسان خدا کے اسماء پر غور کرتا ہے- دوسرے میں اس کی صفات کو جذب کر کے معجزانہ طاقت حاصل کرتا ہے اور تیسرے درجہ میں وہ اسماء اور صفات سے متجاوز ہو کر جوہر کے دائرہ میں داخل ہوتا ہے اور انسانِ کامل بن جاتا ہے یہ وہ مقام ہے جہاں اس کی آنکھ خدا کی آنکھ' اس کی زبان خدا کی زبان' اس کا ہاتھ خدا کا ہاتھ اور اس کی حیات خدا کی حیات بن جاتی ہے اسی تصور کو اقبال نے حسین پیرایہ میں اس طرح پیش کیا ہے ۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں' کار کشا' کار ساز

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز

عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
حلقۂ آفاق میں گرمی محفل ہے وہ

(۶۰)

ابن عربی کا ''انسانِ کامل، حقیقتِ محمدیہ یا حقیقت الحقائق'' کا یہی تصور، علامہ نے ''جاوید نامہ'' میں ''عبدہٗ'' کے نام سے پیش کیا:

پیش او گیتی جبیں فرسودہ است — خویش را خود عبدہٗ فرمودہ است
عبدہٗ از فہم تو بالا تر است — زانکہ اوہم آدم وہم جوہراست
جوہر او نے عرب نے اعجم است — آدم است وہم زآدم اقدم است
عبدہٗ صورت گر تقدیر ہا — اندر و ویرانہ ہا تعمیر ہا
عبدہٗ ہم جاں فزاہم جاں نستاں — عبدہٗ ہم شیشہ ہم سنگ گراں
عبد دیگر عبدہ ' چیزے دگر — ما سراپا انتظار او منتظر
عبدہٗ دہراست و دہراز عبدہٗ ست — ماہمہ رنگیم او بے رنگ وبو ست
کس ز سرّ عبدہ ' آگاہ نیست — عبدہٗ جز سرّ اِلا اللہ نیست
لا الا تیغ و دم اُو عبدہٗ — فاش تر خواہی بگو ہو عبدہٗ
مدعا پیدا نگردد زیں دو بیت — تا نہ بینی از مقام مارمیت

'سرکار کی شان یہ ہے کہ زمانہ آپ ﷺ کے سامنے اپنی پیشانی رگڑتا ہے۔ لیکن وہ اپنے آپ کو عبدہٗ کہتے ہیں۔ عبدہٗ کے معنی تیری سمجھ سے بالاتر ہیں۔ وجودِ مطلق کا تعینِ اول ہونے کی حیثیت سے آپ ﷺ مخلوق ہیں۔ آپ ﷺ آدم بھی ہیں اور جوہر بھی ہیں یعنی آپ ﷺ میں ناسوتی شان کے ساتھ ساتھ لاہوتی شان بھی پائی جاتی ہے۔ آپ ﷺ کا جوہر یعنی آپ ﷺ کی حقیقت تمام مادی یا جسمانی علائق سے بالاتر ہے۔ اس کی جلوہ گری نے فرشتوں کو حیرت زدہ کر رکھا تھا۔ اُن کا سینہ اس تجسس کی آگ سے پُر سوز تھا کہ یہ کس نور کا جلوہ ہے جو آدم کی پیدائش سے بہت پہلے اپنی چمک سے آنکھوں کو خیرہ کر رہا ہے۔ اور اس وقت آدم کی آفرینش پانی اور مٹی کے مراحل میں تھی۔ عبدہٗ تقدیر کا صورت گر ہے۔ اس کے اندر ویرانے بھی ہیں اور تعمیرات بھی ہیں۔ عبدہٗ جاں فزا بھی ہے اور جاں نشاں بھی۔ شیشہ بھی ہے اور سنگ گراں بھی۔ عبد اور ہے اور عبدہٗ اور۔ عبد اور عبدہٗ میں فرق یہ ہے کہ عبد، خدا کی توجہ کا منتظر رہتا ہے اور عبدہٗ کی شان یہ ہے کہ خود خدا یہ دیکھتا رہتا ہے کہ میرا بندہ (عبدہٗ) کیا چاہتا ہے؟ عبدہٗ

دراصل دہر (زمان) ہے اور دہر، عبدہٗ ہے۔ عبدہٗ زمان و مکان، دونوں کی قید سے بالاتر ہے۔ اگر صاف لفظوں میں سمجھنا چاہو تو سنو! "ھُو عبدہٗ" یعنی جسے عبدہٗ کہتے ہو وہ دراصل ھُو ہے گویا ھُو ہی عبدہٗ ہے۔ جب تک تُو عبدہٗ کو مقامِ "مَارَمَیْتَ" (۔۔۔اور جب آپ ﷺ نے کنکریاں پھینکی تھیں تو آپ ﷺ نے نہیں پھینکی تھیں بلکہ خود ہم نے پھینکی تھیں۔(۸۔۱۷) کی طرف اشارہ ہے۔) سے نہ دیکھے تو حقیقتِ حال تجھ پہ منکشف نہیں ہو سکتی۔ اگر تو عبدہٗ کی حقیقت سے آگاہ ہونا چاہتا ہے تو وجود میں غرق ہو جا یعنی ذاتِ باری تعالیٰ کی معرفت حاصل کر۔" (۶۱)

"بہشت اور دوزخ، مقامات نہیں بلکہ کیفیات کا نام ہے"۔ یہ رمزی تاویل ابن عربی کی ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ علامہ اقبال اس تاویل سے کلی طور سے متفق ہیں۔ پروفیسر محمد فرمان، اقبال اور تصوف، میں لکھتے ہیں:

"اقبال اور ابن عربی دونوں اس بات پر متفق ہیں کہ بہشت و دوزخ مقامات نہیں بلکہ دوزخ اور بہشت روح اور دماغ کی کیفیات ہیں۔ قرآن میں ان کا بیان ایک حالتِ شعوری کا ہے جسے انسان اپنے اندر اپنے اعمال کے مطابق محسوس کرتا ہے اگر چہ یہ دونوں اپنے بیان کے انداز میں مختلف ہیں لیکن دونوں کا اس امر پر اتفاق ہے کہ وہ STATES ہیں LOCALITIES نہیں ہیں۔ جنت مقامِ تفریح نہیں ہے، وہاں تو روح دائمی طور پر عمل کرتے ہوئے مزید مراحل طے کرتی ہے۔" (۶۲)

ابن عربی کا نظریہ ہے کہ کائنات خدا تعالیٰ کی حرکتِ عشق کی بدولت معرضِ وجود میں آئی ہے۔ خالقِ کائنات نے اپنے حُسنِ مطلق کے اظہار کے لیے اس کائنات کو تخلیق کیا۔ اظہارِ حُسن کی خواہش جذبۂ حُب پر مبنی تھی اس لیے دنیا کی آفرینش دراصل عشق و محبت کا لازمی نتیجہ ہے۔ علامہ اقبال بھی ابنِ عربی کی ہمنوائی کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

بہ ضمیرت آرمیدم، تُو بجوشِ خود نمائی   بہ کنارہ بر فگندی، دُرِ آبدارِ خود را

(یعنی اے خدا! میں تیرے ضمیر میں آرام کر رہا تھا لیکن تو نے اپنے حسن کے اظہار کے جوش میں اپنے قیمتی موتی (انسان) کو ساحل پر پھینک دیا) (۶۳)

افکار کے انہی اتحاد اور اقبال کی ابن عربی سے استفادے کی بنیاد پر ''تلمیحاتِ اقبال'' میں سید عابد علی عابد مرحوم نے پتے کی بات کہی ہے:

''علاّمہ نے ایران کے مابعد الطبیعات اور اپنے خطبات میں ابن عربی سے استفادہ بھی کیا ہے اور ان کی تردید بھی کی ہے''(۶۴)

شیخ الاکبر اور ان کے فلسفہ وحدت الوجود کے سلسلے میں علاّمہ کے خیالات میں بتدریج تبدیلی آ گئی تھی جیسا کہ ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

''اقبال نے آغازِ کار میں یہ کہا تھا کہ ''تصوف نوافلاطونیت سے متاثر ہے اور ابن عربی اور شنکر متحد الخیال ہیں'' جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ وحدت الوجود کے سلسلے میں ان تینوں مکاتیب کو متحد الخیال سمجھتے تھے مگر بعد ازاں جب انہیں محسوس ہوا کہ شنکر کا فلسفہ نفی خود پر منتج ہوتا ہے جبکہ شیخ محی الدین ابن العربی عالم کو فریب نظر سمجھتا بلکہ اسے مظہرِ حق قرار دیتا ہے (میکش اکبر آبادی، نقد اقبال، ص ۸۷) تو وحدت الوجود کے خلاف ان کے ردعمل میں تبدیلی آ گئی''

(۶۵)

اس پوری بحث کو اگر سمیٹا جائے تو وہ عباد اللہ فاروقی، کے الفاظ میں یوں ہوگی:

''اقبال نے ۱۹۱۰ء کے بعد نظریہ وحدت الوجود کی بھرپور مخالفت شروع کر دی تھی لیکن ۱۹۲۲ء کے بعد وہ پھر اسی نظریے کے حامی نظر آتے تھے۔ لیکن ان کا اظہار فلسفے کی حدود کے اندر رہا۔ مذہبی اعتبار سے وہ توحید ہی کے علمبردار رہے۔ فلسفے کی حدود کے اندر ان کے اور شیخ اکبر کے وجودی تصورات میں خاصی ہم آہنگی اور مماثلت نظر آتی ہے۔ مثلاً شیخ اکبر کے نزدیک وجود فردِ واحد ہی میں منحصر ہے یعنی اس زمین سے آسمان تک بجز ذاتِ حق، اور کوئی شئے موجود نہیں ہے یعنی کائنات معدوم ہے۔ لیکن اللہ کی تجلی صفات پڑنے سے موجود ہوگئی ہے۔ ذاتِ باری کی جملہ صفات، عین ذات ہیں۔ اگر ذات وصفات میں عینیت نہ ہوتی تو دوئی لازم آجاتی جو محال ہے۔ واضح ہو کہ ابن عربی کائنات کو تجلی صفات یا ظہورِ ذات کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک یہ کائنات اپنے ظہور میں عین ذاتِ باری ہے۔ علامہ بھی انہی نظریات کے علمبردار اور ترجمان ہیں، کہتے ہیں۔

میں کہاں ہوں تو کہاں ہے؟ یہ مکاں کہ لا مکاں ہے؟

یہ جہاں میرا جہاں ہے کہ تیری کرشمہ سازی

۱۹۱۶ء میں جیسا کہ گزر چکا ہے علامہ نے واضح طور پر بتایا تھا کہ مسئلہ وحدت الوجود ایک فلسفیانہ مسئلہ ہے جس کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں، لیکن حیرت یہ ہے کہ ۱۹۳۰ء میں وہ اپنے خطبۂ صدارت الہ آباد میں اس نظریہ وحدت الوجود کو مذہبی نقطۂ نظر سے بھی حق قرار دیتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں: مذہب اسلام کی رو سے خدا، کائنات، کلیسا، ریاست، مادہ اور روح، ایک ہی کل کے مختلف اجزاء ہیں۔(٦٦)

یہ بات قطعیت سے نہیں کہی جا سکتی کہ علامہ کو اپنی زندگی کے کسی دور میں شیخ اکبر کے عقائد ونظریات کا بغور مطالعہ کرنے کا موقع ملا ہو۔ ان کے خطوط اور دیگر شواہد سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ انہیں شیخ کے افکار وخیالات کی تفہیم کی بہت جستجو رہی مگر انہیں ان سے استفادہ کا بہت کم موقع ملا۔ ایسی صورت میں یہ کہنا کہ وہ شیخ کے بارے میں کسی خاص نتیجہ پر پہنچ چکے تھے، بہت مشکل ودشوار ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چوتھا باب

﴿موئیدین شارحین و مُقلدین﴾

شیخ الاکبر کے افکار و نظریات نے علم تصوّف کو اس قدر متاثر کیا ہے کہ بیان سے باہر ہے- ان کے بعد تصوّف کا کوئی نظریہ و طریق ایسا نہیں جو کسی نہ کسی لحاظ سے ان کی تحریروں سے متاثر نہ ہوا ہو- ان کے دلپذیر علمی و رمزی خیالات نے اہل علم و معرفت کی ایک کثیر تعداد کو اپنی طرف کھینچا- متعدد صوفیاء و عرفا نے انہیں صدیق کبیر، امام المحققین، یکتائے روزگار، موحد یکتا و لا ثانی، مجدد دین و ملت، شیخ الجلیل و المکاشفین، بحر الاولیاء الراسخین، علم و معرفت کا بحرِ ناپیدا کنار، شیخ الاعظم و الاکبر اور نہ جانے کن کن القابات سے نوازا اور یاد کیا- ذیل میں ہم چند معروف صوفیاء، عرفا اور علماء کی آرا پیش کرتے ہیں:

قطب الدین محمود بن مسعود شیرازیؒ ☆(۱) شیخ الاکبر کے بارے میں کہتے ہیں:

> ''شیخ محی الدین علوم شریعت و حقیقت میں کامل تھے اور ان کی شان میں وہی شخص جرح و قدح کرتا ہے جو ان کے کلام کو نہیں سمجھتا اور اس کی تصدیق نہیں کرتا-''(۲)

مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادی ☆(۳) نے ابن الخیاط کی ابن عربی پر لگائی گئی تہمتوں کی تردید میں ایک کتاب **الاغتباط بمعالجة ابن الخیاط** لکھی جس میں انہوں نے ابن عربی کو عظیم ولی اللہ، صدیق کبیر، شیخ طریقت، امام المحققین اور عارفانہ علوم کو نئی زندگی دینے والا قرار دیا، کہتے ہیں:

> ''ہم کو قوم میں سے کسی کے متعلق یہ روائت نہیں پہنچی کہ کوئی شخص کبھی علم شریعت و حقیقت میں اس درجہ کو پہنچا ہو جس درجہ کو شیخ محی الدین پہنچے---- جس امر کا میں قائل ہوں اور اس کو محقق سمجھتا ہوں اور اس کے موافق اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ رکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ شیخ محی الدین شیخ طریقہ تھے حالاً بھی اور علماً بھی اور امام اہل تحقیق تھے- حقیقتاً بھی اور ظاہراً بھی اور علوم عارفین کے احیاء کرنے والے تھے فعلاً بھی اور لفظاً بھی-''(۴)

ابوالحسن علی بن حسین خزرجیؒ: ☆(۵) شیخ اکبر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''وہ ایک شیخِ کامل' فاضل اجل' کامل ولی اللہ' نادرۂ روزگار' یکتا دیدہ ور' موحدّوں کا پیرو مرشد'' اور آخر میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی ان کے مقام اور حالات کو بہتر جاننے والا ہے۔''(۶)

اپنے دور کے بزرگ صوفی ابوالحسن بن ابراہیم بن عبداللہ قاری بغدادیؒ (التوفی ۸۲۱ھ) نے شیخ الاکبر کے دفاع میں الدر الثمین فی مناقب الشیخ محی الدین نامی کتاب لکھی جس میں اُنہیں بلند پایہ شیخ' فراخ دل فاضل' علوم شرعی پہ حاوی' معارف حقیقی میں راسخ و مستقل' یکتائے روزگار' ہمعصروں میں خوش بخت ترین انسان۔ دین اسلام کا احیاء کرنے والا' لکھا ہے۔''(۷)

شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ ☆(۸) نے ابن عربیؒ اور ابن فارضؒ کی طرفداری میں کتب تصوف لکھیں۔(۹)

شام کے شیخ الاسلام شیخ سراج الدین المخزومیؒ فرماتے تھے:

''اپنے آپ کو شیخ محی الدین کے کلام پر معاندانہ نکیر کرنے سے بہت بچانا کیونکہ اولیاء کے گوشت زہر آلود ہیں (غیبت کے ضمن میں) اوران سے بُغض رکھنے والے کے دین کا برباد ہو جانا ایک مسلم بات ہے اور جو شخص اُن سے بُغض رکھتا ہے وہ نصرانی ہو کر مرتا ہے اور جو شخص ان کی شان میں گستاخی کے ساتھ زبان درازی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو موتِ قلب میں مبتلا کرتا ہے۔''(۱۰)

جب شیخ قطب الدین حمویؒ سے پوچھا گیا کہ آپ نے شیخ محی الدین کو کس حال میں پایا تو انہوں نے کہا کہ میں نے ان کو علم میں اور زہد میں اور معارف میں ایک دریائے زخار نا پیدا کنار پایا۔''

(التنبیھۃ الطربی فی تنزیۃ ابن العربی، ص۱۹)

شیخ صلاح الدین صفدیؒ مصنف تاریخ علمائے مصر کہتے ہیں:

''جو شخص علوم لانیہ والوں کے کلام کو دیکھنا چاہے وہ شیخ محی الدین کی کتابوں کو دیکھے''

(التنبیھۃ الطربی فی تنزیۃ ابن العربی، ص۱۹)

شیخ موئدالدین الجندیؒ نے فرمایا:

''ہم نے کسی شخص کو اہل طریق میں سے نہیں سنا کہ وہ ان علوم پر مطلع ہوا ہو جن پر شیخ محی الدین مطلع ہوئے'' (۱۱)

شیخ محمد مغربی شاذلیؒ نے یوں کہا:

''وہ مُربی ہیں اہل عرفان کے جیسا حضرت جنیدؒ مُربی ہیں اہل ارادت کے'' (۱۲)

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے شیخ الاکبر کی بریت میں ایک کتاب تنبیهه الغبی فی تبرية ابن العربی اور ابن الفارض کے دفاع میں کتاب تمع المعارض فی نصرة ابن الفارض لکھی۔ (۱۳)

بزرگ صوفی اور فلسفی ابوالفتح محمد بن مظفر الدین بن محمد المعروف شیخ مکیؒ (التونی قریباً ۹۲۶ھ) نے ۳۷ برس تک شیخ الاکبر کے دفاع میں کام کیا۔ الجانب الغربی فی مشکلات الشیخ محی الدین ابن عربی نامی کتاب لکھی۔ اُنہوں نے شیخ اکبر کو کرِ احمر، خاتم اصغر، نورِ درخشاں وغیرہ کے القاب سے یاد کیا ہے۔

عبدالوہاب شعرانیؒ ☆ (۱۴) اپنی ایک مشہور تصنیف الطبقات الکبریٰ میں شیخ الاکبر کے بارے میں لکھتے ہیں:

''محققین اہل اللہ کا سارے علوم میں ان کی بزرگی پر اجماع ہے جیسا کہ ان کی تصنیفات شاہد ہیں اور جنہوں نے ان کا انکار کیا ہے ان لوگوں نے صرف ان کے کلام کی دِقت کی وجہ سے نہ کسی اور سبب سے ایسا کیا ہے کیونکہ جو شخص طریق ریاضت پر چلے بغیر ان کے کلام کا مطالعہ کرتا ہے اس کو لوگ اس وجہ سے بُرا سمجھتے ہیں کہ مبادا اس کے اعتقاد میں شبہ واقع ہو جائے اور شیخ کے مقصود کے مطابق اس کی تاویل اس کو نہ سوجھے اور اسی حال میں وہ مر جائے اور شیخ صفی الدین بن ابی المنصور وغیرہ نے ان کو ولائت کبریٰ صلاح عرفان وعلم کے ساتھ متصف قرار دیا ہے چنانچہ کہا ہے کہ وہ شیخ امام محقق اجلاً عارفین ومقربین کے سردار صاحب اشارات ملکوتیہ ونفحات قدسیہ وانفاس روحانیہ وفتح مؤنق وکشف وبصائر خارقہ وسرائر صادقہ ومعارف باہرہ وحقائق زاہرہ تھے۔ منازل انس میں مراتب قرب میں سے ان کا مقام بہت بلند تھا اور مناہل وصل میں ان کا مورد شیریں وخوشگوار معارف دُنُو میں سے ان کو اعلیٰ بلندی حاصل تھی

اور احوالِ نہائت کی تمکین میں ان کا قدم راسخ تھا اور احکام ولائت کے تصرّف میں ان کو بڑی قدرت تھی اور یہ اس طریق کے رکن تھے اور ایسا ہی ان کے حال میں شیخ عارف باللہ محمد بن اسعد یافعی نے لکھا ہے اور ان کا ذکر عرفان و ولائت کے ساتھ کیا ہے اور بومدین نے ان کو سلطان العارفین کا لقب دیا ہے" (۱۵)

علامہ یوسف بن اسمٰعیل بن محمد ناصر الدین نبہانی الفلسطینی المصریؒ، اپنی کتاب **افضل الصلوات علی سید السادات** میں شیخ الاکبر کی تعریف و توصیف میں یوں رطب اللساں ہیں:

"امام الہمام، مقدام الضرغام اور خاتم ولائت محمدیہ تھے- وہ محقق و مدقق تھے- وہ تقویٰ اور جلالت کے بحرِ ناپیدا کنار تھے- وہ عارف کامل، موفق الموفق تھے- وہ تمام آئمہ کے کلام میں اسرار و حجابات کے ترجمان تھے- وہ کبریتِ احمر اور ہر مقام اعلیٰ کے مالک تھے- الشیخ الاکبر ابوعبداللہ محی الدین رضی اللہ عنہ بہجۃ الاولیاء الراسخین -محمد بن علی بن محمد بن عربی الحاتمی الطائی الاندلسی قدس سرہ وروح رُوحہ- آپ پر فتوحات کے دروازے ہمیشہ کھلے ہوئے تھے- آپ علم میں منفرد فرد تھے- ان کی شخصیت تعریف و مناقب سے بہت بلند اور ارفع تھی- آپ علوم الہیہ میں آفتاب درخشاں تھے- آپ روحانیات کے علوم میں نجم الثاقب تھے بلکہ ماہتابِ ولائت تھے اور ظاہر و باطن کے بدرِ منیر تھے اور تحقیق کے آفتابوں کے آفتاب تھے- آپ مدحت سرا کی مدح سے بلند تھے اور آپ کی فتوحات کی خوشبوئیں چاردانگ عالم کو معطر رکھتی تھیں- آپ احادیث واخبار کے صحیح ترجمان تھے" (۱۷)

عُرفا و علمائے تشیع میں ایرانی عالم فاضل و عارف سید حیدر آملی (۷۲۰-۷۱۹ھ ---۷۸۷ھ) نے ابن عربی کو شیخ الکامل، الکاملین، الشیخ الاعظم وغیرہ کے القابات سے نوازا- اپنی کتب **جامع الاسرار و منبع الانوا**ر اور رسالہ **نقد النقوز فی معرفتہ الوجود** کے ذریعے ابن عربی کے افکار کی اشاعت کی- **فصوص الحکم** کی شرح **نص النصوص** کے نام سے لکھی-

اسی طرح ایک اور ایرانی عالم، عارف اور مؤلف، **صائن الدین علی بن محمد ترکہ اصفہانی** (التوفی ۸۳۵ھ) ابن عربی کے عرفان کے مبلغ، مفسر اور عرفان وحدت الوجود کے زبردست استاد تھے- انہوں

نے فصوص الحکم کی شرح پر کتاب لکھی- اپنی کتاب تمھید القواعد میں ابن عربی کے عرفان کے اصول وقواعد کے ساتھ خاص طور پر نظریہ وحدت الوجود کے اصل وقاعدہ پر بحث کی ہے-

ابن ابی جمہور ☆ (۱۸) نے اپنی عرفانی کتاب المُجلی فی مراۃ المنجی فی المنازل العرفانیہ و سیرھا میں ابن عربی کو "شیخ الاعظم" لکھا ہے اور فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ سے بہت سے اقوال نقل کیے ہیں-

قاضی نوراللہ شوستری ☆ (۱۹) نے ابن عربی کا دفاع ہی نہیں کیا بلکہ اُن کی مدح وستائش بھی کی اور اُنہیں توحید پرستوں میں یکتا ولا ثانی قرار دیا۔ اپنی کتاب مجالس المومنین (جلد دوم) کے صفحات ۶۱ اور ۶۷ پر لکھتے ہیں:

"وہ اس جہان کی پست بندشوں اور بندھنوں سے آزاد اور کشف وشہود کاملیت کی بلندیوں پر فائز تھے"

اصفہان کے شیخ الاسلام اور مشہور عالم ٗ ادیب ٗ شاعر ٗ فقیہہ ، ریاضی دان اور متعدد کتب کے مصنف محمد بن حسین عاملی المعروف شیخ بہائی (۹۵۳ھ-۱۰۳۰ھ) نے اپنی کتاب ار ـ میں شیخ الاکبر کو شیخ اجل ٗ جمال العارفین ٗ دین و ملت کا احیاء کنندہ لکھا ہے-

ایران کے شیعہ بزرگ، فلسفہ الٰہیات کے پہلے مدرس اور یونانی و اسلامی فلسفہ کے آخری وارث، محمد بن ابراہیم قوامی سبزازی الملقب صدرالدین وصدر المتاھلین (۹۷۹ھ-۱۰۵۰ھ) اپنی کتاب اسفار میں ابن عربی کی عبارات کو بڑی تحسین اور ادب واحترام سے شامل کیا- ابن عربی کے کشف ونظر کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کے افکار وعقائد کو قبول کرتے ہیں ٗ اُن کے عرفانی مقام کی تعریف کرتے ہیں اور ان کو شیخ العارف الحاء لہٗ المعارف المحق ٗ الشیخ الجلیل ٗ المکاشفین اور اسی قسم کے دیگر شاندار عنوانات اور القابات سے یاد کرتے ہیں-" (۲۰)

سید صالح موسوی خلخالی ☆ (۲۱) اپنی کتاب دیباچہ شرح مناقب کے صفحات ۸ ٗ ۱۰ پر شیخ الاکبر کو عجوبۂ روزگار ٗ نادرۂ دہر ٗ معانی کا خلاق ٗ اہل کشف وشہود کا سرتاج لکھا ہے-

سید روح اللہ موسوی المعروف امام خمینی ☆ (۲۲) نے قیصری کی شرح فصوص الحکم

پر ۱۳۵۵ھ/۱۹۳۶ء میں عربی زبان میں حاشیہ لکھا۔☆(۲۳)انہوں نے روس کے صدر گورباچوف کو مطالعہ اسلام کے سلسلے میں جو نصیحت کی تھی اس میں فلسفہ فارابی اور نظریات بوعلی سینا کی جانب تو دعوت عام ہے مگر محی الدین ابن عربی کے بارے میں تحریر کیا:

''---اگر آپ چاہیں تو اس عظیم شخصیت کے دلائل سے آگاہ ہوں تو اپنے کچھ دانشوروں کو چند برسوں کے لیے قم بھجوا دیں- یہاں آئے بغیر معرفت کے ان نازک نکات اور گہرے رموز سے آگاہی ممکن نہ ہوگی''

شارحین:

مشرق میں ابن عربی کے نظریات و معتقدات کی اشاعت صدرالدین قونویؒ کی مرہونِ منت ہے- وہ خود بھی تصوّف کے بزرگ شیوخ میں سے تھے- انہوں نے شیخِ اکبر کی تحریروں کے حواشی کیے اور اپنی طرف سے اپنے مرشد کے بعض عقائد کی شرحیں بھی قلمبند کیں- صدرالدین قونوی کے مولانا جلال الدین رومی سے گہرے دوستانہ روابط تھے- مابعد کے بہت سے ایرانی صوفیاء نے مولانا روم کی مثنوی کو فارسی شاعری کی فتوحات قرار دیا ہے- محی الدین ابن عربی اور جلال الدین رومی کو ملانے والی کڑی کی نشاندہی صدرالدین ہی کی معرفت ممکن ہے- رومی کی اپنی حیثیت اسلامی روحانیت کے ایک ایسے کوہسار کی سی تھی جو اس ساری سرزمین کو اپنے جلو میں لیے ہوئے ہے جہاں فارسی سمجھی اور بولی جاتی ہے- علاوہ ازیں وہ قطب الدین شیرازی کے بھی استاد تھے جنہوں نے حکمت الاشراق کی شرح لکھی- قطب الدین شیرازی کے استاد نصیرالدین طوسی سے بھی صدرالدین قونوی کی خط و کتابت تھی- جن کا موضوع مابعدالطبیعات کے بنیادی و اساسی مسائل کے متعلق تھا-

فارسی بولنے والے سارے علاقوں میں ابن عربی کو متعارف کرانے کے سلسلے میں جو کام فخر الدین عراقیؒ کی لمعات نے کیا وہ اور کوئی کتاب نہ کر سکی-

جملہ مشہور شارحین کو بھی کتب ابن عربی کے تلامذہ اور مقلدین میں شمار کیا جاتا ہے- ان شارحین میں کمال الدین عبدالرزاق الکاشانی ☆(۲۴)' نے فصوص الحکم کے علاوہ شیخ اکبر کی دیگر کئی کتب جن میں تاویلات القرآن' منازل السائرین' اصطلاحات صوفیہ اور تحفت الاخوان

فی خصائص الفتیان وغیرہ کی شرحیں بھی لکھیں۔کاشانی نے علاؤالدولہ سمنانی سے وحدت الوجوداور ابن عربی کے کے سلسلے میں خط وکتابت کی اوران کا شدومد سے دفاع کیا۔کاشانی کے مریداورشاگرد داؤد بن محمود قیصری ☆(۲۵) کی فصوص الحکم کی شرح تو مشہور ہےہی اس کے علاوہ انہوں نے وحدت الوجود کے نقیب ابنِ فارض کے قصیدہ ''تائیہ'' کی شرح بھی لکھی۔اسی طرح نورالدین عبدالرحمن جامی ☆ (۲۶) ہیں،جوابن عربی کے والہ وشیدااوردلدادہ پیروکاروں میں سے۔جامی نے بڑی محنت اوردقتِ نظر سے ابن عربی کی کتب کا مطالعہ کیااور پھران کے افکاروخیالات کی ترویج واشاعت کے لیےنظم ونثر کی صورت میں اسلامی معاشرے میں بالعموم اور فارسی زبان والے مسلمانوں کے لیے بالخصوص بہت بڑی خدمت سرانجام دی۔ایک مدت تک فصوص اورفتوحات کے درس وتدریس میں مصروف رہے۔فصوص الحکم کی شرح ''نقد المنصوص'' کے نام سے لکھی۔اسی طرح ایک اورشرح ''شرح الفصوص'' بھی مشہور ہے۔

عبدالکریم الجیلی (۷۶۷ھ۔۸۱۱ھ) کی کتاب''انسانِ کامل'' فصوص الحکم کی مربوط ومنظم شرح ووضاحت ہے۔علامہ اقبال''فلسفہ عجم''میں ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''الجیلی ایسا مصنف نہیں تھا جس نے شیخ محی الدین ابن عربی کی طرح کوئی جدید تخیل پیدا کیا ہو۔معلوم ہوتا ہے کہ الجیلی کی تعلیمات پرشیخ محی الدین ابن عربی کے طریقہ تفکر کا بہت گہرا اثر پڑا ہے۔اس میں شاعرانہ تخیل اور فلسفیانہ دقیق النظری کمل مل گئی تھی لیکن اس کی شاعری اس کے صوفیانہ اور مابعدالطبیعی نظریات کے اظہار کا محض ایک آلہ تھی۔اس نے منجملہ اور تصانیف کے شیخ محی الدین ابن عربی کی کتاب جو''فتوحات المکیہ'' کے نام سے موسوم ہے کی عربی شرح ''بسم اللہ'' کے نام سے لکھی۔انسانِ کامل بھی اس کی مشہور تصنیف ہے۔اس کا خیال ہے کہ خالص اور بسیط جوہرایک ایسی شئے ہے جس پر اسماء اوراعراض کا اطلاق کیا جاتا ہےخواہ اس کا وجودواقعی ہویا تصوری۔''(۲۷)

محمود شبستری ☆(۲۸) کی کتاب گلشن راز کوابن عربی کے بیان کردہ نظریاتِ تصوف کا فارسی اشعار میں خلاصہ قراردیا جاسکتا ہے۔

دیگر شارحین و مقلدین میں؛ سلیمان بن علی المعروف عفیف الدین تلمسانی

(۶۱۰ھ-۶۹۰ھ) جو قونوی کے شاگرد تھے اُنہوں نے بھی فصوص الحکم کی شرح لکھی- سرزمین ماور النہر کے شہر فرغانہ کے سعید الدین فرغانی (المتوفی ۷۰۰ھ) بھی قونوی کے شاگرد تھے اور ابن عربی کے مقلدین و مفسرین میں سے تھے- شیخ محمد شیرین مغربی تبریزی (المتوفی ۸۰۹ھ)' شاہ نعمت اللہ ولی کرمانی (المتوفی ۸۳۴ھ) جو بجائے خود ولی اللہ' صاحب طریقت تھے' شیخ الاکبر کے بہت بڑے پرچارک تھے اور اُنہیں قطب المحققین 'امام الموحدین اور محی الملت والدین کہا اور فصوص الحکم کی شرح بھی لکھی- فصوص الحکم کے بارے میں اُن کے ایک شعر کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

''فصوص الحکم کے الفاظ و کلمات ہمارے دل میں یوں پیوست ہو گئے جیسے نگینہ اپنے مقام پر پیوست ہو جاتا ہے- یہ کلمات اُس تک رسول خداﷺ کی طرف سے پہنچے اور پھر اُس کی روح پُر فتوح سے ہم تک'' (شرح ابیات فصوص الحکم،ص۱۸۰)

پھر عزیز الدین نسفی' حسین بن معین الدین میبدی (المتوفی ۸۰۷ھ) ہیں۔ اسی طرح آقا محمد رضا قشمائی ☆(۲۹) ہیں جو ایران میں ابن عربی کے سب سے بڑے شارح اور پیروکار تھے اور ان کا شمار کاشانی اور قونوی جیسے شارحین میں ہوتا ہے- ابن عربی اور وحدت الوجود کے حوالے سے متعدد تصانیف ہیں جن میں ذیل فص شیثی فصوص الحکم درمبحث ولائت ،رسالہ فی وحدت الوجود بل الموجود- شامل ہیں-

سلسلہ اکبریہ:

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ شیخ اکبر کی عجوبہ روزگار شخصیت اور افکار نے تصوّف اور اس کے متعلقات کو اتنا متاثر کیا کہ مختلف سلاسل طریقت میں ان کے اثرات دیکھے جا سکتے ہیں- ان کے موئیدین' شارحین اور پیروکاروں نے ان کے نام باقاعدہ ایک سلسلہء طریقت منسوب و معنون کیا جو ''طریقہ اکبریہ'' کہلایا- بعض حضرات اسے قادریہ سلسلہ کی شاخ متصوّر کرتے ہیں- مشہور مستشرق لوشاتلیر (LE CHATELIER) نے طریق الحجاز (Confreries de Hediaz) نامی کتاب میں دعوٰی کیا ہے کہ ''طریقہء اکبریہ، سلسلہ قادریہ ہی سے نکلا ہے اور اسی کی شاخوں میں سے ایک ہے-'' (اقتدکاری،ص۳۰۶) لیکن ڈاکٹر محسن جہانگیری اسے کمزور احتمال کہتے ہیں اور ابن عربی کی حضرت

غوث الاعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے ایک گونہ عقیدت اور تعظیم وتکریم کی وجہ قرار دیتے ہیں اور لکھتے ہیں کہ دوسرے عارفوں اور صوفیوں کی طرح ان کی طریقت کی بنیاد بھی کشف وشہود اور ذوق وعیان پہ ہے۔(۳۰)

سلسلہء اکبریہ سے چند اور سلسلے بھی متاثر ہوئے اور اسے عزت وتکریم کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ان میں ابوالحسن شاذلی (۵۹۳ھ-۶۵۴ھ) کا سلسلہ شاذلیہ' خواجہ محمد بہاؤالدین نقشبند (التوفی ۷۹۰ھ) سے منسوب سلسلہ نقشبندیہ' شیخ نعمت اللہ ولی سے منسوب سلسلہ نعمۃ اللیہیہ -نور بخشند محمد بن عبداللہ موسوی خراسانی (۷۹۵ھ-۸۶۹ھ) کا سلسلہ نوربخشی' شیخ محمد عارف کا سلسلہ ذھبیہ- اسی طرح شیخ احمد بن المعروف نجم الدین کبریٰ (شہید ۶۱۸ھ) کا سلسلہ کبرویہ- مولانا جلال الدین رومی کا سلسلہ مولویہ شامل ہیں-

=====☆=====

برّصغیر میں اثر و نفوذ:

(وحدت الوجود کے حوالے سے)

کہا جاتا ہے کہ سکندر اعظم کے استاد ارسطو نے اس سے کہا تھا کہ وہ ہندوستان پہنچ کر یہ جاننے کی کوشش کرے کہ وہاں علم کا کیا مقام ہے؟ ادراک حقیقت کے لیے انہی فکری کاوشوں کا نتیجہ تھا کہ ان قوموں نے اس کائنات کے پیچھے ایک ابدی ذات کا جلوہ دیکھا چنانچہ ان قوموں نے حضرت مسیحؑ سے ہزاروں سال پہلے اس ابدی ذات کی حمد وثنا کے ترانے گئے اور اسے مختلف ناموں سے پکارا- کہا جاتا ہے کہ اہل ہند نے کائنات میں صرف ایک ہی وجود کو جلوہ گر پایا جس کے حسن و جمال سے پوری کائنات روشن ہے- اسی لیے کہا گیا کہ دنیا میں وحدت الوجود کا قدیم مرکز ہندوستان ہے اس وجود کی تلاش میں مشرقی قوموں کے والہانہ جذب ومستی اور ذوق وشوق کو بیان کرتے ہوئے ابوالفضل نے کہا تھا۔

الٰہی بہ ہر خانہ کہ می نگرم جو یائے تو اند
بہر زباں کہ می شنم ' گویائے تو (۳۱)

یہ فلسفہ مختلف سلاسل تصوف بالخصوص شطاری' قادری اور نقشبندی، کے ذریعے ہندوستان پہنچا اور یہاں کے مقامی مزاج سے جو کسی قدر اس کا ہم خیال تھا ہم آہنگ ہوگیا اور بہت جلد یہاں کی سیاسی' دینی'

سماجی اور اخلاقی زندگی کے تمام شعبوں پر اس کے اثرات پڑنا شروع ہوئے۔ اس نظریہ نے جہاں رواداری، انسان دوستی اور روشن خیالی کو جنم دیا وہاں ہندو مسلم ثقافت کے فروغ میں بھی نمایاں کردار ادا کیا۔ (۳۲)

درحقیقت ہندوستان میں اسلام کی اشاعت اور اس کی مقبولیت صوفیوں کی مرہونِ منت ہے اس لیے تصوّف کو یہاں مذہبی زندگی میں بنیادی حیثیت حاصل رہی۔ اور اس بنیادی حیثیت میں روز افزواں اضافہ ہوتا ہی رہا۔ ان میں اس قدر وسعت ہوئی اور انکے اثرات اس طرح بڑھے کہ وہ بے شمار چیزیں جو معاشرہ کی تباہی و بربادی کا پیش خیمہ سمجھی جاتی تھیں صوفیاء کی تعلیمات سے دور و نفور کیا۔ بقول پروفیسر خلیق احمد نظامی: ''منگولوں کی پیدا کی ہوئی ابتری کو صوفیاء نے روحانی سلاسل کے قیام سے پورا کیا۔ (۳۳)

نویں اور دسویں صدی ہجری میں ہمیں برصغیر میں وحدت الوجود کی عملی صورت کی مثالیں ملتی ہیں۔ کوئٹہ (بلوچستان) کے پہاڑی سلسلہ میں چہل تن نامی ایک پہاڑی ہے کہتے ہیں کہ اس جگہ چالیس فقیروں کا ایک دائرہ ہے جہاں چالیس کے چالیس فقیروں نے ترکِ اسم کر رکھا تھا ان میں سے کسی فقیر کا کوئی نام نہیں تھا۔

جہاں تک تصوّف کے سندھ میں ورود کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں ہمیں کافی ٹھوس شواہد ملتے ہیں۔ ابونصر سراجؒ کی کتاب **اللمع** میں بایزید بسطامیؒ سے ایک روائت بیان کی گئی ہے کہ انہوں نے شیخ ابوعلی سندھیؒ سے توحید خالص اور حقائق کی تعلیم حاصل کی اور اس کے بدلے میں ابوعلی کو اسلامی احکام کی تعلیم دی۔ مولانا عبیداللہ سندھی کے بقول ابوعلی نومسلم ویدانتی تھے یوں وحدت الوجود کا فلسفہ سندھ سے بسطامی تک پہنچا۔ حسین بن منصور حلاج، فرید الدین عطارؒ اور عبدالکریم جیلیؒ بھی سندھ میں آئے۔ سہروردیہ مسلک سب سے پہلے ہندوستان کے اسی علاقہ یعنی سندھ میں پھیلا اسی طرح دیگر سلاسل کی خانقاہیں بھی یہاں موجود ہیں۔

برصغیر کے **چشتیہ** سلسلے کے بزرگ سماع کے قائل تھے اور فکری لحاظ سے وحدت الوجود کے قائل تھے انہوں نے شیخ الاکبر کی کتب خصوصاً **فصوص الحکم** اور **فتوحاتِ مکیہ** کا گہرا مطالعہ کیا اور اپنی خانقاہوں میں ان کتب کا باقاعدہ درس دیتے تھے لیکن کسی بحث و مباحثہ میں نہیں الجھتے تھے۔ اسی طرح **سہروردیہ** سلسلہ کے بزرگ وحدت الوجود کے مسئلہ سے دور رہے اور انہوں نے اسے موضوع

بحث بھی نہ بنایا- جبکہ **قادریہ** سلسلہ کے اکثر صوفیہ بھی وحدت الوجود کے قائل تھے- جہاں تک **نقشبندیہ** سلسلہ کا تعلق ہے تو انہوں نے وحدت الوجود کی نہ صرف سخت مخالفت کی بلکہ اس کے رد میں نظریہ وحدت الشہود پیش کیا- ذیل میں ہم برصغیر کے چند اہم صوفیہ و مشائخ کا وحدت الوجود کے حوالے سے جائزہ پیش کرتے ہیں:

برصغیر میں تصوّف پر سب سے پہلی کتاب **کشف المحجوب** لکھی گئی جسے اسلامی تصوّف کی انجیل بھی کہا جاتا ہے- اس کے مصنف ابوالحسن علی بن عثمان الہجویری المعروف بہ داتا گنج بخشؒ ☆ (۳۴) ہیں- **کشف المحجوب** میں اگرچہ وحدت الوجود کے حوالے سے براہِ راست تو کوئی بحث موجود نہیں تاہم اس کا مواد اس میں تلاش کیا جا سکتا ہے- مثلاً شیخ ہجویریؒ نے معرفت الٰہی اور توحید کے حوالے سے لکھا ہے:

> ''ہر چیز کی ذات اس کی ذات سے ہے' ہر چیز کا اثر اس کے اثر سے ہے، ہر شئے کی صفت اس کی صفت سے ہے- متحرک اس سے متحرک ہے اور ساکن اس سے ساکن ہے- بندہ کا فعل محض مجازاً ہے ورنہ درحقیقت وہ فعل خداوند عالم کا ہے- اس طرح اس کا قلب خدا کی دوستی کا محل ہے- آنکھیں اس کے دیدار کا محل اور جان عبرت کا محل ہو جاتی ہے-'' (۳۵)

شیخ حمیدالدین ناگوریؒ ☆ (۳۶) کی صرف ایک کتاب **طوالع الشموس** کا پتہ ملتا ہے- شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اس کتاب کے بعض اقتباسات **اخبار الاخیار** میں نقل کیے ہیں ایک جگہ لکھا ہے:

> اے عزیز! بے شک ھُو کہنے والا والہ و حیران ہوتا ہے- جب محبوب بے نشان کے مشاہدہ میں مستغرق ہوتا ہے تو محبوب کی ھُویّت اس کی انانیت کو مضمحل کر دیتی ہے اور اس کو اپنے چہرے کی تجلی سے جلا دیتی ہے' اگر وہ مقام استغراق سے مقام استہلاک میں جا پڑے تو پھر محبوب میں گم ہو جاتا ہے اور بے نشان ہو جاتا ہے اور تمام اسرار اس پہ عیاں ہو جاتے ہیں جیسے کہ لجۂ محیطِ عشق میں قطرہ'' (۳۷)

حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ ☆ (۳۸) کے ہندوستان میں تشریف لانے سے ایک زبردست روحانی و سماجی انقلاب برپا ہوا اور وہ تھا چھوت چھات کے ماحول میں ذات کی مساوات کا اسلامیہ نظریہ- آپ

کا درج ذیل اشعار وحدت الوجودی رنگ لیے ہوئے ہیں۔

زجام عشق نہ منصور بیخود آمد و بس — کہ دار نیز ہمی گفت بارسن ہمہ اوست

مگو کہ کثرت اشیاء نقیض وحدت گشت — تو درحقیقت اشیاء نظر فگن ہمہ اوست

(۳۹)

توحید اور وجود وشہود کے بارے میں ان کی رائے سب سے زیادہ متوازن ہے۔ اپنے ملفوظات میں فرماتے ہیں:

''اے قطب الدین توحید وجودی کیا چیز ہے؟ وہ کیفیت ہے کہ عارف کو توحید کے نشہ میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خود عارف اور کُل عالم عین ذاتِ حق ہے۔ یہ امر اُن فرضی تصورات کا ثمرہ اور نتیجہ ہے جو بزرگوں نے فنا و بقا کے حاصل کرنے کے واسطے مقرر کیے ہیں مگر فی الحقیقت آپ کو اور کائنات کو عین ذاتِ حق جاننا کفر ہے کیونکہ یہ صفت تنزیہہ کے خلاف ہے اسی طرح توحیدِ ظلی یعنی جو صوفی کائنات کو اللہ تعالیٰ کا سایہ جانتے ہیں وہ بھی غلطی پر ہیں کیونکہ جب حضرت رسول کریم ﷺ کے جسم لطیف کا سایہ نہ تھا اللہ تعالیٰ کا سایہ کیونکر ہوسکتا ہے ہاں عالم اسماء وصفات الٰہی کا مظہر (جائے ظہور) ہے اور اسماء وصفات مظہر ذات ہیں (مظہر بمعنی ظاہر کرنے والا) ایسی مناسبت کے سبب سے عارف لوگ عالم سکر میں توحید وجودی اور ظلی کے قائل ہوجاتے ہیں ورنہ وہ ذات پاک ہر شئے سے منزہ ہے۔'' (۴۰)

شیخ شرف الدین بوعلی قلندرؒ ☆ (۴۱) کے مکتوبات میں سے ایک اقتباس جو جودی رنگ لیے ہوئے ہے:

''اے برادر! عاشق ہو جاؤ اور دونوں عالم کو معشوق کا حسن جانو اور اپنے آپ کو معشوق کا حسن کہو۔ عاشق نے اپنے عشق سے تمہارے وجود کا ملک بنایا تا کہ اپنے حسن و جمال کو تمہارے آئینے میں دیکھے اور تم کو محرم اسرار جانے اور الانسان سِرّی (انسان میرا بھید ہے) تمہاری شان میں آیا ہے۔ عاشق ہو جاؤ تا کہ حسن کو ہمیشہ دیکھو۔'' (۴۲)

مثنوی سے لیے گئے درج ذیل اشعار وحدت الوجود پر دلالت کرتے ہیں۔

بودہ ام درباغ وحدت بے نشاں — چوں بکثرت آمدم گشتم عیاں

دیدِ حسن خویش با چشم شہود　　خود تجلّی کرد در ملکِ وجود
امر و بم روح کردہ نام ما　　کرد پُر ساقیِ وحدتِ جام ما

(میں وحدت کے باغ میں بے نشان تھی جب دنیا میں آئی تو ظاہر ہوئی- خدا نے اپنے حسن کی طرف موجود ہونے کی نظر سے دیکھا اور خود ہستی کے ملک میں جلوہ کیا- میرے رب کے حکم نے میرا نام روح کیا- ساقیِ وحدت نے میرا پیالہ پُر کیا) (۴۳)

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ☆(۴۴) نے دو ایک جگہ مقاماتِ اولیاء کے متعلق جو اشارات کیے ہیں ان سے خیال ہوتا ہے کہ وہ بھی ابن عربی کے نظریے سے متاثر تھے بلکہ انہوں نے کہا:

''جب ولی مقام قطبیت اور غوثیت و فردیت کو طے کر کے مرتبہ محبوبیت کو پہنچتا ہے تو اس کی ذات مظہر الٰہی ہو جاتی ہے اور اس کا ارادہ بھی ارادہ اللہ ہو جاتا ہے-''(۴۵)

ہندوستان میں وحدت الوجود پر فلسفیانہ اور عارفانہ بحث کا آغاز شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیریؒ☆(۴۶) سے ہوتا ہے- اس خطہ میں بقول صاحب آبِ کوثر، جن صوفیانہ رسائل نے سب سے زیادہ شہرت پائی اور صوفیائے کبار کے نزدیک قریباً قریباً ایک دستور العمل کی حیثیت اختیار کر لی وہ مکتوباتِ شرف الدین یحییٰ منیری (مکتوبات سہ (۳) صدی) تھے---- فلسفہ اور تصوّف کا بنیادی مواد ان کی کتب سے ملتا ہے-(۴۷) مکتوبات سہ ۳ صدی میں لکھتے ہیں:

''مجاہدہ اور ریاضت سے یہ مشاہدہ ہوتا ہے کہ فاعل حقیقی اللہ ہی کی ایک ذات ہے- یہ توحید عارفانہ ہے، جس کو مقام ہمہ از اوست سے تعبیر کیا جاتا ہے لیکن اس کے بعد مجاہدہ اور ریاضت کی کثرت سے سالک ایسا مستغرق ہو جاتا ہے کہ ساری ہستیاں اس کی نظر میں گم ہو جاتی ہیں- وہ اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ اور نہیں دیکھتا' اس پر فنائیت طاری رہتی ہے اس کو فنا فی التوحید یعنی ہمہ اوست کہتے ہیں- فنا فی التوحید کے بعد بھی ایک مقام آتا ہے جس کا نام ''الفنا عن الفنا'' ہے- یہاں پہنچ کر وہ خدا کے جلال اور جمال میں کوئی تمیز نہیں کرتا ہے- کیونکہ یہ تمیز باقی رہ جاتی ہے تو یہ تفرقہ کی دلیل ہے- عین الحق اور جمع الجمع کا مقام اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب سالک اپنے اور کل کائنات کو خدا کے دریائے نور میں غرق کر دیتا ہے اور اس کو خبر

نہیں ہوتی ہے کہ کون اور کیا غرق ہوا- اس مقام تفرید میں پہنچ کر سالک کو وحدت الوجود کی حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے اور وہ ایسا محو ہو جاتا ہے کہ اس کو اسم و رسم، وجود و عدم، عبادت و اشارت، عرش و فرش اور اثر و خبر سے کوئی واقفیت نہیں ہوتی- اس مقام کے سوا کہیں اور جلوہ گر نہیں ہوتا- یہاں کے سوا اس کا نشاں کہیں اور ظاہر نہیں ہوتا'' (۴۸)

حضرت سید اشرف جہانگیر سمنانیؒ ☆(۴۹) وحدت الوجود کے بہت بڑے حامیوں میں سے تھے۔ آپ نے بڑے مبسوط اور مدلل انداز سے وحدت الوجود کے خیالات پیش کیے- آپ لکھتے ہیں کہ لوگوں نے شیخ ابن العربی کے فلسفہ کو سمجھنے میں غلطیاں کی ہیں، اس لیے ان کے عقائد سے غلط فہمیاں پیدا ہوئیں۔ آپ نے وحدت الوجود یا ہمہ اوست کو آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبوی ﷺ سے ثابت بھی کیا- لیکن ان کو یہ خیال رہا کہ اس قسم کے مباحث میں گمراہی بھی پیدا ہو سکتی ہے اس لیے اپنی تعلیمات میں اس کی وضاحت کی کہ اولیاء اللہ کی خواہ کوئی قسم بھی ہو چاہے وہ غوث ہوں یا اوتاد، ابدال یا احیار، جو کچھ بھی ہوں وہ فنا فی اللہ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ ظاہراً، باطناً، فعلاً اور حالاً محمد مصطفیٰ ﷺ کے متبع نہ ہوں'' (۵۰)

امیرِ کبیر سیّد علی ہمدانیؒ ☆(۵۱) ۱۷۰ کتب کے مصنف تھے، جن میں مشارق الاذواق (ابن فارض کے قصیدہ کی شرح) رسالہ وجودیہ (وجود پر عارفانہ بحث)، الانسان الکامل (وحدت الوجود کی تعلیمات اور انسانِ کامل کے اوصاف) اور حل الفصوص جو کہ شیخ اکبر کی فصوص الحکم کا خلاصہ ومطالب پر مشتمل ہے۔

سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسودرازؒ ☆(۵۲) نے شرح فصوص الحکم اور شیخ الاکبر کے ایک اور رسالہ کا ترجمہ 'حواشی قوت القلوب' کے نام سے کیا- تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک و ہند جلد ششم، صفحہ ۲۵۷ پر لکھا ہے:

> خواجہ بندہ نواز کے اشعار اور ان کی تصنیف معراج العاشقین کے ابتدائی حصہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں وجود اور وجودیت کا نہ صرف علمی اندازہ تھا بلکہ اس سے انہیں مشاہداتی اور کیفیاتی تعارف و شناسائی بھی تھی- وہ شہباز تخلص کرتے تھے ان کا یہ شعر دیکھیے جو راگ رام کلی میں ہے اس کا مضمون وحدت الوجودی ہے ؎

مخفی نانون معشوق رکھ ظاہر شہباز کہلائے　　　عشق کے جینی چند بند اپنی آپ کہلائے

(۵۳)

ایک جگہ دوئی کو مٹا کر یکتائی پیدا کرنے کا سبق اس طرح دیتے ہیں ؎

دوئی دوئی تائی دور کریکٹ واحد ہونا   چاروں کپڑے جال کر مجنوں ہو رہنا

(۵۴)

شیخ علی مہائمیؒ ☆(۵۵) نے فصوص الحکم کی شرح لکھی۔توحیدِ وجودی کے قائل اور شیخ اکبر کے پیرو تھے۔اپنی تفسیر تبسیر القرآن (جلد دوم،صفحہ:۲۹۳) میں آیت نحن اقرب الیه کی تفسیر یوں کرتے ہیں:

''حق تعالیٰ قربتِ خلق سے مکانی، زمانی اور رتبی نہیں بلکہ ذاتی قربت ہے بغیر اختلاط، اتحاد اور حلول کے۔''

عہد تغلق کے ایک صوفی تھے سید محمد بن جعفرؒ جو شیخ نصیر الدین محمودؒ کے خلیفہ تھے۔توحید و تفرید میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے۔اپنی تصنیف بحر المعانی میں لکھتے ہیں:

''اے محبوب! جب درویش تجلی صفات میں مستغرق ہوتا ہے پس خود کو اس کے جمال صفتی سے کسی صفت میں متصف پاتا ہے یعنی ذاتِ جائز الوجود صفاتِ واجب الوجود میں جز ِ صفات کے نور میں مستغرق ہو جاتی ہے اور وہ صفت واجب الوجود بیان میں آتی ہے اور وجودِ جائز الوجود کو صاف اچک کر لے جاتی ہے اس پر یہ صفت واجب الوجود کلام میں آتی ہے اور سبحانی اور انا الحق کہنے لگتی ہے۔''(۵٦)

عبد الکریم بن محمد لاہوریؒ شیخ نظام الدین بلخیؒ کے مرید عالم، صوفی اور سلسلہ چشتیہ سے وابستہ تھے۔انہوں نے تصوّف پر متعدد کتب رقم کیں۔عقائد الموحدین وحدت الوجود سے متعلق ہے جس میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''خدا منزہ عن الحد و النهایه ہے یعنی کوئی شے اس سے خالی نہیں بہ الفاظ دیگر خدا اشیاء کے حدود تک محدود ہے اور اشیاء از خود موجود ہیں۔''

اپنے خیالات کی تائید میں انہوں نے یہ حدیث پیش کی:

''ازل میں اللہ تھا اور اس کے ساتھ کوئی شئے نہ تھی اور ہنوز وہ اس طرح ہے''(۵۷)

شیخ امان اللہ پانی پتیؒ ☆(۵۸) وحدت الوجودی خیالات کے صوفی اور ابن عربی کے مقلد-شیخ عبدالحق محدث دہلوی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

"وے از صوفیہ موحدہ است از تابعانِ ابن العربی- در علم ایں طائفہ مرتبہ بلند و پایہ ارجمند داشت و در تقریر مسئلہ توحید بیان شافی و تقریر وافی و سخن توحید را فاش گفتے-"(۵۸)

وحدت الوجود پر اثبات الاحدیت نامی رسالہ لکھا-ایک اور رسالہ اثبات توحید میں لکھتے ہیں:

"واجب تعالیٰ ممکنات سے مغائر تو ہے لیکن یہ مغائرت حقیقی نہیں بلکہ تعین اور تقلید کے اعتبار سے ہے لہٰذا ناگزیر ہے کہ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ کے لیے الگ تعین ہو اور افرادِ عالم کے لیے الگ (عام اس سے کہ وہ از قبل جسمانیات ہوں یا روحانیات)" (۶۰)

شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ ☆(۶۱) کی تصانیف کا موضوع وحدت الوجود تھا-انہوں نے فصوص الحکم پر حواشی لکھے-دسویں صدی ہجری میں وحدت الوجود کی اشاعت میں غیر معمولی حصہ لیا-ان کے نزدیک وحدت الوجود اسرار الٰہی میں سے ہے اور ایک ایسی حقیقت جس کا تعلق باطنی سربلندیوں سے ہے-رسالہ غریب الفوائد (صفحہ:۳۲) میں لکھتے ہیں:

"اہل شریعت کے نزدیک خداوند تعالیٰ اور عالم کی نسبت وہی ہے جو کاتب اور حروف و کلمات کی ہوتی ہے' اہل حکمت کے نزدیک یہ نسبت وہی ہے جو تخم کی نسبت درخت سے ہوتی ہے-لیکن اہل وحدت کے نزدیک یہ نسبت وہی ہے جو سیاہی کی نسبت حروف سے ہوتی ہے-حروف سیاہی سے نکلتے ہیں بلکہ یہ عین سیاہی ہیں لیکن حروف کو سیاہی نہیں کہیں گے اگر کوئی ایسا کہتا ہے تو یہ اس کی غلطی کہی جائے گی کیونکہ ان کی ظاہری شکل وصورت مختلف ہے لیکن یہ دیکھا اور سمجھا جا سکتا ہے کہ حروف در حقیقت عین سیاہی ہیں"-

شیخ گنگوہی ہندی زبان کے شاعر بھی تھے-ان کا ایک نمائندہ شعر دیکھیں جو وحدت الوجود کا موضوع لیے ہوئے ہے ؎

جیدھر دیکھوں ہے سکھی دیکھوں ہور نہ کوئے ۔۔۔ دیکھا بوجھ بچار ماں سبھی آپی ہوئے

(۶۲)

شیخ عبدالرزاق جھنجھانویؒ ☆(۶۳) کو توحید پر تقریر میں ایک خاص ذوق ودیعت تھا یہ

انداز شیخ اکبر ابن عربی کے مطابق تھا- اپنے ایک مکتوب میں رقمطراز ہیں:

''ہر ایک موضوع کے اندر ایک نشانی ہے جو دلالت کرتی ہے اپنے صانع حکیم کی طرف اور ارادہ کرتی ہے وہ مصنوع کسی اور کی طرف بھی- یہ صفت اثر ہے- اس مصنوع کی صفت میں جس کی بنا پر شناخت کی جاتی ہے اللہ تعالیٰ کی اس شے کی ولائت کی بنا پر''

ایک اور جگہ کہتے ہیں:

''اے برادر! خدا تجھے معرفت واجب الوجود دے- پس جب اس کا وجود واجب ہوا تو اس کے ماسوا کا وجود معدوم ٹھہرا'' (٦٤)

شاہ علی جیو گام دھنی: (التوفی ٩٧٣ھ/ ١٥٦٥ء)، میر علی شیر قانع نے تحفتہ الکرام میں لکھا ہے کہ شیخ احمد کبیر رفائی کی اولاد میں سے تھے- (جلد اوّل، ص ٣٩، ٤١) جواھر اسرار اللہ کے نام سے ایک ہندی دیوان ملتا ہے- جیو گام دھنی نے وحدت الوجود کے مسئلہ اور مبحث کو مثالیں دے کر اپنے کلام میں بیان کیا- غالباً اسی لیے مرزا محمد حسن نے مراۃ احمدی میں لکھا ہے کہ علی جیو گام دھنی کا دیوان صورت و معنی میں شیخ مغربی کے دیوان کے برابر ہے- (جلد دوم، ص ٤١) اردو کی پہلی سی حرفی بھی علی جیو گام دھنی نے لکھی تھی۔ ☆ (٦٥) ان کے وحدت الوجودی کلام کے چند نمونے حسب ذیل ہے

☆ مانک موتی سکھ سنگھارا اے سب بھیس پیا کا سارا

☆ کہیں سو عاشق ہو کر روؤں کہیں سو عارف ہو پچھتاؤں
کہیں موحد، کہیں محقق، کہیں سو جانوں، کہیں نہ جانوں ☆ (٦٦)

شیخ عبدالوہاب متقیؒ (٩٤١ھ-١٠٠١ھ) پہلے با اثر ہندوستانی عالم ہیں جنہوں نے شیخ علی متقی کے علاوہ وحدت الوجودیوں کی افراط و تفریط کے خلاف آواز اٹھائی اور شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اور شیخ محمد طاہر پٹنی جیسی ہستیوں پر اثر ڈالا- (٦٧)

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے دادا شیخ سعد اللہؒ چچا، رزاق اللہ مشتاقیؒ، والد، شیخ سیف الدینؒ اور ماموں وحدت الوجودی خیالات رکھتے تھے- شیخ سیف الدین کے مرشد شیخ امان اللہ پانی پتیؒ تو غالی وجودی صوفی تھے- خود شیخ عبدالحق پر بھی اس نظریہ کے اثرات مرتب ہوئے-

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مُرشد حضرت خواجہ باقی باللہؒ ☆ (٦٨) کی تصنیف حقیقتہ

الحقائق وحدت الوجود سے متعلق ہے- اگر چہ رباعیات اور مثنوی کے مطالعہ سے ہی حضرت خواجہ کے نظریہ کا اندازہ ہو جاتا ہے لیکن رسالہ کے مطالعہ سے ان کے مسلک و موقف اور عقیدہ وحدت الوجود پر مزید روشنی پڑتی ہے- ایک جگہ لکھتے ہیں:

''شب و روز وحدت کے خیال میں رہنا چاہیے- اگر تم سرداری چاہتے ہو تو واحد اور واحد رہو- واحد ہونا یہ ہے کہ دوئی کے خیال سے بھی باہر آ جاؤ اور واحد رہنے کے معنی یہ ہیں کہ ہمیشہ وحدت میں رہو اور ذہنی اور قلبی پراگندگی اور غم و اندوہ کو اپنے پاس نہ بھٹکنے دو کیونکہ یہ سب دوئی کی علامات ہیں جب دوئی مٹ جائے گی تو دونوں عالم میں آسودگی حاصل ہوگی- اس عالم میں غیر کہاں اور غیر کیسے موجود ہوا۔

غیر تش غیر در جہان نہ گذاشت لا جرم جملہ عین اشیاء شد

اگر ہزار سال اس پر غور کرو گے تو بھی سوا حقیقت مطلقہ جو عین وحدت ہے کچھ نہ پا سکو گے- اس لیے کہ اس کا غیر وہی ہے اور وہی سب کچھ ہے (غیر لا یلا د ہمہ اوست ولا ہمہ است)- اس کا وجود ظہور ہے، عدم، بطون، اوّل، آخر، ظاہر، باطن، مقید، مطلق، کل، جز، مشبہ، منزہ، سب وہی ہے۔''(٦٩)

محمد بن فضل اللہؒ: (المتوفی ١٠٢٩ھ/١٦٢٠ء) وجیہہ الدین گجراتی کے مرید، التحفتہ المرسلہ الی النبی کے نام سے وحدت الوجود کے موضوع پر کتاب لکھی جس میں نظریہ وحدت الوجود کی تائید میں قرآن اور حدیث کے حوالے دیے ہیں- اس کتاب کی تین شرحیں لکھی گئیں- ان کے نزدیک:

''صرف خدا ہی ایک وجود ہے اور یہ وجود اگرچہ واحد ہے مگر مختلف شکلوں میں ظاہر ہوتا ہے- یہ وجود تمام موجودات کی اصل و حقیقت ہے اور اس اعتبار سے یہ وجود نہ تو کسی پر منکشف کیا جا سکتا ہے اور نہ ذہن اس کا احاطہ کر سکتا ہے-''(٧٠)

حضرت میاں میر قادریؒ ☆(٧١) کو وحدت الوجودی فلسفے سے خاص محبت تھی- عمل صالح میں لکھا ہے کہ آپ کو شیخ محی الدین ابن العربی کی کتاب فتوحات مکیہ کا اکثر حصہ حفظ تھا اور مولانا جامیؒ کی شرح فصوص الحکم بھی آپ کو پوری طرح حفظ تھی۔☆(٧٢) دارا شکوہ سکینتہ

الاولیاء (ص ۱۱۴) میں لکھتا ہے:

''وحدت وکثرت کے مسائل کو آپ اکثر لوگوں سے پوشیدہ رکھتے تھے اور ممکن تھا کہ آپ کی زبان پر وہ باتیں بیان ہوں جو وجد واسرار سے متعلق ہوتی ہیں۔''

شاہ امیر ابوالعلیٰؒ ☆ (۷۴) رسالہ فنا و بقا میں لکھتے ہیں:

''سالک کو چاہیے کہ وہ کسی شئے اور کسی چیز کو کسی غیر حق کی طرف نسبت نہ کرے کہ صوفیہ عالیہ کے گروہ کے نزدیک اس کا نام بھی شرک ہے۔۔۔فنا فی الذات سے مراد یہ ہے کہ سالک اپنی ذات اور تمام عالم کی ذات کو ذاتِ حق جانے اور دیکھے۔ اس مرتبہ پر پہنچ کر تحقیقی طور پر جانے اور نظر کرے کہ وہ سب حق ہے اور یقین سمجھے اور خیال کرے کہ وہ حضرتِ حق تعالیٰ جل شانہٗ نے مرتبہ اطلاق سے نزول فرما کر ان مختلف صورتوں میں اور انواع انواع شکلوں میں ظہور فرمایا ہے وہی وہ ہے اور اس کا غیر موجود نہیں۔۔۔سالک کو چاہیے کہ وہ تمام عالم کو ایک آئینہ فرض کرے اور انوارِ جمالِ حق کو ہمیشہ آئینے میں دیکھتا رہے اور اس نسبت میں ایسا محو منہمک ومقید ہو جائے کہ یہ تصور کسی لحظہ دل سے دور اور آنکھ سے اوجھل نہ ہو۔۔۔بعدہٗ سالک کو چاہیے کہ اس مرتبہ سے ترقی کے مرتبہ اعلیٰ پر پہنچے اور تمام عالم کو حق دیکھے۔'' (۷۵)

شیخ محب اللہ الٰہ آبادیؒ ☆ (۷۵) چشتیہ سلسلہ کے وہ معروف بزرگ صوفی ہیں جنہوں نے ابن عربی کے افکار کا بغور مطالعہ کیا اور ہندوستان میں ان کے نظریات کی اس انہماک سے اشاعت کی کہ انہیں **ھندی ابن عربی** کا خطاب ملا۔ انہوں نے **المراتب الاربعہ** جسے حاشیہ ترجمان القرآن بھی لکھا جاتا ہے کے نام سے تصوف اور بالخصوص وحدت الوجود کے نقطہ نظر سے تفسیر لکھی۔ **فصوص الحکم** کی شرح کے علاوہ متعدد اور کتب تصنیف کیں۔ **انفاس الخواص** **فصوص** کی طرز پر لکھی گئی۔ یہ ۸۱ حصوں میں منقسم ہے ہر نفس کا نام اس نبی یا ولی کے نام پر رکھا گیا ہے جس کی تعلیمات کی باطنی تاویل اور سوانح حیات پر یہ نفس مشتمل ہے۔ اس کتاب میں نظریہ الوجود کی پُر زور وکالت کی گئی ہے۔ **التسویہ بین الافادہ والقبول** میں محب اللہ الٰہ آبادی نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ کوئی مخلوق اللہ سے مغائر نہیں ہے۔ **عقائد الخواص** میں علماء اور صوفیاء کے عقائد واضح کیے گئے ہیں۔ اس میں دینی موضوعات کی متصوفانہ تاویلات اور باطنی تصریحات کی گئی ہیں۔ (۷۶)

سکینتہ الاولیاء میں داراشکوہ نے مُلّا خواجہ بہاری ☆(۷۷) کے درج ذیل اشعار درج کیے ہیں ۔

ہیچ قلبے درجہاں مردود نیست ز آنکہ قصدش از خریدن سود نیست
خریدیکہ از و سود منظور نیست ہیچ کالاؤ متاع دراں مردود نیست

ان اشعار کی تشریح وتوضیح کرتے ہوئے داراشکوہ لکھتے ہیں:

''اللہ کریم کے نزدیک وحدت' مساوات اور برابری ہے اس لیے عالم کائنات میں ہمیں مراتب کے فرق میں جو بڑا فرق نظر آتا ہے یہ صرف عالم کثرت سے پایا جاتا ہے- عالم وحدت نورِ سادہ ہے اور صرف عالم وحدت ہی وحدت ہے اس لیے کسی طرح کا کوئی فرق نہیں ہے- (۷۸)

داراشکوہ ☆(۷۹) اپنے مرشد ملا شاہ بدخشی کی طرح وحدت الوجود کا زبردست حامی ومبلغ تھا۔اس کے اشعار میں آزاد خیالی اور وحدت الوجودی مسلک خاص طور پر جھلکتا ہے ۔

ہر خم و پیچ کہ شد از تابِ زلف یار شد دام شد' تسبیح شد' زنجیر شد' زنار شد
مردم شدم تا کہ بقراں گشتم عارف شدم و ز خویش عریاں گشتم

شاید اسی بنا پر شیخ محمد اکرام نے لکھا ہے کہ ''اس کے وحدت الوجودی مشرب اور ہندو ویدانت میں کوئی بُعد نہ تھا-'' تاہم آگے چل کر وہ لکھتے ہیں: ''داراشکوہ کی تصنیفات میں تلاش وتفتیش کے باوجود کوئی ایسا اندراج نظر نہیں آتا جس سے اس کا الحاد ثابت ہو سکے-''(۸۰)

وحدت الوجود کے بارے میں داراشکوہ کی نہائت اہم کتاب **مجمع البحرین** ہے- یہ ایک مختصر رسالہ ہے جس میں عناصر' حواس ،صفاتِ الٰہی' نبوت' ولائت اور عالم برزخ وغیرہ کے متعلق تصوف اور یوگ کے خیالات جمع کیے گئے ہیں اور یہی وہ رسالہ ہے جو اس کے قتل کا باعث بنا- اس رسالہ میں وہ خدا کی حمد وثنا بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

''اس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنے خوبصورت' لاثانی اور لاشریک چہرے پر اپنی زلفیں کفر واسلام کی شکل میں ڈال رکھی ہیں مگر ان مذاہب نے اس جوہر اصلی کے رنگ وروپ کو چھپایا نہیں کیونکہ دونوں مذاہب کی راہیں اُسی کی جانب جاتی ہیں وہ لاشریک ہے' وہی ہمسایہ ہے'

وہی ساتھی، وہی ہمراہی، وہی گدا کی گدڑی اور بادشاہ کے قیمتی لباس میں موجود ہے- وہی اوپر ہے اور وہی نیچے ہے کیونکہ ہر شئے میں وہی موجود ہے" (۸۱)

مُلّا شاہ بدخشی (المتوفی ۱۰۶۹ھ) ایک ایسا وارستہ گو صوفی شاعر تھا کہ علمائے کشمیر نے کافر اور واجب القتل ہونے کا فتویٰ دے کر شاہجہاں سے استدعا کی کہ وہ اس کے خلاف شرعی حد جاری کرے لیکن دارا شکوہ کی سفارش آڑے آئی اور میاں میر کے کہنے پر کہ احوال کے تابع مُلّا شاہ ایسی باتیں کہہ جاتا ہے جن سے پرہیز واجب ہے لیکن اسے ان کی بنا پر قتل کرنا ناموزوں ہوگا- مُلّا کے اشعار کا ایک دیوان ہے جس کے اکثر و بیشتر مضامین موحدانہ ہیں- مُلّا نظریہ وحدت الوجود کے زبردست حامی تھے- دارا شکوہ نے سکینتہ الاولیاء میں ان کی ایک ہمہ اوستی غزل درج کی ہے ۔

ہمہ اوست چیست اے بابا ۔۔۔ آنکہ خواہی تو کیست اے بابا

از نشان پے بہ بے نشان بردن ۔۔۔ کار فہم تُو کیست اے بابا

عمر گر صرف ایں مشاہدہ نیست ۔۔۔ از بہر چیست زیست اے بابا

(۸۲)

اسلامی تصوف کی تاریخ میں بقول ڈاکٹر سُلطان الطاف علی، سلطان العارفین حضرت سلطان باہوؒ☆ (۸۳) ہی اولین صُوفی ہیں جنہوں نے عینیت اور ماورائیت کو یکا نگت دی۔ (۸۴)

اپنی مشہور کتاب عین الفقر میں سلطان صاحبؒ وحدت الوجود کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"میرا وجود اُس کی توحید سے ہمہ تن توحید ہوگیا اور اس کی عین توحید کے سبب سے خدا تعالیٰ کے سوا کچھ نہ دیکھا- (ص ۳)" حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے فرمایا ہے: مَارَاَیْتُ شَیْئًا اِلَّا دَرَاَیْتُ اللّٰہَ فِیْہِ (میں نے کسی شے کو نہیں دیکھا مگر یہ کہ خدائے تعالیٰ کا جلال اس میں دیکھا) نیز خدا تعالیٰ بندے کے ساتھ وہی گمان رکھتا ہے جو گمان بندہ خدا تعالیٰ کے ساتھ رکھتا ہے جیسا کہ حضرت رسول مقبول ﷺ نے فرمایا ہے: (حدیث قدسی) اَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِیْ بِیْ فَلْیَظُنَّ بِیْ مَا شَآءَ (میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں جو اس کا جی چاہے میرے ساتھ گمان رکھے) پس جو شخص خدا تعالیٰ کو یقیناً حاضر ناظر جانتا ہے اُسے اللہ تعالیٰ کے نور کی تجلی ہر چیز میں نظر آ سکتی ہے اور جو شخص خدا تعالیٰ کو اپنی ذات کی طرح معائنہ

کرنا چاہے وہ شخص پہلے دل کی آنکھ پیدا کرلے پھر خدائے تعالیٰ کو اپنی ذات کی طرح معائنہ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ o (اور تمہارے نفسوں میں ہے پھر کیا تم غور نہیں کرتے) خدائے تعالیٰ گردن کی شہ رگ سے زیادہ نزدیک ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدُ o (ہم اپنے بندے سے اس کی گردن کی شہ رگ سے زیادہ قریب ہیں)۔

ز شہرگ خدا نزدیک چوں گرئید دُور   تو از پس پردہ و مرتر ابا اُو حُضور

(اللہ تعالیٰ گردن کی شہہ رگ سے نزدیک ہے پھر دور کیوں کہتے ہو۔ تُو پردہ میں پڑا ہوا ہے مگر تجھے اس کے ساتھ حضور ہے) وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَمَا كُنْتُمْ o خدا با تو ہمراہ وتو کورچشم از وگم راہ (خدا تعالیٰ تیرے ہمراہ ہے اور تو کورچشم اور اس سے گمراہ ہے)'' (ص ۱۳)۔

نور نورش باہمہ بودہ ظہور   ہر چہ بنی آواز کشت است نور

(اسی کے نور کا پرتو سب پر ظاہر ہوا ہے جو کچھ دیکھ رہا ہے اُسی کے پرتو سے روشن ہو رہا ہے)

(۸۵)

سترہویں صدی کے اوسط و اواخر کے صوفیوں میں شیخ نور الحق، شیخ برہان، سید سعد اللہ، شیخ بایزید اور میر نصیر الدین ہاروی کا ذکر وحدت الوجود سلسلہ سے صوفیوں میں کیا جاسکتا ہے۔ (۸۶)

شاہ ولی اللہؒ کے والد شاہ عبد الرحیمؒ (المتوفی ۱۱۳۱ھ/ ۱۷۱۸ء) بھی وحدت الوجود کے حامی تھے۔ انہوں نے **فصوص الحکم** کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس کو قرآنی آیات اور احادیث کے مطابق قرار دیتے تھے لیکن یہ بھی فرماتے تھے: ''اس مسئلہ کو جو لوگ صحیح طور پر نہیں سمجھ سکتے ہیں وہ الحاد و زندقہ کے بھنور میں ڈوب جاتے ہیں''۔ چنانچہ وہ کسی حال میں یہ پسند نہ کرتے تھے کہ وحدت الوجود کے قائل ہونے کے بعد شریعت کی پابندی نہ کی جائے اور خود انہوں نے اس کا عملی نمونہ بھی پیش کیا۔

شاہ ولی اللہؒ نے اپنے چچا ابوالرضاؒ (المتوفی: ۷ محرم ۱۱۰۰ھ) کو وحدت الوجود کا شہسوار اور امام ارباب معرفت وشہود لکھا ہے۔ شاہ ابوالرضاء وجود وشہود کے قائل ہونے کے ساتھ ساتھ شریعت کے بہت پابند تھے۔ ان کی حضرت مجددؒ کے پوتے شیخ عبد الاحدؒ سے وحدت الوجود کے سلسلے میں مراسلت رہی۔

شاہ ولی اللہؒ ☆ (۸۷) کی اساسی تعلیمات اور اسلام وتصوف کے بارے میں ان کی

معتدلانہ، متوازن اور تطبیقی کوششوں کے بارے میں پروفیسر عزیز احمد لکھتے ہیں:

''اٹھارہویں صدی کے ابتدائی دور میں مسلم ہندوستان کی مذہبی فکرنو کی ضروریات میں شاہ ولی اللہ کا جو حصہ ہے وہ ایک طرف اسلامی فقہ کو نظم وضبط حدیث کے تحت لانا تھا اور دوسری جانب مختلف صوفی نظاموں کے بچے کھچے حصوں کو مروجہ راسخ اسلام میں مکمل طور پر جذب کرنا تھا انہوں نے یہ بتایا کہ پیغمبرانہ وحی کے دور کے بعد صوفیانہ کشف حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے شروع ہوا اور ابن عربی کے تصانیف میں اپنے اختتام کو پہنچ گیا- بعد ازاں انہوں نے ابن عربی کے وحدت الوجود اور شیخ احمد سرہندی کے وحدت الشہود کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کی'' (۸۸)

شاہ صاحبؒ کے دور میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود کا اختلاف اپنے عروج پر تھا- آپ نے اسے نزاع لفظی قرار دیتے ہوئے ہر دو نظریات میں تطبیق دیتے ہوئے نفسِ کلیہ کا نظریہ پیش کیا جس کا مفہوم یہ ہے کہ:

''کائنات کی ہر چیز ایک اعتبار سے نفسِ کلیہ کی عین ہے اور صوفیہ اسی کے لیے بحر اور موج کی مثال دیتے ہیں- لیکن اس سے اوپر نفسِ کلیہ سے لے کر واجب الوجود تک جو منزل ہے اس کی کیفیت معلوم کرنا عقل کے بس کی بات نہیں- یہ مقام چونکہ عقل کے احاطے سے خارج ہے اس لیے اس کی تعبیر میں ہر قسم کے مشتبہ الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں''- (۸۹)

تمام دقیق صُوفیانہ مصطلاحات سے مُبرا ومُنزا، واضح انداز میں شاہ صاحبؒ، وحدت الوجود کو توحید صفاتی قرار دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''توحید صفاتی سے مراد یہ ہے کہ سالک مختلف صورتوں اور مظاہر میں صرف ایک اصل کو جلوہ گر دیکھے اور بغیر کسی شک وشبہ کے اس بات کو بداہتہً مان لے کہ سارے کے سارے اختلافات ایک ہی اصل میں ثابت اور موجود ہیں اور پھر وہ اس اصل کی نوع بہ نوع صورتوں میں جلوہ گر بھی دیکھے اور ہر جگہ اس اصل کو پہچانے- اس کی مثال یوں سمجھیے کہ کوئی شخص نوع انسانی کے تمام افراد میں ایک انسانِ کلی کا مشاہدہ کرتا ہے یا وہ موم کی مختلف مورتوں میں ایک ہی موم کی جنس کو ہر مورت میں موجود پاتا ہے- الغرض ایک اصل ہے جو

وجود کے ہر مظہر میں اور کائنات کی ہر شکل میں مشترک ہے- سالک کو چاہیے کہ وہ اس اصل کو ہر چیز میں بے رنگ دیکھے اور کسی مظہر کے مخصوص رنگ کو اس میں موثر نہ مانے۔"(۹۰)

شاہ ولی اللہؒ کی وجودی وشہودی تطبیق کا ملخص یہ ہے:

"وحدت الوجود اور وحدت شہود دو لفظ ہیں جن کا اطلاق دراصل مختلف معانی پر ہوتا ہے- کبھی کبھی ان کا استعمال سیر الی اللہ کے مباحث میں ہوتا ہے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ فلاں سالک وحدت الوجود کے مقام پر فائز ہے اور فلاں وحدت الشہود پر جاگزیں ہے- اس سیاق میں وحدت الوجود کے معنی ایسے شخص کے ہوں گے جو حقیقتِ جامع کی تلاش وعرفان میں گم اور مستغرق ہے- استغراق کا یہ وہ مقام ہے جہاں یہ عالم رنگ وبو اپنے تمام امتیازات کے ساتھ فنا کے گھاٹ اتر جاتا ہے اور تفرقہ وامتیاز کے وہ سارے احکام ساقط ہو جاتے ہیں کہ جن پر خیر و شر کی معرفت کا دارومدار ہے اور شرع وعقل جس کی پوری پوری نشان دہی کرتی ہے- سیر و سلوک کا یہ مقام محض عارضی ہوتا ہے- سالک چندے یہاں ٹھہر جاتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی دستگیری اور توفیق اس کو جلد ہی اس مقام سے نکال لے جاتی ہے- اس طرح وحدت الشہود کے معنی اس سیاق میں یہ ہوں گے کہ سالک ایسے مقام پر متمکن ہے جہاں احکام جمع وتفرقہ کے ڈانڈے باہم ملے ہوتے ہیں یعنی سالک اس حقیقت کو پالینے میں کامیاب ہو گیا ہے کہ اشیاء میں جو وحدت سی نظر آتی ہے من وجہ ہے اور کثرت جو اس کے متبائن محسوس ہوتی ہے وہ بھی من وجہ ہے- معرفت وسلوک کا یہ مقام پہلے مقام سے نسبتاً زیادہ اونچا ہے---وحدت الوجود کے ماننے والے تو یہ کہتے ہیں کہ اس عالم کی تہ میں ایک ہی حقیقت جاری وساری ہے مثلاً موم سے انسان گھوڑے اور گدھے کی صورتیں بنائی جائیں تو یہ سب اگرچہ رنگ وروپ میں مختلف ہوں گی مگر اصل کے لحاظ سے ایک ہی قرار دیا جائے گا- وحدت الشہود کے ماننے والے اس عالم کو خداوند تعالیٰ کی صفات کا عکس اور سایہ سمجھتے ہیں جو اس کے آئینہ میں ارتسام پذیر ہوتا ہے- بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ وحدت الشہود کی اس توجیہہ کی تائید شیخ ابن العربی کے اقوال سے نہیں ہو پاتی لیکن یہ سراسر سہو ہے- وحدت الشہود کے ماننے والے وجود حقیقی کے ساتھ وجود امکانی کو بھی تسلیم کرتے ہیں اور وحدت وجود کے ماننے

والے وجود حقیقی کے قائل ہیں- وجود امکانی میں ضعف و نقص ہوتا ہے اور وجود حقیقی کامل اور قوی ہے- اس لیے وجود امکانی عدم ہو کر وجود حقیقی کا جز ہو جاتا ہے- پھر یہ کہنا کہ حقائق ممکنات دراصل عکوس وظلال ہیں جو اعدام متقابلہ میں ارتسام پذیر ہوتے ہیں کسی طرح بھی شیخ ابن العربی کی تصریحات کے خلاف نہیں---باقی رہی یہ بات کہ حضرت مجددؒ نے شیخ ابن عربی اور اس کے بعض اتباع کے اقوال کو اپنے وجدان کے خلاف محسوس کیا ہے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں- یہ ایک ایسی لغزش ہے جس کا کشف کی لغزش سے کوئی تعلق نہیں اور پھر جہاں تک اس طرح کی چھوٹی چھوٹی لغزشوں کا تعلق ہے ان سے محفوظ بھی کون رہ سکتا ہے اس لیے ان لوگوں کے مقامِ بلند میں ہرگز کوئی فرق نہیں پڑتا۔"(۹۱)

شاہ ولی اللہؒ کے بڑے صاحبزادے شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ (التوفی ۱۲۳۹ھ) بھی وحدت الوجود کے قائل رہے- ان کے زمانہ میں علاقہ سرسہ (حصار) کے مولانا نور محمد نے قائلین توحید وجودی پر کفر کا فتویٰ دیا- توحید وجودی کے حامیوں نے اس کا جواب دیا- آخر میں شاہ عبدالعزیزؒ کو حکم بنایا گیا کہ وہ اپنا فیصلہ دیں- ان کا فیصلہ ایک رسالہ کی صورت میں شائع کر دیا گیا جس کے آخر میں وہی باتیں ہیں جو شاہ ولی اللہ کے **مکتوبِ مدنی** میں ہیں- حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اپنے رسالہ میں رقمطراز ہیں:

"جمہور حضرات صوفیائے کرام وحدت الوجود کے اسی وجہ سے قائل ہیں کہ جسم باطنی اور نظر کشفی سے ان کو یہی تحقیق ہوا ہے کہ وجود حقیقی ایک ہی ہے اور وہی واجب الوجود ہے- اس کے ماسوا جو کچھ دنیا میں ہے وہ اس کے ظلال اور عکوس ہیں اور اس کشف وجود حقیقی کے واحد ہونے میں کسی بزرگ کو اولیاء اللہ میں سے خواہ کسی خاندان میں سے ہوں اختلاف نہیں----وجود ایک ہی ہے اس کے سوا جو کچھ ہے وہ عدم ہے- تمام ممکنات فی نفس الامر نظر کشفی اولیائے کرام میں اعدام ہیں مگر بوجہ کمال صفت حضرت رب العزت یہ اعدام گویا شیشے ہیں جن میں آفتاب وجود حضرت رب معبود کا عکس نمایاں ہے۔"(۹۲)

شاہ رفیع الدین محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب **دفع الباطل** میں تصریح کی ہے کہ نظریہ وحدت الوجود کے بغیر مدارجِ ایمانیہ کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔

شاہ اسماعیل شہید دہلوی ☆(۹۳) بھی شاہ ولی اللہؒ کی طرح اس خیال کے حامی تھے کہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے اختلاف کی نوعیت محض لفظی ہے اپنے ایک رسالے ''عبقات'' میں لکھتے ہیں:

''بہر حال عارف جامی اور شیخ صدر الدین قونوی کے متعلق سمجھا جاتا ہے کہ یہ لوگ شیخ محی الدین ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود کے سب سے بڑے حامیوں میں ہیں لیکن وحدت الوجود کا جو واقعی مطلب ان حضرات نے خود بیان کیا ہے اس میں اور حضرت مجدد الف ثانی جو کچھ فرماتے ہیں اس میں انصاف سے بتاؤ کہ کیا اختلاف ہے اور دونوں مسلکوں میں کیا فرق ہے؟ بہر کیف فاطر و مفطور میں قیومیت کا علاقہ مان لینے کے بعد دونوں دعوے درست ہو جاتے ہیں یعنی یہ بھی کہ (وجوداً) فاطر و مفطور میں اتحاد بھی ہے اور یہ بھی کہ محل و مقام نیز ماہیت کے لحاظ سے دونوں میں جو مغائرت پائی جاتی ہے اس کی وجہ سے ایک دوسرے کا غیر بھی ہے۔ واقعہ یہی ہے جس کے دو پہلو ہیں اور ہر ایک فریق ان دونوں پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کی طرف زیادہ جھک گیا ہے'' (۹۴)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شاہ ولی اللہؒ اور ان کے خاندان نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے جھگڑے کو مٹا دینے کی کوشش کی اور اس نزاع میں تطبیق پیدا کی۔

شاہ محمد سلیمان تونسویؒ **فصوص الحکم** اور **فتوحاتِ مکیہ** کا درس دیا کرتے تھے۔ اور انکے ایک اور خلیفہ حافظ محمد جمال ملتانیؒ تو بقول قاضی جاوید اٹھارہویں صدی کے پنجاب میں شاہ عنائت قادریؒ کے بعد فلسفہ وحدت الوجود کے بزرگ ترین عالم تھے۔ وہ خاص طور پر ابن عربی کے مداح تھے اور جامی کی تصانیف سے بھی انہوں نے فیض حاصل کیا تھا۔ (۹۵)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ ☆(۹۶) وحدت الوجود کے سلسلہ میں **تفسیرِ مظہری** میں لکھتے ہیں:

''اللہ کی احدیتِ ذات وصفات کا تقاضہ ہے کہ وجود میں اس کا کوئی شریک نہ ہو۔ وجود تمام صفات کی جڑ ہے اور حیات تمام صفات کا مبداءِ علم۔ قدرت، ارادہ، کلام، سمع، بصر اور تکوین

حیات پر مبنی ہے اور حیات وجود کی فرع ہے یعنی وجودِ مصوری (کی گویا) ایک انتزاعی امر ہے (جس کا مبدءِ انتزاع وجود ہے) اس لئے صوفیہ نے لاالٰہ الااللہ کا معنی لا موجود الااللہ بیان کیا ہے کیونکہ واقع میں موجودِ حقیقی سوائے خُدا کے کوئی نہیں۔ تمام ممکنات کا وجود نفس الامری اور حقیقی کے سائے کی طرح ہے یہی حال تمام صفات کا ہے اللہ نے فرمایا: ذالک بان اللہ هو الحق و ان یدعون من دونہ هو الباطل" یعنی اللہ ہی ثابت موجودِ حق اور اصلی ہے اور جس کو وہ پکارتے ہیں وہ واقع میں ہیچ ہیں، کچھ بھی نہیں۔ دوسری آیت ہے: کل شيءٍ هالک الا وجهه' یعنی ہر شئے زوال پذیر اور بے حقیقت ہے سوائے ذات الٰہیہ کے۔ پس ممکن کی صفات اللہ کی صفات کے ساتھ صرف نام میں شریک ہیں اشتراک حقیقی نہیں ہے۔" (۹۷)

شاہ عبدالرحمٰن سندھی لکھنوی (۱۱۶۱ھ/ ۱۷۴۸ء---۶ ذیقعد ۱۲۴۵ھ/ ۱۸۳۰ء) کا شمار غالی وجودی صوفیوں میں ہوتا ہے- ان کے نزدیک وحدت الوجود کا منکر کافر تھا اور اس کی بیوی مباح اور مال، مالِ غنیمت تھا- وجودی فکر کے متعلق ایک کتاب کلمتہ الحق لکھی- کئی علماء نے اس کی تردید کی-

سیّد غوث علی شاہ ☆ (۹۸) وحدت الوجود کو توحیدِ خالص بلکہ خاص الخاص توحید قرار دیتے ہیں:

"---اور تجلیات ذاتِ مطلق کا قلب سالک پر متجلی ہونا اور ذرہ آفتاب میں بے امتیاز کمی و بیشی نورِ حق نظر آنا اور نورِ ذات کے سامنے ذرات وجود عالم کا معدوم ہونا اور ایک ذات کا نور پیش نظر رہنا توحید خالص ہے- موحّد کا بحرِ ناپیدا کنار توحید میں شناوری کرتے کرتے قعر دریائے ذاتِ اقدس میں غوطہ مارنا اور محو در محو و فنا در فنا ہو جانا اور کل کائنات کو مع اپنی ہستی خاص کے محو کرنا توحید خاص الخاص ہے" (سیرت غوثیہ ص: ۳۷)

مولانا قاسم نانوتوی (۱۲۴۸ھ/ ۱۸۳۳ء---۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء) دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں سے تھے- حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ سے بیعت تھے' دو درجن کتب کے مصنف بھی تھے- اپنے مرشد کے تتبع میں وحدت الوجود کے زبردست قائل تھے ان کے درج ذیل نعتیہ اشعار ان کے مسلک کی شہادت دیتے ہیں۔

جو دیکھیں اپنے کمالوں پہ تیری یکتائی   رہے کسی کو نہ وحدتِ وجود کا انکار

تُو آئینہ ہے کمالاتِ کبریائی کا — وہ آپ دیکھتے ہیں اپنا جلوۂ دیدار
جلو میں تیرے سب آئے عدم سے تا بوجود — بجا ہے تم کو اگر کہیے مبدا الآثار

(۹۹)

حاجی نجم الدین شیخاوانیؒ ☆ (۱۰۰)، چودہ اردو اور سترہ فارسی کتب کے مصنف تھے جن میں گلزارِ وحدت اور ماحی الغیریت کا موضوع وحدت الوجود ہے- با کمال بھی شاعر تھے- عشق حقیقی اور وحدت الوجود شاعری کا خاص موضوع تھا- چند شعری نمونے ۔

تیرے بحر وحدت بے کراں کی طرح طرح کی یہ موجیں ہیں
سو اسی نے جوش یہ کھایا ہے یہ تو میں نہیں یہ تو ہی ہے
بوجود ایں ہمہ گفتگو کہ تو ہی تو ہے پھر آپ کو
تو نے کیسی جائے چھپایا ہے یہ تو میں نہیں یہ تو ہی ہے
چپ رہ نجما باورے چھپا کھول مت بھید
دیکھا پیا کو ہر جگہ گر ہے تجھا کو دید

(۱۰۱)

خواجہ شمس الدین سیالوی ☆ (۱۰۲) کے صوفیانہ خیالات کی اساس فلسفہ وحدت الوجود پر ہے- ان کی مجلسوں میں اس فلسفے کے مسائل زیر بحث رہتے تھے اور اس فلسفے کی علمی و دینی حیثیت پر بھی گفتگو ہوتی تھی- خواجہ سیالوی کا نقطہ نظر یہ تھا کہ وحدت الوجود کے عقیدے سے انکار کی بنا پر فرد روحانی ارتقائے اعلیٰ ترین مدارج تک رسائی حاصل کرنے میں ناکام رہتا ہے- اس کی ذات تشنہ تکمیل رہتی ہے- تاہم یہ عقیدہ راہِ حق کے مسافروں کے لیے ہے عوام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔☆ (۱۰۳) انہوں نے وحدت الوجود کو عام لوگوں سے پوشیدہ رکھنے پر زور دیا ہے جیسا کہ ان کے سلسلہ تصوّف کی روائت رہی-

بقول خواجہ، ابن عربی علوم ظاہری و باطنی میں درجہ کمال پر تھے- علمائے دین کی مخالفت بھی ان کا بال بیکا نہیں کر سکی-

اس سوال کہ ''مسئلہ وحدت الوجود سے علمائے ظاہر کے انکار کی وجہ کیا ہے؟'' خواجہ سیالوی نے وہ جواب دیا جو وحدت الوجود کے مسلک سے جذباتی لگاؤ رکھنے والے کا ہو سکتا ہے- انہوں نے کہا کہ

اکثر علمائے دین محض جہالت اور بے خبری کے باعث منکر ہیں- اندھے کو بینائی کا لطف کیسے محسوس ہو وگرنہ اس مسئلے کی صداقت میں کسی شک وابہام کی کوئی گنجائش نہیں-

اس سوال کے جواب میں کہ ''شیخ احمد سرہندی نے بھی اس مسلک پر حرف گیری کی ہے حالانکہ ان سے قبل اکثر نقشبندی بزرگ اس فلسفے کے قائل تھے؟'' خواجہ شمس الدین سیالوی نے کہا: ''سید غلام علی شاہ صاحب دہلوی کے خلیفہ شیخ احمد سعید صاحب جب ہندوستان سے ہجرت کے ارادے سے روانہ ہوئے تو وہ تونسہ شریف سے ہوتے ہوئے گزرے- تونسہ شریف میں وہ حضرت تونسوی سے ملے- دورانِ مجلس کسی نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ آپ کے بزرگ حضرت مجدد الف ثانی نے مسئلہ وحدت الوجود کے خلاف گفتگو کی ہے- اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ مجدد صاحب اپنی زمانے کے مجتہد تھے اگر مسئلہ وحدت الوجود کے بارے میں ان سے خطا ہوگئی ہے تو وہ قابل مواخذہ نہیں ٹھہرتے بلکہ اگر مجتہد کا اجتہاد غلطی پر ہو تو پھر بھی اسے ایک ثواب مل جاتا ہے اور اگر اجتہاد درست ہو تو پھر دوگنا ثواب ملتا ہے'' (۱۰۴)

حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ ☆ (۱۰۵) ہندوستان میں فلسفہ وحدت الوجود کے علمبرداروں میں سے تھے۔ انہوں نے وحدت الوجود کے مفہوم کو نہائت بے باکی کے ساتھ واضح الفاظ میں یوں بیان کیا ہے:

''بندہ قبل وجود خدا باطن خدا تھا اور خدا ظاہر بندہ- کُنت کنزاً مخفیاً اس پر دلیل ہے- حقائق کونیہ کے نتائج جو علم الٰہی ہیں' ذاتِ مطلق میں مخفی تھے اور ذات صرف اپنے پر ظاہر تھی- جب ذاتِ نے چاہا کہ ظہور خود دوسری نہج پر ہو- اعیان کو ان کے لباس قابلیات میں اپنی تجلی کے جلوے سے ظاہر فرمایا اور خود شدت ظہور سے ان کی نگاہوں سے مخفی ہو گیا مثل تخم کے کہ درخت مع تمام شاخ و پتوں و پھول کے اس میں چھپا تھا گویا تخم بالفعل تھا اور شجر بالقوہ- جب تخم نے اپنے باطن کو ظاہر کیا تو خود چھپ گیا- جو کوئی دیکھتا ہے درخت کو دیکھتا ہے تخم دکھائی نہیں دیتا- اگر غور سے دیکھا جائے تو تخم بصورت درخت کے ظاہر ہوا' تخم بالقوہ ہوا اور درخت بالفعل- ہر چند کہ ایک وجہ سے تخم و درخت ایک ہے' جدا نہیں ہے- عینیت پائی جاتی ہے لیکن دلائل غیریت وجدائی کے بھی اس میں موجود ہیں اور واقعی ہیں حفظ مراتب ضرور ہے'' (۱۰۶)

برصغیر میں وارثی طریقہ کے بانی حاجی سید وارث علی شاہ صاحبؒ ☆(۱۰۷) کی مولوی شیخ فضل حسین وارثی کی مرتب کردہ کتاب مشکوٰۃ حقانیت المعروف معارف وارثیہ میں حاجی صاحب کے متعدد ایسے ملفوظات ملتے ہیں جو وحدت الوجود پر مبنی ہیں، مثال کے طور پر:

''جب آسمان پر خدا نہیں ہے بلکہ ہم میں تم میں چھپ کر سب کو دھوکہ میں ڈال دیا ہے تو بس ایک صورت پکڑ لے خدا مل جائے گا۔ آسمان پر کیا ہے؟''(۱۰۸)

اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ ☆(۱۰۹)، شیخ الاکبر کی جناب میں عقیدت و احترام رکھتے تھے اس سلسلہ میں ایک کتاب بعنوان انجاء البری عن وسواس المفتری لکھی جس میں شیخ الاکبر کے بارے میں اپنے خیالات کو تفصیلاً بیان کیا۔ ☆(۱۱۰) وحدت الوجود اور حقیقت محمدیہ کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

''جس طرح مرتبہءِ وجود میں ایک ذاتِ حق ہے باقی سب اس کے پرتو وجود سے موجود۔ یوں ہی مرتبہءِ ایجاد میں صرف ایک ذاتِ مصطفیٰ ﷺ ہے باقی سب پر اس کے عکس کا فیض وجود۔ مرتبہ کون میں نور احدی آفتاب ہے اور تمام عالم اس کے آئینے اور مرتبہ تکوین میں نور احمدی آفتاب ہے اور سارا جہان اس کے آئینے'' (۱۱۱)

پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ ☆(۱۱۲) کی وسعتِ نظر، تبحر علمی اور وسعتِ معلومات کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ علامہ اقبال جیسے یگانہ روزگار اسلامی مفکر و شاعر مشکل علمی مسائل میں آپ سے استفادہ کرتے تھے۔ شیخ اکبر کے نظریہ وحدت وجود پر جو عبور ان کو حاصل تھا اس کی اس صدی میں نظیر نہیں ملتی۔ فصوص الحکم کا باقاعدہ درس دیتے تھے اور اس کے اسرار و رموز کو خوب سمجھتے تھے۔ وجودی اور شہودی مکاتب کے بارے میں سید مہر علیؒ کا نقطہ نظر یہ تھا:

''وحدت الشہود ابتدائے سلوک اور نفس ایمان ہے جبکہ وحدت الوجود انتہائے مقام اور کمالِ ایمان ہے دونوں کو اس حوالے سے پرکھنا چاہیے۔ اوّل الذکر ابتداء ہے موخر الذکر انتہا۔ تاہم وحدت ایک ایسا اعلیٰ و ارفع روحانی مقام ہے جس کے لیے نہ تو امم سابقہ مکلّف تھیں اور نہ جمہور امت مرحومہ محمدیہ۔ یہ فقط اخص الخواص کا مشاہد و صال ہے قال نہیں لہٰذا اس کی صداقتوں کو عوام تک پہنچانا غیر ضروری ہے اکثر اوقات یہ بات نقصان دہ بھی ثابت ہوسکتی

ہے" (۱۱۳)

شیخ الاکبر کی مشہور عبارت اوجدالاشیا وھو عینھا کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اکثر آدمی حضرت الشیخ کی عبارت ذیل اوجد الاشیا وھو عینھا سے وہم میں پڑے ہیں اور اس عبارت سے خالق ومخلوق کا اتحاد سمجھ کر حضرت الشیخ پر ناحق زبانِ تکفیر وتشنیع دراز کرتے ہیں حالانکہ حاشا وکلا از روئے تحقیق حضرت الشیخ کی ہرگز یہ مراد نہیں ہے کیونکہ لفظ عین کے دو معنی ہیں ایک یہ کہ کہا جاتا ہے کہ یہ چیز اپنی عین ہے یعنی بطریق حمل اَوّلِیُ چنانچہ الانسانُ اِنسان" اور دوسرا معنی عین کا یہ ہے کہ ما بہ القوام یعنی وہ چیز جس کے ساتھ دوسری چیز کا قیام ہو اور یہاں یہی معنی مراد ہے نہ معنی اوّل۔ پس وھو عینھا کا یہ معنی ہے کہ اگر واجب کا تعلق مخلوقات سے قطع نظر کیا جاوے تو مخلوق کا فی نفسہٖ کوئی وجود نہیں کیونکہ مخلوق از قسم ممکن کے ہے اور ممکن کا وجود وعدم یکساں ہوتا ہے۔" (۱۱۴)

مولانا اشرف علی تھانوی ☆ (۱۱۵) شیخ الاکبر سے خصوصی ارادت رکھتے تھے۔ ان کے دفاع میں التنبیتہ الطربی فی تنزیھتہ ابن عربی اور خصوص الکلم فی حل فصوص الحکم نامی کتب لکھیں۔ تنبیہ الطربی میں شیخ پر لگائے گئے بے بنیاد الزامات کی تردید خود شیخ کی کتب کے حوالے سے کی گئی ہے اور خصوص الکلم 'فصوص کے انتہائی مشکل مقامات کی شرح ہے۔ آپ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے اختلاف کو محض لفظی نزاع گردانتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پس وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں اختلاف لفظی ہے کما قال مرشدی، مگر چونکہ وحدت الوجود کے معنی عوام میں غلط مشہور ہو گئے تھے اس لیے بعض محققین نے اس کا عنوان بدل دیا جو بہ نسبت عنوان متروک کے اس معنی میں زیادہ ظاہر ہے کیونکہ لفظ وحدت الوجود کی دلالت مذکور پر مجازی ہے اور وحدت الشہود کی دلالت اس معنی پر حقیقی ہے اور دلیل اس مسئلہ کی یہ ہوسکتی ہے کُلُّ شَیءٍ ھالک اِلَّا وَجہہٗ' جیسا شارح عقائد حنفی نے تفسیر کیا ہے" (۱۱۶)

وحدت الوجود کے بارے میں لکھتے ہیں:

"یہ ظاہر ہے کہ موجودات عالم مطلق وجود میں باہم مشترک ہیں اور انواع وجود میں جن کو ظہورات کہتے ہیں باہم مختلف ومتغائر ہیں یعنی ہر موجود میں وجود کا ظہور جداگانہ آثار کے

ساتھ ہے مثلاً پانی میں وہی وجود اس طرح ظاہر ہوا کہ آگ کا بجھا دینا اس کے آثار سے ہی
اور اہل کشوف کو محقق ہو گیا ہے کہ یہ وجود جو تمام موجودات میں مشترک ہے، ماہیت واحد ہے
یعنی ہر وجود کا حصہ۔ وجود دوسر موجود کے حصہ سے وجود و ماہیت میں مختلف نہیں صرف آثار و
عوارض کا اختلاف ہے۔ باقی وجود مشترک تمام موجودات میں حال یعنی حق تعالیٰ کی وجود بخشی
کا ظل یا فیضان ہے۔ بالفاظ دیگر حق تعالیٰ اس فیضان میں سب کے ساتھ یکساں ہے'' (۱۱۷)

میاں نذیر حسین دہلوی اہل حدیث حضرات کے آئمہ میں شامل ہیں، شیخ اکبر کی بے حد تعظیم کرتے تھے اور اُنہیں ''خاتم الولائتہ محمدیہ'' فرماتے تھے اور اس سلسلے میں اپنے ہی ایک ہم مشرب عالم قاضی بشیر الدین قنوجی مرحوم سے دو ماہ تک بحث و مناظرہ کیا۔ (۱۱۸)

فقیر نور محمد قادری سروریؒ ☆ (۱۱۹) اپنی معروف تصنیف عرفان میں ایک جگہ لکھتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ ابھی اپنے وسیع عظیم الشان منزہ ذات، جملہ پاک صفات، کل اسماء اور تمام افعال کے ساتھ کائنات کے ذرّے ذرّے میں جلوہ گر ہے اور انسان کی شاہ رگ بلکہ اس کی جان سے بھی نزدیک تر ہے لیکن غافل اندھے عوام کالانعام کیا دیکھیں۔ سورج تمام جہان کو روشن کر رہا ہوتا ہے اور اندھوں کے ہاتھوں کو جلاتا ہے۔'' (۱۲۰)

میاں علی محمد خان چشتی نظامی ☆ (۱۲۱) علم و ولائت کی وجہ سے فرید العصر کے لقب سے یاد کیے جاتے تھے۔ فصوص الحکم اور مثنوی مولانا روم سے خصوصی دلچسپی تھی۔ مکتوب درمسئلہ وحدت الوجود نامی رسالہ میں وجود و شہود کی بحث کے ضمن میں اپنے ایک مرید سردار محمد ہوشیار پوری کے سوال کے جواب میں لکھتے ہیں:

''ہمارا عقیدہ وہی ہے (بتقلیدِ مشائخ) جو کہ حضرت شیخ اکبرؒ کا ہے۔ اب علیحدہ علیحدہ ان بزرگوں کے مذہب کو سُنیے، حضرت امام ربانیؒ موجوداتِ عالم کی حقیقت یہ فرماتے ہیں کہ اعیانِ ثابتہ یعنی صورِ علمیہ کا عکس اور ظل انہی اعیانِ ثابتہ کے عدمات کے اندر پڑ کر موجوداتِ ممکنہ وجودِ ظلی کے ساتھ وقوع پذیر ہوئے ہیں، ان کے نزدیک وجودِ حق کے مغائر وجودِ ظلی صُورت میں موجود ہے معدوم نہیں۔

حضرت شیخ اکبرؒ کے نزدیک وجود غیر معدوم ہے۔ وہ موجوداتِ عالم کی حقیقت کے متعلق

فرماتے ہیں کہ اعیانِ ثابتہ کا آئینہ ظاہر وجود میں انعکاس ہوکر موجوداتِ ممکنہ ظاہر ہوتے ہیں بلکہ وجودِ حق اعیانِ ثابتہ کے احکام وآثار کے ساتھ مقید ہوکر تنزلاً ظہور پذیر ہوا۔ وجودِ غیر یعنی وجودِ مغائرِ حق معدوم ہے۔ محض احدیتِ مجردہ خارج میں موجود ہے اور کچھ نہیں ہے ۔ یہ ہے ان کا مکاشفہ۔ بھلا اس میں کوئی کیا دخل دے گا۔'' (۱۲۲)

علامہ سید احمد سعید کاظمی ☆ (۱۲۳) وحدت الوجود کے بارے میں کہتے ہیں:

''وحدت الوجود حسبِ تقریرِ محققین حق ہے۔ شریعتِ حقہ کے کسی اصل کے منافی نہیں۔ جس طور پر یہ مسئلہ اکابر اسلام پر مکشوف ہوا ہے اور علما متشرعین نے حتی الامکان بیان کیا ہے بحفظ حدودِ شرعی اس پر اعتقاد رکھنا باعث تکمیل ایمان اور اس کا انکار خسران وحرمان ہے۔'' (۱۲۴)

=============

مغرب اور شیخ الاکبر

معروف اسلامی دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ لکھتے ہیں: ''مغربِ جدید کے آدمی کو فخر الدین رازی متاثر نہیں کرتا وہ محی الدین ابن عربی سے مغلوب ہوتا ہے۔'' ☆(۱۲۵)

مغرب میں شیخ اکبر کے فکری نفوذ و اثرات کے بارے میں محمد سہیل عمر اپنے ایک مقالہ ابن عربی اور اقبال میں رقمطراز ہیں:

> ''شیخ اکبر کی اہمیت مغرب کے لیے اس اعتبار سے بھی بڑھ گئی ہے کہ ان کی تعلیمات مغربی فکر کو اس بند گلی سے نکلنے کی راہ سمجھا سکتی ہیں جس میں فلسفہ غرب اپنے فکری سفر کے اختتام پر آن پہنچا ہے۔''(۱۲۶)

مغرب میں وحدت الوجود کی فکری اشاعت کرنے والا پہلا یہودی النسل ابن میمون ہے اسی طرح اسپنوزا ہے وہ بھی یہودی الاصل ہے اور وحدت الوجود کا غالی شارح۔ دیگر فلاسفہ میں کانٹ، ہیگل، برگساں اور کئی متعدد فلسفی شامل ہیں جن کی تحریروں میں وحدت الوجود کی پرچھائیں دیکھی جا سکتی ہیں۔ یورپ کے فلاسفہ پر ابن عربی کے اثرات کے متعلق پروفیسر ہٹی لکھتے ہیں:

> ''اسلامی تصوف (جس کے سب سے بڑے رہنما ابن عربی ہیں) کے اثرات نہ صرف ایران اور ترکی میں اظہر من الشمس ہیں بلکہ سینٹ آگسٹائن کے تبعین ڈن سکاٹس، روجر بیکن اور ریمانڈ لِلی بھی اس سے سخت متاثر ہوئے۔''(۱۲۷)

ابن میمون ☆(۱۲۸) کی تصنیف مقالہ فی التوحید میں وحدت الوجود کے بارے میں بحث ملتی ہے۔

معروف اطالوی شاعر دانتے ☆(۱۲۹) کی مشہور تصنیف طربیہ خداوندی (DIVINE COMEDY) شیخ الاکبر کی فتوحاتِ مکیہ کا چربہ ہے۔

فرانسیسی مفکر مونٹین (MONTAIGNE) (۱۵۳۳ء-۱۵۹۲ء) کہتا ہے:

> ''خدا ایک ناقابل فہم قوت ہے اور قیوم ہے۔ وہ خیرِ مطلق اور کمالِ مطلق ہے اور مختلف

انسان اس کو جس صورت سے بھی قیاس کریں اور جس انداز سے بھی اظہارِ تعظیم کریں وہ ان کی اطاعت کو خوشی سے قبول کرتا ہے۔" (۱۳۰)

۱۵۴۸ء میں نولا (جنوبی اطالیہ) میں پیدا ہونے والا نشاۃِ جدید کا سب سے بڑا فلسفی گیورڈانو برونو (Giordawo Bruno) ایک اور سقراط ثابت ہوا۔ اُسے اس کے خیالات کی پاداش میں ۱۷ فروری ۱۶۰۰ء کو زندہ جلا دیا گیا۔ وہ کہتا ہے:

"خُدا اس محدود کائنات کی روح ہے جو اس کے ہر نقطے میں جاری و ساری ہے اور جس ہر شئے زندہ ہے۔" (۱۳۱)

اُس کو یقین ہے کہ کائنات کے باطن میں اور اس کے ہر نقطہ پر خُدا کارفرما ہے۔ زمین و آسمان کا خارجی اور طفلانہ فرق ناپید ہو گیا ہے اور اس احساس نے اس کی جگہ لے لی ہے کہ ہستیِ اعلیٰ ہر جگہ موجود ہے بشرطیکہ ہماری چشمِ بصیرت کھلی ہوئی ہو۔

برونو کی طرح کمپانلا (Tomasso Campanella) (۱۵۶۸ء۔۱۶۳۹ء) کا فلسفۂ فطرت بھی ترقی کرتے کرتے پوری مابعدالطبیعات بن گیا جو آخر میں مذہبی تصورات سے جا ملا۔ وہ کہتا ہے کہ "اپنے خارجی اثر سے نہیں بلکہ اپنے جوہر سے خُدا تمام اشیاء میں جاری و ساری ہے۔" (۱۳۲)

گورلٹز (G o r l i t z) فرانس کا موچی یعقوب بوہے (J a k o b Bohme) المتوفی ۱۶۲۴ء، عہدِ نشاط کا خاص انداز کا صُوفی تھا۔ اُس نے کھل کر وحدت الوجود پر بات کی۔ طلوعِ شفق (Morgenrate im Aufgang) میں لکھتا ہے:

"خُدا کی قوت اور اس کا جوہر تمام اشیاء کے ظاہر اور باطن میں جاری و ساری ہے۔ خُدا خلقت سے علیحدہ نہیں ان دونوں کا تعلق روح اور بدن کا تعلق ہے۔ عرش آسمان پر نہیں بلکہ یہیں تمہارے اندر ہے جہاں الٰہی زندگی تمہاری روح میں مرتعش ہے۔ خُدا دُور نہیں تم خُدا کے اندر ہو اور خُدا تمہارے اندر۔" (۱۳۳)

ملٹن جان (MILTON JOHN) (۱۶۰۸ء-۱۶۷۴ء)- بنیادی طور پر شاعر تھا- اس کے سانیٹ بہت مشہور ہیں- اس کی مشہور رزمیہ نظم جنتِ گم گشتہ- (PARADISE

LOST) دراصل شیخ الاکبر کے نظریہ خیر وشر کی بازگشت ہے۔

بینڈکٹ سپائی نوزا (BENEDICT SPINOZA): ☆(۱۳۴) کا شمار دنیا کے عظیم ترین فلسفیوں میں ہوتا ہے۔ اس کی مشہور عالم کتاب رسالہ درباره دینیات و سیاسیات (TRACTATUS THEOLOGIOCO POLITIEUS) کے دنیا کی ہر بڑی زبان میں ترجمے ہوئے۔ اسپنوزا کہتا ہے:

''خدا ہمارے اوپر نہیں ہے بلکہ ہمارے اندر ہے۔ جسم، نفس اور روح ایک ہی حقیقت کے تین رخ ہیں۔ یہ مرئی کائنات خدا کا جسم ہے، فکر جو اُسے سوچتی ہے خدا کا نفس ہے اور توانائی جو اس کی حرکت کا باعث ہے اس کی روح یا دوسرے الفاظ میں کائنات کا لامحدود جوہر ہے تصور اور حرکت ہے۔ گھاس کا ہر تنکا، زمین کا ہر ڈھیلا، ہر غنچہ ناشگفتہ، ہر جاندار شئے گو وہ کتنی ہی حقیر کیوں نہ ہو، اسی کے الوہی جوہر میں برابر کی شریک ہے۔ (۱۳۵)

وہ ویدانتی اور مابعد الطبیعاتی دعوے کے قریب تر ہے۔ کہتا ہے:

''خدا یا جوہر جس کی ابدی غیر محدود اصلیت لاتعداد اوصاف سے ظاہر ہوتی ہے لازمی طور پر موجود ہے۔ جو کچھ ہے خدا ہے اور خدا کے بغیر کوئی شئے نہ ہو سکتی ہے اور نہ کسی شئے کے وجود کا تعقل کیا جا سکتا ہے۔ خدا تمام اشیاء کا عارضی نہیں بلکہ اصلی سبب ہے۔ خدا محض تمام اشیاء ہی کی علت فاعلی نہیں ہے بلکہ ان سب کے اصل وجوہر کی بھی علت ہے۔''

(اخلاقیات، حصہ اول، مقالات: ۱۱، ۱۵، ۱۸، ۲۵، ۳۰)

برکلے (۱۶۸۵ء-۱۷۵۳ء) کہتا ہے:

''میرے خیالات خدا کی بدولت پیدا ہوتے ہیں۔۔۔ ہم جتنا زیادہ غور کریں گے اتنی ہی یہ حقیقت ہم پر واضح ہوتی جائے گی کہ خُدا کا تعلق ہم سے براہِ راست ہے درمیان میں ثانوی علتوں کا فرض کرنا غیر ضروری ہے۔ ہماری زندگی، حرکت اور ہستی سب خُدا کے اندر ہے۔'' (۱۳۶)

تمام عقلا اس بات پر متفق ہیں کہ عصر جدید میں عمانوئیل کانٹ (۱۷۲۴ء-۱۸۰۴ء) سے بڑھ کر عالم مابعد الطبیعات پیدا نہیں ہوا۔ کانٹ کی رائے میں خدا کی ہستی کا اثبات عقل کے ذریعہ سے

نہیں ہوسکتا لیکن اخلاقی ضابطہ جو ہمارے اندر یعنی دل میں پوشیدہ ہے اور تاروں بھرا آسمان یعنی نظام فطرت جو باہر ہے، یہ دونوں خدا کی ہستی پر شاہد ہیں۔ وہ کہتا ہے:

''اعلیٰ ترین ہستی کا نمونہ خود ہماری روح کے اندر پایا جاتا ہے ہم اپنے اندر کے خیالات کے ذریعے سے باہر کے خُدا کو جانتے ہیں اور وہ ہمارے باطن ہی کا خُدا ہے جس کے سامنے سب لوگ رکوع و سجود کرتے ہیں۔''(۱۳۷)

فریڈرش ہائنرش یعقوبی (Friedrich Heinrich Jacobi)(۱۷۴۳ء۔۱۸۱۹ء)۔ جرمنی کے عہدِ زکا ایک اختصاصی نمائندہ۔ کہتا ہے:

''جس طرح اشیاء براہِ راست ہماری روح پر منکشف ہوتی ہیں اسی طرح خُدا براہِ راست ہماری روح پر منکشف ہوتا ہے۔۔۔ جب ہم اپنی ہستی کو خُدا کی ہستی کے اندر پاتے ہیں تو ہم خُدا کو پالیتے ہیں۔''(۱۳۸)

گوئٹے (۱۷۴۹ء۔۱۸۳۲ء)، معروف جرمن شاعر، ڈرامہ نگار اور ناولسٹ۔ وہ سپینوزا سے بہت متاثر تھا جس کا ہمہ اوستی نظریہ تھا۔ گوئٹے بھی وجدان برتری کا قائل تھا۔

یوحنا گوٹ لیب فشٹے (پ: ۱۷/مئی ۱۷۶۲ء) نے وجودِ مطلق کو خودی کا نام دیا اور کہا کہ خودی یا انائے کبیر غیر شخصی آفاقی آزاد فعالیت ہے وہ کہتا ہے کہ کائنات میں صرف خودی ہی موجود ہے اس کے ماسوا کسی شئے کا وجود نہیں۔ وہ مطلق خودی اور خدا کو مترادف مانتا ہے۔ اس کے نزدیک کائنات فی الحقیقت ذہن ہے، خودی ہی، خدا ہے۔ اس کے نظریے کے مطابق انسان کی خودی بھی مطلق خودی کا جزو ہے اور فاعل مختار ہے۔ ہمارے ہاں اقبال نے فشٹے کے نظریہ خودی کو اسلامی قالب میں ڈھال کر پیش کیا۔ (۱۳۹)

فریڈرش ولہلم جوزف شیلنگ (۲۷/جنوری ۱۷۷۵ء۔۱۸۵۴ء)، فشٹے کا شاگرد، اپنی کتاب نظام تصوریت ماورائی (System des transcendentalen Idealismus) میں لکھتا ہے:

''ہستی مطلق میں شاہد اور مشہود کی ایک سرمدی وحدت پائی جاتی ہے جو فطرت اور روح کی قوتوں سے تکمیل نہیں پاتی۔ یہ قوتیں تجربے کے آئینے میں اس وحدت کے محض انعکاسات

ہیں۔"(۱۴۰)

ہیگل☆(۱۴۱) کانٹ سے متاثر تھا۔ برٹرینڈ رسل ہیگل کے بارے میں لکھتا ہے کہ "دنیا میں جس قدر بڑے فلسفی گزرے ہیں ہیگل ان میں سب سے زیادہ مشکل ہے۔" (تاریخ فلسفہ مغرب، ص ۷۵۷)

ہیگل بھی اسپنوزا کی طرح وحدت الوجود کا قائل ہے (اگرچہ جزیات میں اس سے اختلاف کرتا ہے) چنانچہ وہ کہتا ہے: "کائنات میں صرف ایک حقیقت موجود ہے اور اسے وہ روح (خدا) سے تعبیر کرتا ہے اور تمام انسان اسی انائے مطلق کے اجزا ہیں--- مادہ' موجود نہیں ہے' خدا ہی کائنات ہے اور کائنات ہی خدا ہے۔" اسی کو فلسفہ کی اصطلاح میں تصوریت مطلقہ کہتے ہیں اور ہیگل اسی کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔

فریڈرش آرنسٹ ڈینئل شلائر ماخر: (۲۱ر نومبر ۱۷۶۸ء۔ ۱۲ر فروری ۱۸۳۴ء) کے مطابق:

> "جس طرح اعلیٰ تصورات میں ادنیٰ تصورات کی اساس پائی جاتی ہے اسی طرح اعلیٰ ہستی میں کوئی ایسی اساس یا قوت ضرور ہوگی جو ادنیٰ ہستیوں کی کثرتِ مظاہر میں منکشف ہوتی ہے۔"(۱۴۲)

شلائر ماخر کی اہم کتاب **خطباتِ مذہب** (REDEN) جو کہ وحدت الوجودی خیالات پر مبنی ہے، میں لکھتا ہے:

> "ہر محدود ہستی اپنی حیات و قیام کے لئے لامحدود ہستی پر منحصر ہے اور ہر شئے جو زمان میں ہے اس کی رگِ جاں سرمدیت سے ملی ہوئی ہے۔"(۱۴۳)

عظیم برطانوی رومانی شاعر ولیم ورڈز ورتھ (پ: ۷ر اپریل ۱۷۷۰ء۔ م: ۲۳ر اپریل ۱۸۵۰ء) کی نظمیں روحانی زندگی کی طرف لے جانے میں بڑی مدد ہے۔ (تاریخ ادبِ انگریزی، ص: ۳۸۹)

وحدت الوجود کے حوالے سے اس کی ایک نظم کا یہ ٹکڑا دیکھیں:

In all things, in all natures, in the stars.
This active principle abides, from link to link,
It circulates the soul of all the worlds.(144)

تھامس کارلائل (۱۷۹۵ء-۱۸۸۱ء) کہتا ہے: ''مادی اور روحانی دونوں عالموں میں تصو۔
خدا ہر شئے میں داخل ہے۔ ہر ذی روح اسی آفتاب کی ایک کرن ہے۔'' وہ اس کا فیصلہ کرنا نہیں چاہتا کہ
وہ توحید کا قائل ہے یا ہمہ اوست کا۔ (۱۴۵)

ہربرٹ اسپنسر (پ: ۲۷/اپریل ۱۸۲۰ء۔ بمقام، ڈربی) کا نظامِ فلسفہ ہستی مطلق، مذہب اور سائنس
کے باہمی تعلق سے متعلق ہے۔ وہ کہتا ہے:

''ایک قوتِ مطلقہ ہے جو تمام اشیاء کی تہہ میں پائی جاتی ہے۔ ہم اس طرح پھر اسی انتہائی
صداقت پر آن پہنچتے ہیں جو مذہب اور سائنس میں مشترک ہے کہ تمام تجربی مظاہر کی تہہ میں
ہستی مطلق ہے۔'' (۱۴۶)

برگساں ☆ (۱۴۷) کہتا ہے: ''اشیائے کائنات کے ضمیر یا باطن میں جوشِ نمود کارفرما ہے'
ایک حقیقت ہے جو نت نئی صورتوں میں ظاہر ہوتی رہتی ہے۔'' اس ذوقِ نمود کو وہ اپنی اصطلاح میں
ELANVITAL یا تقاضائے حیات سے تعبیر کرتا ہے۔ یہ تقاضئے حیات ہی وہ قوت ہے جو تمام ارتقائی
عمل کے پس پشت کارفرما ہے اگر یہ تقاضہ کارفرما نہ ہو تو ارتقائی عمل یکلخت ختم ہو جائے۔ اسی تقاضائے
حیات کو برگساں ''خدا'' قرار دیتا ہے۔ کائنات میں جس قدر نئی اشیاء ظہور پذیر ہوتی ہیں ان کا باعث۔ ہی
تقاضا ہے بلکہ ساری کائنات اسی تقاضائے حیات کا ظہور ہے۔ اسی ''خدا'' نے انسان میں مسلسل ترقی
(سوز) کا جذبہ ودیعت کیا ہے۔ (تخلیقی ارتقاء، ص ۲۷۰)

جان سلسبری اپنی کتاب Polycraticus میں لکھتا ہے:

''زندگی عطا کرنے والا خالق نہ صرف روح انسانی بلکہ کائنات میں ہر مخلوق شئے کو زندگی بخشتا
ہے۔ کوئی جوہری مخلوق خدا سے باہر نہیں اور اشیاء کی ہستی وہیں تک ہے جہاں تک ان کو
ذاتِ الٰہی سے حصہ ملتا ہے' خدا کے ہر جگہ موجود ہونے کی وجہ سے تمام مخلوقات خدا میں ملفوف
ہے۔ ہر شے کی رگ وپے میں خدا موجود ہے اور ہر چیز خدا سے لبریز ہے۔ حقیر سے حقیر چیز
بھی خدا کا مظہر ہے۔ مگر ہر شے ایک جداگانہ طریقے سے خدا کی ہستی کو ظاہر کرتی ہے۔ جیسے
سورج کی روشنی ایک ہے۔ مگر نیلم یاقوت گوہر وغیرہ میں مختلف طور پر ظاہر ہوتی ہے۔ اسی

طرح خدا خلقت کے مختلف طبقوں میں لامحدود صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے"۔ (۱۴۸)

پروفیسر ایونز (EVANS) اپنی کتاب THEISTIC MONISM کے صفحہ ۳۲۹ پر لکھتا ہے: "خدا اور کائنات دو الگ الگ ہستیاں نہیں ہیں۔ ایک ہی توانائی ہے جو بیک وقت خدا بھی ہے اور کائنات بھی۔"

ولیم براؤن' سائنس اینڈ پرسنالٹی ص: ۸۱ پر لکھتا ہے:

"اشیائے کائنات میں من حیث المجموع خیر' حسن اور صداقت ہے' اس کا مفہوم یہ ہے کہ یہ سب ایک ہی شئے کے مختلف گوشے ہیں۔ یہ اشیاء تو مجرد ہیں لیکن "نفسِ شئے" خود مجرد (Abstract) نہیں یہ بالکل ٹھوس ہے۔ یہ حقیقتِ کلی ہے۔ یہ کائناتی خدا ہے"

جے ایچ ہومز، اپنی کتاب A Struggling God میں لکھتا ہے: "خدا انسان ہے اور انسان خدا' دونوں سے مراد ہے وہ زندگی جو محبت کے لیے مصروف کشمکش ہے۔"

ایمز "My Concept of God" میں لکھتا ہے:

"خدا کا محسوس اور قابلِ رسا تصور اسی صورت میں پیدا ہوسکتا ہے کہ اُسے انسانوں کا وہ اجتماعی ضمیر سمجھ لیا جائے جو معاشرہ میں کارفرما اور اسی طرح معاشرتی اداروں میں برنگ مجاز جلوہ طراز ہوتا ہے"(۱۴۹)

کیرڈ ان کہتا ہے:

"حقیقت یہ ہے کہ خدا اور انسان' محدود اور لامحدود' ایک ہی کُل کے جزو ہیں جس کُل میں بیک وقت سب موجود ہوتے ہیں۔ الگ الگ اور اکٹھے بھی"(۱۵۰)

÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷÷

محی الدین ابن عربی سوسائٹی:

محی الدین ابن عربی سوسائٹی کا قیام برطانیہ میں ۱۹۷۷ء میں لایا گیا۔ اس تنظیم کا بنیادی مقصد شیخ الاکبر کے افکار ونظریات کی ترویج واشاعت ہے۔ سوسائٹی کا صدر دفتر آکسفورڈ میں ہے جبکہ امریکہ اور اسپین میں اس کے ذیلی دفاتر ہیں۔ سوسائٹی ہر سال برطانیہ اور امریکہ میں ابن عربی پر سمپوزیم کا

اہتمام کرتی ہے جس میں دنیا بھر میں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے دانشوروں کو مدعو کیا جاتا ہے اس کے علاوہ سیمینار وغیرہ بھی کرائے جاتے ہیں- سوسائٹی کے زیر اہتمام ایک ششماہی مجلہ بھی نکالا جاتا ہے جس میں شیخ کی تعلیمات اور ان پر ہونے والے کام کی آگاہی کی تفصیل درج ہوتی ہے- آکسفورڈ میں ہی سوسائٹی نے ایک عظیم الشان لائبریری قائم کی جس میں دنیا بھر میں شیخ پر ہونے والے کام کو اکٹھا کیا گیا ہے نیز شیخ کی کتب کے مختلف زبانوں میں تراجم کیے گئے- سوسائٹی شیخ پر اب تک متعدد انگریزی کتب شائع کر چکی ہے- اس لائبریری میں شیخ کی جملہ کتب اور قلمی نسخوں کی مائیکروفلمیں دستیاب ہیں- سوسائٹی کی موجودہ تاحیات صدر ANGELA CULME SYMOUR ہیں اور دنیا بھر کی معروف یونیورسٹیوں کے نامور اساتذہ اور اسکالرز اس کے اعزازی فیلوز ہیں-

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

پانچواں باب:

وحدت الوجود اور شاعری

ہر تہذیب و تمدن ایک فلسفۂ زندگی رکھتا ہے جو اُسے ذہنی غذا بہم پہنچاتا ہے۔ اسی فلسفۂ زندگی سے اس کی قدریں بنتی ہیں۔ قوموں کے مزاج کا اندازہ ان کی شاعری سے لگایا جا سکتا ہے کہ شاعری کا تعلق براہ راست زندگی سے ہوتا ہے۔ ہر قوم کی شاعری میں عمومی طور پر مذہبی، متصوفانہ اور رندانہ قسم کے رجحانات پائے جاتے ہیں۔

شاعری حسن و توازن کا نام ہے اور بقول ورڈز ورتھ انسان اور فطرت کا عکس۔ ''لے ہنٹ'' اپنی کتاب ''تصور اور خواب'' میں لکھتا ہے کہ ''شعر، صداقت، حسن اور قدرت کے ساتھ عشق کا اظہار ہے جس کے مدرکات کی وضاحت تخئیل اور تصوّر کے ساتھ کی جاتی ہے اور اس کی زبان کا توازن یکسانیت میں اختلاف کے اصول کے تابع ہے۔''(۱)

وحدت الوجود بھی بہ الفاظ دگر حسن ازل سے عشق کا دوسرا نام ہے اور ویسے بھی علامہ شبلی نعمانی کے بقول وحدت الوجود کی اصلی حقیقت کچھ ہو لیکن صورتاً وہ سرتاپا حیرت ہے اور شاعری کی یہی بنیادی چیز ہے۔ ہر چیز جو دل پر تعجب کا اثر پیدا کرتی ہے حقیقی شعر ہے۔ فضائے غیر محدود، بحرِ بے کراں، سیارہ ہائے غیر متناہی، گلہائے چمن، امواج دریا سب مجسم شعر ہیں اور اسی بنا پر وحدت وجود کا مسئلہ سرتاپا شاعری ہے۔(۲)

وحدت الوجود کا یہ فلسفہ اپنے اندر جہانِ معنی لیے ہوئے اس کی ہمہ گیریت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس نے جہاں فلاسفہ و عرفا کو متاثر کیا وہاں شعراء کی ایک کثیر تعداد بھی اس کے دام الفت میں آئے بناں نہ رہ سکی۔ انہوں نے اسے شاعری میں خصوصی اہمیت دی۔ بطور ایک مستقل موضوع اپنایا اور ہزاروں مضمون باندھے پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ شاعری اور وحدت الوجود لازم و ملزوم بن گئے۔

عربی شاعری میں بوجوہ یہ فلسفہ پنپ نہ سکا جہاں تک عجمی شاعری کا تعلق ہے تو فارسی میں اس فلسفہ کے آثار نمایاں طور پر ظاہر ہوئے اور فارسی کے تتبع میں اردو اور دیگر پاکستانی زبانوں میں اس کے اثرات پھیلتے چلے گئے۔ رہ گئی ہندی زبان تو ویدانت کی پوری عمارت ہی وحدت الوجود کے فلسفہ سے

استوار ہوئی - ذیل میں ہم عربی، فارسی اور ہندی کے علاوہ پاکستانی زبانوں کی شاعری میں وحدت الوجود کے آثار کا مختصر جائزہ پیش کر رہے ہیں:

عربی:

افراد و اقوام کی سرشت اور افتادِ طبع میں ہی ان کی فکری روایات مضمر ہوتی ہیں - مثلاً آریائی اقوام (ہندی، ایرانی) کی افتاد طبع فلسفیانہ ہے اور اقوامِ عرب کی عملی - گویا آریائی ذہنیت وحدت الوجود کی طرف مائل ہے اور سامی ذہنیت توحید کی طرف راغب ہے - شاید یہی وجہ ہے کہ شیخ الاکبر کے نظریات عربی النسل ہونے کے باوصف عربوں میں اثر پذیر نہ ہو سکے بلکہ متعدد عرب علماء نے ان کی تکفیر کی اس لیے عربی شاعری میں خاص طور پر وحدت الوجود کے نظریات پنپ نہ سکے - کہیں کوئی خال خال مثالیں ملتی ہیں - مثلاً ہارون، امین اور مامون کا رند مشرب ممتاز درباری شاعر ابو نواس (الحسن بن ہانی الحکمی) (۱۴۵ھ/۶۲-۷ء-۱۹۹ھ/۸۱۳ء) کے ان اشعار کو شیخ الاکبر نے وحدت الوجود کی دلیل کے طور پر پیش کیا ۔

دق الزجاج ودقت الخمر   وتشا كلافتشابها الامر
فكانما خمر ولا قدح   وكانما قدح ولا خمر

(پیمانے نے حد درجہ لطافت اختیار کر لی ہے اور شراب کی خوش گواریوں نے بھی لطافت کے اس معیار کو حاصل کر لیا ہے نتیجہ یہ ہے کہ دونوں باہم مل جل گئے ہیں) (۳)

ابو اسحاق ابراہیم بن احمد الخواص (التوفی ۲۹۱ھ) جنیدؒ اور نوریؒ کے ہمعصر تھے، کہتے ہیں ۔

شغلت قلبی عن الدنيا ولزتها   فانت فى القلب شىء غير مفترق
وما تطابقت الأجفان عن سنة   الاوجد تک بين الجفن والحدق

(تو نے میرے دل کو اپنے ساتھ مشغول کر کے دنیا اور دنیا کی لذت سے غافل کر رکھا ہے چنانچہ دل کے اندر تم اس طرح سمائے ہوئے ہو کہ اسے اب جدا نہیں کیا جا سکتا - جب میری آنکھ کے پپوٹے اونگھ کی وجہ سے باہم مل جاتے ہیں تو میں تمہیں پپوٹوں اور آنکھ کے درمیان پاتا ہوں) (۴)

ابوعبداللہ قرشی کا یہ شعر وحدت الوجود کا ترجمان ہے ؎

وانت خلیط النفس فی کل شانہا ولکن نفس الذات منک مباینہ

تغامر ھاحتی کانک أنہا وتفنسی فواھا فالقوی بک فانیہ

(تم ہر حالت میں میرے نفس کے ساتھ ملے ہوئے ہو مگر تم بذات خود اس سے جدا رہتے ہو۔ تو میرے نفس کے ساتھ اس طرح گھل مل جاتا ہے جیسے تو اور وہ ایک چیز ہو۔ اس کے قوی فنا ہو جاتے ہیں تو ان کی فنا تمہاری وجہ سے ہے)(۵)

حسین بن منصور حلاج وہ پہلے صوفی شاعر ہیں جن کے یہاں وحدت الوجود کی فکر سر چڑھ کر بولی اور انہیں دار تک لے گئی۔

سبحان من اظہرنا سوتہ سر سنا لا ھوتہ الثاقب

ثم بداع مستیترا ظاھراً فی صورۃ الاکل الشارب

(اس پروردگار کی تسبیح بیان کرتا ہوں جس نے اپنے ناسوت میں اپنے لاہوت درخشاں کے راز کو نمایاں کیا۔ پھر پنہاں و پیدا کی صورت میں جلوہ گر ہوا اور کھانے پینے والے انسان کے روپ میں ظاہر ہوا)(۶)

جبلت روحک فی روحی کما یجبل العنبر بالمسک الفتق

(تری روح میری روح میں اس طرح سما گئی جس طرح عنبر مشک ناب میں مل جاتا ہے)

مثالک فی عینی و ذکرک فی فمی ومشواک فی قلبی فاین تغیب

(اے خدا) تیری مثال میری آنکھ میں اور تیرا ذکر میری زبان پر رہتا ہے۔ تیرا گھر میرا دل ہے پھر تو کیوں کر جدا ہو سکتا ہے)(۷)

ابوبکر شبلیؒ (۸۶۱ء-۹۴۵ء) حلاج کے ہمعصر، دوست اور انکے مقدمہ کے عینی شاہد۔ خود ان کی شطحیات بڑی مشہور ہیں کہتے ہیں:

غِبْتُ عَنِّیْ فَمَا اَحُسُّ بِنَفْسِیْ وَتَلاشَتْ بِہٖ صِفَاتِی الْمَوْصُوْفَۃ

فَاَنَا الْیَوْمَ غَائِبٌ" عن جَمِیْعٍ لَیْسَ اِلّا الْعِبَارَۃُ الْمَلْھُمْ لہٗ

(تُو مجھ سے غائب ہوا تو میں ایسا بے ہوش ہوا کہ اپنے آپ کو نہیں پہچانتا اور میری صفات موصوفہ نے اس کی جستجو کی تو آج کے دن سب سے ایسا غائب ہوں کہ عباراتِ طھوفہ کے سوا کچھ نہیں ہوں) (۸)

ابن سینا (۹۸۰ء-۱۰۳۷ء) تھے تو فلسفی اور حکیم لیکن شاعر بھی- ان کے کافی اشعار وحدت الوجود کی جانب اشارہ کرتے ہیں مثلاً ؎

ففی کل شئی لہ ایة　　تدل علٰی انہ الواحد

(ہر چیز اس خدا کی مظہر ہے کہ وہ واحد یگانہ ہے)(۹)

عفیف الدین سلیمان ابن علی تلمسانیؒ (۶۱۶-۶۹۰ھ/ ۱۲۱۹ء-۱۲۹۱ء) تلمسان (الجزائر) کے معروف صوفی شاعر- عمر کا زیادہ تر حصہ دمشق میں گزرا- فصوص الحکم کے شارح- اُن کو وحدت الوجود سے بہت زیادہ دلبستگی تھی- کہتے ہیں ؎

البحر لا شک عندی فی توحدہٖ　　وان تعدد بالامواج والزبر

فلا یغرنک ما شاھدت من صور　　فالوحد الدب ساری المعین فی العدد

(سمندر کی وحدت میں میرے نزدیک کوئی شبہ نہیں- اگر چہ امواج اور جھاگ نے اس میں تعدد کر دیا ہے- تمہیں صور کا یہ مشاہدہ دھوکے میں نہ ڈال دے- اس تعدد کی تہہ میں بہر حال ایک ہی رب جاری وساری ہے)(۱۰)

سید عبدالکریم بن ابراہیم جیلانیؒ (الجیلی): (۱۳۶۵ء-۱۴۰۳ یا ۱۴۲۸ء)' شیخ الاکبر کے باکمال شارح اور غالی وحدت الوجودی صوفی' انسانِ کامل اور مراتب الوجود اُن کی نمائندہ تصانیف ہیں- فتوحاتِ مکیہ کی شرح بھی لکھی- انسانِ کامل سے لیے گئے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

کُلُّ ما فی الوجود غیری فمِنی　　ھو ذاتی نوعة باختیاری

(وجود میں جو کچھ میرے سوا ہے وہ مجھ سے ہے وہ میری ذات ہے جسے میں نے اپنے اختیار میں گونا گوں کر دیا)

ومحا الحمرة البیاض وجاءت کثرۃ فھی للتلون طاری

(اور سفیدی نے سُرخی کو مٹادیا اور اس تلون سے کثرت پیدا ہوگئی پھر وہ کثرت تلون میں ایک طاری شئے ہے)(۱۱)

تصوّف کی انتہائی اہم اور بنیادی کتب' کتاب اللمع اور کشف المحجوب میں چند نامعلوم شعراء کے ایسے اشعار بھی ملتے ہیں جو سراسر وحدت الوجود کی غمازی کرتے ہیں' چند مثالیں پیش ہیں:

☆ وما تنفست الا کنت مع نفسی تجری بک الروح منی فی مجاریھا

((اے محبوب حقیقی) میں جب بھی سانس لیتا ہوں تو تُو میرے سانس کے ساتھ ساتھ ہوتا ہے۔ میری روح میرے جسم میں تمہیں ساتھ لے کر جاری ہونے کی جگہوں میں جاری ہوتی ہے)(۱۲)

افنی بہ عنی وابقی بہ لہ اذا لحق عنہ مخبر و عمبر

(لہٰذا میں اس کے ساتھ ہو کر اپنی ذات سے فنا ہو جاتا ہوں اور اس کے ساتھ ہو کر اسی کے لیے باقی رہتا ہوں کیونکہ حق تعالیٰ خود اپنی ذات کے متعلق خبر دیتے ہیں اور تشریح فرماتے ہیں)(۱۳)

انا من اُھوی ومن اُھو بسی انا فاذا ابصرتنی ابصرتنا

(جس پر میں عاشق ہوں وہ میں ہی ہوں اور میں خود اپنا محبوب ہوں لہٰذا جب تو مجھے دیکھ لے گا تو گویا تو نے ہم دونوں کو دیکھ لیا) (۱۴)

اذینتنی منک حتی ظننت انک انی

(تو نے مجھے اس قدر اپنے قریب کر دیا ہے کہ میں خیال کرتا ہوں کہ تو اور میں ایک ہی ہیں)(۱۵)

انا من اھوی ومن اھوی انا فاذا ابصرتنی ابصرتنا

(میں وہ ہوں جس سے مجھے عشق ہے وہ میں ہی ہوں لہٰذا جب تو مجھے دیکھے گا تو ہم دونوں کو دیکھ لے گا) (۱۶)

وَطَاحَ مَقَامِی وَالرُّسُوْمُ کَلَاھُمَا فَلَسْتُ آریٰ لِیَ الْوَقْتِ قُرْباً وَّلَا بُعْدَ

اَفْنَیْتَ بِدَعْنِیْ فَبِاِذْنِیْ الْھُدیٰ فَھٰذَا ظُھُوْرُ الْحَق عِنْدَالْفَنَاءِ قَصْداً

(میرا مقام اور رسوم دونوں فنا ہو گئے تو میں کسی وقت قرب وبُعد نہیں دیکھتا- میں اپنے آپ سے
اس میں فنا ہوا تو مجھے ہدائت ملی تو یہ ظہورِ حق ہے) (۱۷)

فَفِیْ فَنَاءِ فَنَاءُ فَنَاءِ وَفِیْ فَنَاءِیْ وَجَدْتُکَ اِنَّنَا
مَحُوتُ اِسْمِیْ وَاِسْمُ جِسْمِیْ سَئَالتَ عَنِّیْ فَقُلْتُ اِنَّنَا

(میرے فنا ہونے میں میری فنا کا فنا ہونا ہے اور میں نے اپنی فنا میں تجھے پایا- میں نے اپنا نام
اور اپنے جسم کا نام مٹایا تو تُو نے مجھ سے پوچھا میں نے کہا میں ہی ہوں-(۱۸)

====☆====

فارسی:

فارسی کی صوفیانہ شاعری کی اصل اہمیت اس بات میں ہے کہ اس نے تصوّف کو خالص مذہبی تجربے کی بجائے ایک ایسے جمالیاتی تجربے سے آشنا کیا جو اصلاً تو ایک مذہبی تجربے کی حیثیت رکھتا ہے کہ موجود کو عبور کر کے ماوراء سے ہم رشتہ ہوتا ہے☆(۱۹) اور یہی تجربہ دراصل وحدت الوجود کی طرف پیش قدمی ہے- ایک صوفی شاعر کہتا ہے ۔

واحد دیدن بود نہ واحد گفتن

''واحد دیدن'' کیا ہے؟ کائنات کو خدا کا پرتو سمجھنا- بلکہ یوں کہیے کہ اس کے سوا ہر دوسری شئے کی نفی- جب عقیدہ یہ ہو تو انسان انسان میں فرق بے معنی ہو جاتا ہے- اس وحدت سے انسانی وحدت اور مساوات سے انسانی مساوات اور محبتِ کل کی نہریں نکلتی ہیں ساری فارسی بشمول اردو شاعری اسی محبتِ کل کا عکس ہے-(۲۰)

ابوالقاسم منصور بن حسن فردوسیؒ (۳۰۰ھ-۴۱۱ھ) جیسا کوئی اور شاعر ایران میں پیدا نہیں ہو گا- فردوسی کے ہاں اگرچہ اخلاقی مضامین بکثرت ملتے ہیں لیکن خالص متصوفانہ اور ہمہ اوستی رنگ خال خال ہے یہاں ہم صرف ایک ہی مثال پر اکتفا کریں گے ۔

جہاں را بلندی و پستی توئی ندانم چہ ہر چہ ہستی توئی

محمد بن ابراہیم فریدالدین عطارؒ (۵۱۳ھ-۶۲۸ھ) نے بقول شبلی نعمانی صوفیانہ شاعری

کی وسعت کا دائرہ نہائت وسیع کر دیا۔منطق الطیر میں وحدت الوجود کا فلسفہ تمثیلی انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ایک جگہ تو عطار نے انتہا کر دی ہے۔

ہر کہ ازوے نزد اناالحق سر او بود از جماعت کفار

(اس دنیا میں سب خدا ہی خدا ہے، جو اناالحق نہیں کہتا وہ کافر ہے)

مولانا جلال الدین رومیؒ (۶۰۴ھ-۶۷۲ھ) کے تمام مورخین وشارحین اس بات پر متفق ہیں کہ مولانا نہ صرف وحدت الوجود کے قائل تھے بلکہ اس کے پُر جوش مبلغ بھی تھے وہ مولانا صدرالدین قونویؒ کے واسطے سے شیخ الاکبر محی الدین ابن عربیؒ سے مستفید و متاثر ہوئے۔

گر ہزاراں اندیک کس بیش نیست جُز خیالاتِ عدد اندیش نیست

بحر وحدانیت جُفت و زوج نیست گوہر و ماہیتش غیرِ موج نیست

نیست اندر بحرِ شرک پیچ پیچ لیک باحوال چہ گویم ہیچ ہیچ

(اگر ہزاروں بھی ہیں ایک کے علاوہ کچھ نہیں ہے کثرت اور تعدد محض خیالی ہے۔صرف وحدانیت کا سمندر ہے۔جُفت اور جوڑا کچھ نہیں۔اس کی حقیقت اور ماہیت موجوں سے جُدا نہیں ہے۔سمندر میں کسی چیز کی شرکت نہیں ہے لیکن بھینگے سے میں کیا کہوں؟)(۲۱)

مولانا رومی کے مرشد شمس تبریز (المتوفی ۱۲۴۸ء) سے منسوب اس شعر میں دوئی اور غیریت کا فرق مٹا کر صرف ایک ہی ذات کو پہچاننا اس شعر کا مرکزی موضوع ہے۔

دوئی را چوں بدر کردم دو عالم را یکے دیدم یکے بینم یکے جویم یکے خوانم یکے دانم

(جب میں نے دوئی اور غیریت کو مٹا دیا تو دونوں جہان میں اسی کو دیکھا' اُسی ایک ہی کو ڈھونڈا' اسی ایک ہی کو دیکھا اور پہچانا)

شیخ فخر الدین ابراہیم عراقیؒ (المتوفی ۶۸۸ھ)' شیخ الاکبر کے انتہائی قریبی تلمیذ اور خلیفہ' وحدت الوجود کو عجم میں متعارف کرانے والے' شیخ الاکبر کے تصورات کے عظیم شارح۔مولانا شبلی شعر العجم میں لکھتے ہیں کہ شیخ عراقی اکثر وحدت الوجود کے مسئلہ کو صاف تمثیلوں میں ادا کرتے ہیں۔مثلاً

دم بدم در ہر لبا سے رخ نمود لحظہ لحظہ پائے دیگر پا نہاد

ہم بہ چشم خود جمال خود بدید تہمتے برچشم نابینا نہاد

(۲۲)

شیخ سعدالدین محمود شبستری:(التوفی ۱۳۲۰ء) کی اہم تصانیف انسانِ کامل اور مثنوی گلشن راز ہیں۔مؤخرالذکر میں اسرار تصوف اور خاص طور پر شیخ الاکبر کی تعلیمات کو خوبصورت پیرائے میں نظم کیا گیا ہے۔وہ نخلِ طور پر تجلیِ الٰہی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اگر درخت میں سے یہ آواز نکل سکتی ہے کہ میں رب ہوں تو انسان میں سے اس آواز کا نکلنا ناروا کیسے ہوسکتا ہے۔

روا باشد انا الحق از درختے چرا نبود روا از نیک بختے

ابوالحسن یمین الدین امیر خسرو(التوفی ۱۳۲۴ء) کی متصوفانہ شاعری میں جا بجا وحدت کی کرنیں پھوٹتی ہوئی دکھائی دیتی ہیں مثال کے طور پر۔

من تُو شدم تُو من شُدی من تن شدم تُو جاں شُدی
تاکس نگوید بعد ازیں من دیگرم تُو دیگری

(میں تُو ہوگیا تُو میں ہوگیا۔میں جسم ہوں تُو اس میں جان ہے۔اب اس کے بعد کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں اور ہوں تُو اور ہے)

حافظ(التوفی ۱۳۸۹ء) کا وحدت الوجود کی فکر میں بھیگا ہوا ان کا یہ نمائندہ شعر دیکھیں۔

ندیم و مطرب و ساقی ہمہ اوست خیال آب و گل در رہ بہانہ

(عناصر اربعہ یعنی مٹی،آگ،ہوا اور پانی کا تو بہانہ ہے۔وہ خود ندیم ہے،خود گویا ہے اور خود پلانے والا)

وحدت الوجود کے بارے میں مولانا جامیؒ (۱۴۹۲ء) کے خیالات حسب ذیل ہیں:

حبذا روز یکہ قبل از روز و شب فارغ از اندوہ و آزاد طلب
متحد بودیم باشاہِ وجود حکم غیریت بکلی محو بود

(یعنی ایک زمانہ ایسا بھی گزرا ہے جب اس کائنات کا کوئی وجود نہ تھا اور ہم اندوہ (غم) اور طلب (خواہشات) سے بالکل فارغ تھے اور حق تعالیٰ کے ساتھ متحد تھے اور اس میں اور ہم میں مطلق غیریت نہیں تھی۔)

بیدل (۱۷۲۰ء) کا کمالِ فن یہ ہے کہ اگرچہ انہوں نے اپنے کلام میں اوّل سے آخر تک وحدت وجود ہی کا فلسفہ پیش کیا ہے اور اسی ایک بات کو سو طریقوں سے ادا کیا ہے مگر شعریت کا دامن ان کے ہاتھ سے کبھی نہ چھوٹا مثلاً ۔

زخیر عالم دل غافلیم ورنہ حباب مرے اگر بگریباں فرد بُرد دریا ست

(ہم اپنی حقیقت سے غافل ہیں۔ اس غفلت کی بنا پر من وتو کا امتیاز پیدا ہوتا ہے ورنہ اگر حباب غور کرے تو اُسے معلوم ہو جائے کہ میں حباب نہیں دریا ہوں)

شیخ محمد علی بن ابو طالب حزیں (۱۶۲۱ء۔۱۷۶۷ء) کے کلام میں سادگی، شوخی اور مضمون آفرینی قابل قدر ہے۔ وحدت الوجود کو اس انداز میں نظم کرتے ہیں ۔

دل گواہیست کہ در پردہ دلآ رائے ہست ہستیءِ قطرہ دلیل است کہ دریائے ہست

(اس مادے کے پیچھے محبوبِ حقیقی ہے۔ قطرے سے سمندر کا پتہ چلتا ہے)

غالب کے فارسی کلام میں زندگی کے بارے میں بے شمار حقائق ملتے ہیں۔ فلسفہ تخلیق اور حقیقتِ محمدیہ کو غالب نے صوفیانہ پیرائے میں یوں بیان کیا ہے ۔

نور محض واصل ہستی ذات اوست ہر کہ جز حق بنی از آیات اوست

(نور محض اور اصل ہستی اُسی کی ذات ہے۔ حق کے سوا تم جو کچھ دیکھتے ہو اُسی کی آیات ہیں)

اقبال کا فارسی کلام اردو کی نسبت زیادہ زوردار ہے۔ یہاں ان کے چند فارسی اشعار درج کیے جا رہے ہیں جن میں وحدت الوجود کے آثار نمایاں ہیں ۔

پیکر ہستی ز آثار خودی ست ہر چہ می بنی ز اسرار خودی ست

(اسرار خودی ۱۹۱۵ء)

لا إلہ تیغ و دم او عبدہ فاش تر خواہی؟ بگو ھو عبدہٗ

(جاوید نامہ ۱۹۳۱ء)

مردِ مومن از کمالاتِ وجود از وجود و غیراو ہر شے نمود

(پس چہ باید کرد ۱۹۳۶)

زمین و آسمان و چار سو نیست   دریں عالم بجز اللہ ھو نیست

(ارمغان حجاز ۱۹۳۷ء)

ان اشعار کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آ جاتی ہے کہ اقبال نے ایک خاص مرحلے کے علاوہ کبھی بھی وحدت الوجود یا تصوّف کی مخالفت نہیں کی بلکہ آخر میں تو وہ وحدت الوجودی بن کے رہ گئے تھے۔

امام خمینی (وفات: ۳رجون ۱۹۸۹ء) نہ صرف عظیم انقلابی رہنما، عالم فاضل بلکہ عارفانہ شاعر بھی تھے۔ وہ حق تعالیٰ کے انوار کو ہر جگہ یہاں تک کہ اس کی تجلی کو جلوۂ جمال الٰہی کے عاشق ذراتِ کائنات میں بھی محسوس کرتے تھے۔

ذرات وجود عاشق روی وبند   با فطرت خویشتن ثنا جوی وبند
ناخواستہ و خواستہ دلها همگی   ہرجا کہ نظر کنند در سوی وبند

(۱۴)

====☆====

اُردو:

صوفیانہ شاعری کی بنیادی روائت فارسی ہی سے اردو میں آئی اور صوفیانہ اصطلاحات مثلاً وحدت الوجود، عرفانِ نفس، فنافی اللہ، جبر و قدر، حقیقت و مجاز، وغیرہ بھی فارسی تصوّف ہی کی دین ہیں۔

شیخ باجن، قاضی محمود دریائی، شاہ علی جیو گام دھنی، خوب محمد چشتی، شاہ برہان الدین جانم، میراں جی شمس العشاق وہ صوفی شعراء ہیں جن کی تصنیفات میں تصوّف کا ہر نکتہ پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہوا بلکہ یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ تصوف، صوفی شعراء تک محدود نہیں بلکہ وہ شعراء بھی جو عملاً صوفی نہیں ان مضامین کو برت رہے ہیں۔ اسی عہد میں اخلاقی مضامین کی ہر جھلک تصوّف سے ہی مستعار ہے۔ خارجی شاعری کے اس دور میں سوز و گداز کی جو بھی رمق ہے صوفیانہ عشق کی دین ہے۔

ذرا ان شعروں میں تصوف کی بازگشت دیکھیے۔ یہ اشعار ان مستقل تصانیف کے علاوہ ہیں جو خاص طور پر تصوّف کے موضوع پر لکھی گئیں۔

دیکھے نہیں کوئی نین توں سب نین تھے ہے چھپا

تیرے سونے کے حسن کا دستا اہے سنسار عشق

(قلی قطب شاہ ۱۵۸۰ء-۱۶۱۱ء)

آب ہو دریا میں مل جاتج میں گر ہے اتحاد

فی الحقیقت توں اسی دریا منے کا ہے حباب

(عبداللہ قطب شاہ)

ہو دیدہ دل کے عالم میں گزر کر دیکھتا ہوں تو

وہی ہے سب وہی ہے رخ جدھر کر دیکھتا ہوں تو

(غواصی)

بن پتنگ آپ سے فنا کرتا روپ میں روپ رنگ میں رنگ

(محمود بحری)

احد میں تجے نانوں احمد دیا بجز میم بھی فرق کچھ نین کیا

(صنعتی بیجاپوری، التوفی ۱۶۴۵ء)

احد ہور احمد میں جگ کون عظیم معما ہوئی گرچہ میانے کی میم

اسی میم تے پن معما شگاف دیکھیں عین احد کوں چہ احمد تے صاف

(مُلّا نصرتی، التوفی ۱۶۷۴ء)

کہیں بے دل ہو پُر سوز ہوا، کہیں دلبر دل افروز ہوا

کہیں رات ہوا کہیں روز ہوا خود ظاہر ہو مستور ہوا

(شاہ مُراد)

خروشی گجراتی (التوفی ۱۶۷۶ء) کہتے ہیں۔

کہیں گلزار میں جا گل کھلایا کہیں میں بلبل شیدا ہوا ہوں

کہیں میں ہوں خروشی بندۂ عشق کہیں میں راہبر اپنا ہوا ہوں

تصوّف، شاہ تراب علی تراب کا بقول ڈاکٹر جمیل جالبی، ذاتی تجربہ ہے۔

جیوں کہ بوئے گل ہے پنہاں رنگ میں ہم رنگ ہو

یوں دلیل نحن اقرب بس ہے قربِ یار کا

(۲۴)

شمس الدین محمد ولی دکنی (۱۶۶۸ء-۱۷۴۴ء) کا یہ وجودی شعر دیکھیں ۔

حسن تھا پردۂ تجرید میں سب سوں آزاد   طالب عشق ہوا صورتِ انسان میں آ

شیخ ظہور الدین حاتم (۱۷۰۰ء-۱۷۸۳ء) کی شاعری میں کثرت و وحدت' جبر و اختیار اور وجود و شہود وغیرہ موضوعِ سخن بنتے ہیں ۔

کہیں وہ خلق بے چوں و بے نشاں ہوا   کہیں وہ مالک و ملک و ملک عیاں ہوا
کہیں وہ صاحب مال و زر و نشاں ہوا   کہیں وہ بادشہِ تخت لا مکاں ہوا

قائم چاند پوری (المتوفی ۱۷۹۳ء) کہتے ہیں ۔

جُز و کُل کے فرق پر مت جا تک اس آتش کو دیکھ
ہے جو تودے میں وہی ذرہ سی چنگاری میں ہے

مرزا محمد رفیع سودا (۱۷۱۳ء-۱۷۸۰ء) وحدت الوجود کے ضمن میں کہتے ہیں ۔

میں ہوں خود دریا ولے کو تہ نظر کے سامنے
ظرف و موج و قطرہ میرے رُخ کا ایک پردا ہوا

میر تقی میر (۱۷۲۴ء-۱۸۱۰ء) کے ہاں تصورِ عشق مادی و روحانی اور مجازی و حقیقی سطح پر مل کر ایک وحدت بن گیا ہے اس تصورِ عشق کی مابعد الطبیعات سے واقف ہوئے بغیر مولا نا روم کی مثنوی' ابن العربی کے تصورِ عشق اور میر و اقبال کی شاعری کو نہیں سمجھا جا سکتا۔☆ (۲۵) میر وحدت الوجود کے بارے میں کہتے ہیں ۔

یہ دو ہی صورتیں ہیں یا منعکس ہے عالم   یا عالم آئینہ ہے اس یارِ خود نما کا
ہستی اپنی ہے بیچ میں پردا   ہم نہ ہوویں تو پھر حجاب کہاں

میر محمد حسین کلیم، خان آرزو اور میر تقی میر کے قریبی عزیزوں میں سے تھے۔ فصوص الحکم کا منظوم اردو ترجمہ کیا۔ کلیم کا ایک وجودی شعر ہے ۔

وہی ایک ہے جوان دونوں گھروں میں خلق ڈھونڈے ہے
پس اے زاہد اگر مسجد سے بت خانہ ہوا تو کیا

میر درد (المتوفی ۱۷۸۵ء) نے وحدت الوجود اور وحدت الشہود' دونوں کو ملا کر ایک نئی وحدت دینے کی کوشش کی ہے جو ایک قابل قدر فکری اضافہ ہے۔(۲۶)

دونوں جہاں روشن کرتا ہے نور تیرا — اعیان میں مظاہر' ظاہر ظہور تیرا
ہے جلوہ گاہ تیرا کیا غیب' کیا شہادت — یاں بھی شہود تیرا واں بھی حضور تیرا

غلام ہمدانی مصحفی (۱۷۵۰-۱۸۲۵ء) کی غزلوں کا اہم عنصر تصوّف کا ہمہ اوستی رنگ ہے۔

ہوں شاید تنزیہ کے رخسار کا پردہ — یا خود ہی میں شاہد ہوں کہ پردہ میں چھپا ہوں
یہ کیا ہے کہ مجھ پر میرا عقدہ نہیں کھلتا — ہر چند کہ خود عقدہ و عقدہ کشا ہوں

شاہ نیاز احمد بریلویؒ (۱۷۶۰ء-۱۸۳۴ء) اردو اور فارسی کے شاعر۔ مصحفی آپ کے تلامذہ میں سے تھے۔ شاہ صاحب کا اصل موضوع وحدت الوجود ہے۔ انہوں نے اٹھارہویں صدی میں اس نظریہ کی اشاعت میں نہائت سرگرمی سے حصہ لیا۔ ان کا سارا کلام اسی مضمون سے لبریز ہے۔

یہ جو کچھ کہ پیدا ہے سب عین حق ہے — کہ ایک بحرِ ہستی رواں دیکھتا ہوں
ازل سے ابد تک جو کثرت ہے پیدا — سو وحدت کا دریا عیاں دیکھتا ہوں

شیخ ابراہیم ذوق (۲۲ اگست ۱۷۹۰ء-۲۱ نومبر ۱۸۵۴ء) کا ذہنی میلان وحدت الوجود کی طرف مائل ضرور تھا مگر زیادہ واضح نہیں، کہتے ہیں۔

اُسے ہم نے بہت ڈھونڈا نہ پایا — گر پایا تو کھوج اپنا نہ پایا
جہاں دیکھا کسی کے ساتھ دیکھا — تجھے ہم نے کہیں تنہا نہ پایا

غالب (۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء-۱۵ فروری ۱۸۶۹ء) کے کلام میں فلسفہ' حکمت' تصوّف' بلندی فکر' فصاحت و بلاغت' گہرائی و گیرائی' ندرتِ بیان' الغرض سب کچھ ملے گا۔ وحدت الوجود کی چند مثالیں پیش ہیں۔

ہاں کھائیو مت فریب ہستی — ہر چند کہیں کہ "ہے" نہیں ہے

کثرت آرائی وحدت ہے پرستاریِ وہم — کر دیا کافر ان اصنام خیالی نے مجھے
قطرہ میں دجلہ دکھائی نہ دے اور جزو میں کُل — کھیل لڑکوں کا ہوا، دیدہ بینا نہ ہوا

خواجہ حیدر علی آتش (۱۷۷۸ء-۱۸۴۶ء) مذہباً اثناعشری تھے لیکن دراصل وہ مذہب کے معاملے میں خاصے آزاد خیال تھے- ان کا خاندان صوفیوں اور خواجہ زادوں کا تھا- آتش نے اگرچہ پیری مریدی کے طریقے کو سلام کہہ کر درویشی اور فقیری کا آزادانہ مسلک اختیار کیا (آب حیات، ص۳۷۲) لیکن تصوّف کے بہت سے عقائد نے اُنہیں متاثر کیا جس کا پرتو ان کی شاعری پر ہے (۲۷)۔

نقش صورت کو مٹا کر آشنا معانی کا ہو — قطرہ بھی دریا ہے جو دریا سے واصل ہو گیا

داغ دہلوی (المتوفی ۱۹۰۵ء) بقول ڈاکٹر انور سدید، غزل کی ترقی معکوس کی مثال ہیں اور ایک زوال آمادہ معاشرے کا نمائندہ شاعر- بوالہوسی، لذت پسندی اور نشاط انگیزی اس دور کا وصف ہے- اس تناظر میں وحدت الوجود سے متعلقہ یہ اشعار دیکھیں۔

آنکھ والا تیرے جوبن کا تماشا دیکھے — دیدۂ کور کو کیا آئے نظر کیا دیکھے

وہی تو ہے شعلۂ تجلی کی دشتِ ایمن سے تنگ ہو کر
جب اس نے اپنی نمود چاہی کھلا حسینوں میں رنگ ہوکر

امیر مینائی (۲۳ فروری ۱۸۲۹ء-۱۳ اکتوبر ۱۹۰۰ء)، فن شعر میں مسلّم الثبوت استاد- ابتدائی رنگ لکھنوی بعد میں داغ کا اثر- عاشقانہ، متصوّفانہ مضامین ان کی شاعری کا خاصہ۔

لاکھ پردوں میں تُو ہے بے پردہ — سو نشانوں میں بے نشاں تُو ہے
تو ہے خلوت میں تو ہے جلوت میں — کہیں پنہاں کہیں عیاں تُو ہے
رنگ تیرا چمن میں، بُو تیری — خوب دیکھا تو باغباں تُو ہے

مولوی محمد محسن کاکوروی (۱۸۲۶ء-۲۴ اپریل ۱۹۰۵ء) نے نعت گوئی میں خاص مقام حاصل کیا وحدت الوجود کے اثرات ان کی شاعری میں نمایاں ہیں۔

تیری تشبیہ کا ہے آئینہ خانہ تنزیہہ — شانِ بیرنگی مطلق ہے تجھے رنگ محل
رفع ہونے کا نہ تھا وحدت کثرت کا خلاف — میمِ احمد نے کیا آ کے یہ قصہ فیصل

اکبر الٰہ آبادی (متوفی ۱۹۲۱ء) وحدت الوجود کی حقیقتوں کو جمال آرا کرنے میں بھی شاعرانہ کمال رکھتے تھے- ذیل کے دو اشعار ان کے اسی رنگِ معرفت کے ترجمان ہیں۔

کہیں جلوہ ہوں صورت کا کہیں ہوں شاہدِ معنی
کہیں ہوں محمل لیلیٰ کہیں لیلائے محفل ہوں
کہیں عاشق کا مطلب ہوں کہیں معشوق کی خواہش
کہیں مجبور مطلق ہوں کہیں مختارِ کامل ہوں

اصغر حسین اصغر گونڈوی (۱۸۸۴ء-۱۹۳۶ء)' جدید غزل میں ایک خاص مقام کے حامل ،عالم باعمل- کلام میں حکیمانہ شائستگی اور تصوف کی سرمستی- ان کے افقِ شاعری پر وجودی وشہودی فکر کی پرچھائیاں رقص کرتی ہیں۔

جو نقش ہے ہستی کا دھوکہ نظر آتا ہے — پردے پہ مصور ہی تنہا نظر آتا ہے
ہر ذرہ آئینہ ہے کسی کے جمال کا — یوں ہی نہ جایے میرے مشتِ غبار کو

یہ امر مسلمہ ہے کہ علامہ اقبالؒ اوائل عمری میں ہی وحدت الوجود کے قائل تھے اور وجودی صوفیہ کی طرح نفیِ ہستی اور فنا فی اللہ پر محکم یقین رکھتے تھے- ان کی بعض نظمیں اسی نظریہ کی غمازی کرتی ہیں۔

حسن ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
انسان میں وہ سخن ہے غنچے میں جو چٹک ہے
کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
جگنو میں جو چمک ہے وہ پھول میں مہک ہے

شوکت علی خان فانی بدایونی (۱۸۷۹ء-۱۹۴۰ء) تصورِ مرگ کا شاعر'یاسیات کا امام' فانی کے نزدیک زندگی' عشق' موت اور خدا ایک مرکز پر جمع ہو گئے اور یوں یہ سب کچھ ان کے نزدیک وحدت فی الکثرت کا تماشا بن گیا۔

مظہر ہستی و خلاق عدم ہے مری ذات — کچھ نہ تھا ورنہ بجز سلسلہ برہم ہوش
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم ہے — رہا یہ وہم کہ ہم ہیں سو وہ بھی کیا معلوم

پنڈت امرناتھ ساحر دہلوی (۲۹مارچ ۱۸۶۳ء-۱۹۴۲ء) تھے تو ہندو پر کہتے ہیں۔

قدم ہے عین حدوث اور حدوث عین قدم جو تو نہ جلوے میں آتا تو میں کہاں ہوتا

جلوۂ حسن ہر اک شئے میں نظر آتا ہے ماسوا کی کوئی ہستی میرے ایماں میں نہیں

جلیل مانک پوری (التوفی ۶ جنوری ۱۹۴۶ء) امیر مینائی کے شاگرد تھے اور میر محبوب علی خان کے استاد، کہتے ہیں۔

چمن کے پھول بھی تیرے ہی خوشہ چیں نکلے کسی میں رنگ ہے تیرا کسی میں بُو تیری

سید انور حسین عرف منجھو صاحب المتخلص بہ آرزو لکھنوی (التوفی ۱۱۶پریل ۱۹۵۱ء) مذھبا اثنا عشری تھے اور حد درجہ منکسرالمزاج۔وحدت الوجود کے سلسلے میں لکھتے ہیں۔

کثرتِ وحدت ہے نیرنگ جمال جتنے شعلے اتنی ہی پرچھائیاں

سید فضل الحسن حسرت موہانی (۱۸۷۵ء-۱۳مئی ۱۹۵۱ء) کے ہاں اسرار و کشف اور تصوف و ویدانت کے کوذ کم ہی ہیں-عینیت و رمزیت' غیبت وحضور' انکشاف' القاوالہام جیسی چیزیں ان کے کلام میں نہیں ملتیں-ان کا تصوف ان کی زندگی کی طرح سادہ ہے۔

برق کو ابر کے دامن میں چھپا دیکھا ہے ہم نے اُس شوخ کو مجبورِ حیا دیکھا ہے

علامہ سیماب اکبرآبادی (۱۸۸۰ء-۳۱ جنوری ۱۹۵۱ء) متبحر عالم اور فاضل عصر- حاجی سید وارث علی شاہؒ سے بیعت۔وحی منظوم کے نام سے قرآن پاک کا منظوم ترجمہ کیا-روائت و جدت کا حسین امتزاج تھے-وحدت الوجود کے سلسلے میں کہتے ہیں۔

خود بیں و خود شناس ملا خود نما ملا انسان کے بھیس میں مجھے اکثر خدا ملا

سید وحید الدین بیخود دہلوی (التوفی ۱۲اکتوبر ۱۹۵۵ء) داغ کے شاگرد تھے-وحدت الوجود کے بارے میں خامہ فرسائی یوں کرتے ہیں۔

فرق کچھ عالمِ ایجاد سے پہلے تو نہ تھا
ایک ہی رنگ تھا اس وقت تو تیرا میرا
ہمیں ہم ہیں تو یہ آنکھوں پہ کیسا پڑ گیا پردا

تمہیں تم ہو تو کیوں پوشیدہ صورت ہم سے کرتے ہو

وحشت کلکتوی (۱۹۵۶ء) کہتے ہیں۔

خودنما جلوہ تیرا داد طلب ناز تیرا — کون ہے تیرے سوا پردہ درِ راز تیرا
تا کجے شکل مجازی میں تیری جلوہ گری — اس حقیقت کو جو پوشیدہ ہے عریاں کردے

مرزا واجد حسین یگانہ چنگیزی (۱۸۸۴ء-۹ فروری ۱۹۵۶ء) انسان کے خدا کی ہستی میں جذب ہو جانے کی بجائے خدا کو انسان میں جذب کر لینے کے آرزومند تھے۔

نگاہِ شوق کی دنیا خدا جانے کہاں تک ہے — جہاں دیکھا وہی حسنِ یگانہ شمع محفل تھا

مولانا ظفر علی خان (۱۸۷۳ء-۱۹۵۶ء) منفرد صحافی، یگانہ ادیب اور صاحب طرز شاعر تھے وحدت الوجود کے سلسلے میں کہتے ہیں۔

وہ جس کی شان ہے لَیسَ کَمِثلِہٖ شیءٌ" — چھپا بھی ہے تو سرا پردہ ظہور میں ہے
برنگِ دور قمر جلوہ اس کی قدرت کا — کبھی سنین میں ہے اور کبھی شہود میں ہے
کبھی کبھی ہے وہ اوجِ شعیر پر تاباں — کبھی کبھی وہ خراماں سوادِ طور میں ہے

علی سکندر جگر مراد آبادی (۱۸۹۰ء-۹ ستمبر ۱۹۶۰ء) داغ کے شاگرد تھے- وحدت الوجود کے سلسلہ کے یہ اشعار دیکھیں۔

کرشمے ذات و صفات کے ہیں جمالِ قدرت دکھا رہے ہیں
کہ ہر تصور سے دور رہ کر وہ ہر تصور میں آ رہے ہیں
کرشمے ہیں حسنِ بے جہت کے فسوں ہیں چشم مناسبت کے
اِدھر سے دیکھو تو آ رہے ہیں اُدھر سے دیکھو تو آ رہے ہیں

سیّد احمد حُسین امجد حیدر آبادی (۱۸۸۶ء-۱۹۶۱ء) کی شہرت کا باعث ان کی رُباعیات میں جو اعلیٰ متصوفانہ خیالات کے ساتھ ساتھ مہارتِ فن کا عمدہ نمونہ ہے۔

کُھلا آج اسرار وحدت کا دفتر — نمایاں ہوا کنز مخفی کا دفتر
یہ معصوم بندہ ہے یا بندہ پرور — عجب ننھی ہستی ہے اللہ اکبر

سیّد محمد طاسین ذہین شاہ تاجی (۱۹۰۲ء-۲۳ جولائی ۱۹۷۸ء)، دورِ حاضر کے سب سے بڑے شارح وحدت الوجود- فصوص الحکم کی شرح بھی لکھی- وحدت الوجود پر ماہنامہ تاج کراچی میں قسط وار مضامین لکھے- بلند پایہ شاعر اور مقرر مجموعہ کلام آیاتِ جمال جس میں حسن و عشق، وجود و شہود، علم، عالم اور معلوم سب یکجا نظر آتے ہیں- ڈاکٹر جمیل جالبی ان کے بارے میں لکھتے ہیں:

''کثرت میں وحدت اور وحدت میں کثرت- غور سے پڑھنے پر ہر شعر میں ایک بات، ہر بات میں ایک نکتہ- ہر نکتہ میں ایک تجربہ اور ہر تجربہ میں وارداتِ قلبیہ کی جلوہ فرمائی نظر آتی ہے'' (۲۸)

میں نہیں میں، نہ آج تم ہو تم — ہو گئے ایک طالب و مطلوب
عشق تنہا حقیقتِ عالم — یہ حقیقت مجاز سے محجوب
تم ہی تم ہوتے ہو میرے سامنے — سوچتا ہوں جب کبھی میں کون ہوں
دام خود آگہی میں زمانہ چھپا ہوا — پھیلا ہوا درخت ہے دانہ چھپا ہوا

=====☆=====

پنجابی:

حمید اللہ ہاشمی کے مطابق پنجابی دنیا کی قدیم زبانوں میں سے ایک ہے- پنجابی، پنجاب سے ماخوذ ہے جس کا مطلب ہے پانچ دریاؤں کی سرزمین- پنجاب میں آریائی قوم ۱۵۰۰ اور ۲۰۰۰ ق م کے درمیانی عرصہ میں حملہ آور ہوئی، اس وقت یہاں کے باشندے جو بولی بولتے تھے اُسے پنجابی کی قدیم ترین صورت کہا جا سکتا ہے- سنسکرت، پراکرت اور اردو وغیرہ دراصل پنجابی کی ابتدائی شکلیں ہیں- بعد میں عربی اور فارسی کے اثرات سے یہ علیحدہ زبان اختیار کر گئی- (۲۹)

پنجابی زبان ابتداء ہی سے ولیوں اور صوفیہ کی گود میں پلتی بڑھتی شروع ہوئی- تصوف اور خاص طور پر وحدت الوجود کے مضامین کا ذخیرہ جتنا پنجابی شاعری میں ہے اتنا دنیا کی کسی اور زبان میں شاید ہی ہو-

فرید الدین مسعود گنج شکرؒ (۵۶۹ھ/ ۷۵-۱۱۷۳ء-۶۶۴ھ/ ۱۲۶۵ء)، المعروف بہ بابا فریدؒ کو پنجابی کا پہلا شاعر تسلیم کیا جاتا ہے- انسان کی بے چارگی، کم مائیگی اور دنیا کی بے ثباتی کے علاوہ تصوّف کے مختلف مضامین بھی ان کے کلام میں شامل ہیں- ان کا یہ اشلوک وحدت الوجود کا ترجمان ہے:

فریدا رتی رَت نہ نکلے جے تن چرے کوء   جو تن رتے رب سیو تِن تَن رت نہ ھوء

رتی بھر خون بھی نہیں نکلے گا اگر (ان عشاق کا) بدن کوئی چیرے- جو بدن (مراد انسان) رب کے رنگ سے رنگا گیا- اس بدن میں خون نہیں ہوتا'' (۳۰)

شاہ حسینؒ (۱۵۳۸ء-۱۵۹۹ء) ملامتی اور وجودی صوفی تھے- یہ اشعار پکار پکار کر انہیں وجودی ثابت کر رہے ہیں۔

اندر توں باہر توں روم روم وچ توں   توں ہی تانا توں ہی بانا سبھ کجھ میرا توں

کہے حسین فقیر سائیں دامیں ناہیں سبھ توں

(اندر بھی تُو باہر بھی تو، روئیں روئیں میں تُو، اللہ میرے حال کا محرم تُو! تُو ہے تانا تُو ہے بانا، سب کچھ میرا تو- کہے حسین فقیر اللہ کا میں نہیں تُو ہی تُو!) (۳۱)

حافظ سید حاجی محمد نوشہ گنج بخش قادریؒ (یکم رمضان المبارک ۹۵۹ھ/ ۲۱ اگست ۱۵۵۲ء- ۸ ربیع الاول ۱۰۶۴ھ/ ۱۷ جنوری ۱۶۵۴ء) کی شعری تصنیف گنج شریف سے یہ وجودی شعر دیکھیں۔

جتھے ویکھاں کھو ویکھاں کھو جتھے کتھے   لامکان فی النفس پائے اوتھے اتھے

(ہر جگہ اور ہر کہیں ایک ہی نظر آتا ہے- یہاں، وہاں، مکاں ولامکاں اور انسانی وجود میں بس وہ ہی نظر آتا ہے)

سلطان العارفین سلطان باہوؒ (۱۶۲۹ء-۱۶۹۱ء) پنجابی کے عظیم شاعر، عالم دین، صوفی باصفا- وحدت الوجودی خیالات اُن کی شاعری میں کثرت سے ملتے ہیں۔

الف احد جد دتی وکھالی از خود ہویا فانی ھو
قرب وصال مقام نہ منزل ناں اوتھے جسم نہ جانی ھو
نہ اوتھے عشق محبت کائی نہ اوتھے کون مکانی ھو

عینوں عین تھیوسے باہو سرّ وحدت سُبحانی ہو

اس بیت کا منظوم اردو ترجمہ مسعود قریشی یوں کرتے ہیں ۔

احد کا جلوہ دیکھے تو پھر خود میں رہے انسان کہاں
قرب وصال مقام و منزل کیسے جسم و جاں کہاں
عشق و محبت دعوے بے جا حد کون و مکان کہاں
پردہ چشم اٹھا تو باہو دوئی کا امکان کہاں

(۳۲)

شاہ مراد کے کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ وحدت الوجود کے قائل تھے ۔

ہکو سائیں سہنیں ناہیں کیہڑا ناووں صلاحیں میں
کیہڑے نوں جپاں ے تجاں کیہڑے نوں ہر اک تھیں بل جائیں میں
چھڈ ذکراں تے سمرن چھوڑاں ذات نال نیہوں لائیں میں
شاہ مراداجاں آپ گنوائیں تاں سائیں نوں پائیں میں

ماجد صدیقی اس بیت کا اردو ترجمہ یوں کرتے ہیں:

اک سائیں کے نام ہزاروں کون سا نام سرا ہوں میں
کس کو چھوڑوں جیتے جی اور کس کو اب اپناؤں میں
ذکر سبھی چھوڑوں اور اس کی ذات سے پریت لگاؤں میں
شاہ مراد گنواؤں خود کو وہ سائیں تب پاؤں میں

(۳۳)

بلھے شاہ (۱۱۰۳ھ/۱۶۹۲ء۔ محرم ۱۱۷۱ھ/ستمبر ۱۷۵۷ء) پنجابی کے شہر آفاق شاعر جتنے بڑے شاعر اتنے ہی بڑے وجودی صوفی۔ احدیت کو جس شدت کے ساتھ بلھے شاہ نے بیان کیا ہے شاید ہی کسی صوفی شاعر نے ایسا کیا ہو۔ شیخ الاکبر کے ”حقیقتہ محمدیہ“ کی بلھے شاہؒ نے انتہائی نفیس اور لطیف تفسیر کی ہے۔

سیّو مَن میں ساجن پائیونی ہر ہر دے وچ سمائیو نی

احد احمد دا گیت سنائیو ہر دے وچ اک میم رکھائیو
انــا احــمــد ہوں پھر فرمائیو پھر نام رسول دھرائیو نی
فثــم وجــــہ اللہ نور تیرا ہر ہر کے بیچ ظہور تیرا
ہے الانســــان مذکور تیرا اتھے اپنا سر لوکائیو نی
ہر مظہر وچ اوہا دِس دا اندر باہر جلوہ جس دا

(سہیلیو مجھے ساجن مل گیا وہ ہر اک میں سما گیا- احد کے نغمے میں میم رکھ دیا- انا احمد کہہ کر پھر رسول کا سوانگ بھرا ہر جگہ اُسی کا نور و ظہور ہے اُسی نے خود الانسان کہا اور اپنا راز مخفی رکھا اور ہر مظہر میں وہی نظر آتا ہے اندر باہر اُسی کا جلوہ ہے)

وارث شاہ (۱۷۲۱ء-۱۷۸۶ء) ہمہ اوست کے قائل تھے اور وحدت الوجود اور ویدانت کے بنیادی فرق کو سمجھتے تھے ۔

بچہ سنو اس وچہ قلبوت خاکی سچے رب نے تھاؤں بنایائی
وارث شاہ میاں ہمہ اوست جانے سرب موئے بھگوان وسایائی

وہ صاحب حال صوفی اور تصوّف و عرفان کی منازل سے واقف تھے اور وحدت الوجود میں یقین رکھتے تھے: ۔

وارث شاہ یقین دی گل ایہا سَمھا حق ای حق ٹھہرایا جی
(۳۴)

وحدت الوجود کا جو تصوّر علی حیدر (۱۱۰۱ھ/۱۶۹۰ء -۱۱۹۱ھ) کے ہاں ہے اس کی بھرپور نمائندگی یہ اشعار کرتے ہیں ۔

م محمد کُن بنایا، کن بنائی وحی او یار
اربع عناصر بُت بنا کے وچ اوہدے وڑ بہیں او یار
میں ہاں لوہا توں ہیں پارس نال اساڈے کہیں او یار
علی حیدر ایہہ گنج وحدت والے بس بھی ہوندے نہیں او یار

(کُن کے ذریعے محمدؐ، وحی، اربعہ عناصر اور بُت بنا کر خود اُس میں بیٹھ گیا- میں لوہا ہوں اور تو پارس ہے ہمارے ساتھ ساتھ رہنا- اے علی حیدر یہ وحدت کا سلسلہ کبھی ختم ہونے کا نہیں)

(۳۵)

ہاشم شاہ (۱۱۴۸ھ/ ۸ دسمبر ۱۷۳۵ء-۱۲۵۹ھ/ ۲۰ اکتوبر ۱۸۴۳ء) کا یہ دوہا دیکھیں جس میں وجودی رنگ نمایاں ہے۔

دل توں ہیں دلبر توں ہیں اتے دید توں ہیں دُکھ تیر
نیندر بھکھ آرام تو ہیں اتے تیں دن جگت اندھیرا
نین پران حیاتی تُوں ہیں توں ہیں تکیہ ڈیرا
ہاشم سانجھ تساڈے دم دی ہور وسدا ملک بتیرا

(دل تُو ہے دلبر بھی تُو' تُو دید ہے' دکھ بھی تیرا
خواب خیال آرام بھی تُو بن تیرے جگت اندھیرا
ہوش حواس حیات بھی تُو ہے تُو منزل تو ڈیرا
ہاشم زیست ہے تیرے دم سے بسے یوں تو دیس بہترا)

(۳۶)

پیر محمد شاہ (المتوفی ۱۸۸۴ء) کی شاعری کے بنیادی موضوعات مذہب' اخلاق' تصوف اور انسانی زندگی کی سچائیاں ہیں۔

اسم تیرا وچ جسم میرے گیا مثل اکسیر دے دھس' ہیرے!
جاگے بھاگ میرے' بھاگے دکھ میرے بھاویں سد صرافاں نوں دس ہیرے
بدن گل کے چاندی دے مل ہویا رس رس ہوئی نس نس ہیرے!
محمد شاہ لوہا' سونا تد ہوندا' پارس نال جاندا جدوں گھس ہیرے!

(تمہارا نام میرے وجود میں اکسیر کی طرح شامل ہو گیا اور یوں میرے دکھ دور ہوئے اور بخت جاگ گئے جس طرح لوہا پارس سے مس ہو کر سونا بن جاتا ہے اُسی طرح میں تجھ میں شامل ہو کر وہی کچھ بن گیا ہوں جو کچھ کہ تُو ہے- میرا اپنا کوئی وجود نہیں رہا) (۳۷)

مولوی غلام رسول عالمپوری (۱۲۶۴ھ-۷ شعبان ۱۳۰۹ھ/ ۱۸۴۷ء-۷ مارچ ۱۸۹۲ء)

احسن القصص ان کی شاہکار تصنیف ہے جس میں انہوں نے عشق و تصوف کو مقامی ثقافت کے

حوالے سے علامتی انداز میں پیش کیا۔ مولوی صاحب عکس اور صاحب عکس کے حوالے سے وحدت الوجود کے نکتہ کو یوں سمجھاتے ہیں۔

عاکس عکسوں ہر جا اقرب اس دی ذات احوالوں
اوہ اقرب تھیں اقرب جس تھیں شورش حسن جمالوں

(۳۸)

میاں محمد بخش (۱۲۴۶ھ/۱۸۲۶ء-۱۳۲۲ھ/۱۹۰۷ء)۔ کے وحدت الوجودی تصور حسن کے مطابق اللہ تعالٰی کی ذات ہی حُسن مطلق اور حسنِ ازل ہے اور انسانوں سمیت کائنات کے سارے مظاہر میں اسی حسنِ مطلق حسنِ ازل کا پرتو ہے:

☆ جلوہ حسن گھنے دا دسدا ہر وچ ہر دا پھیرا — اینویں ٹھیں محمد بخشا دل دا حسن لٹیرا
☆ جے کر صورت وچ نہ ہوندا مالک آپ دلاں دا — غیبوں چھک مہار دلاں دی کیہڑا جیو ملاندا
☆ ہر ہر وچ نہ ہوون جے کر ہر دے روپ سانے — دانش منداں دا دل ٹھگن کد معشوق ایانے
☆ توڑے بہتے روپ دسیون توڑے تھوڑے — اصل اندر سبھ ہوون گے ندیوں نیر وچھوڑے

(ہر شے میں حسنِ ازل کا جلوہ ہے ایسے ہی حُسن، دل کو نہیں لوٹ لیتا۔ اگر وجود حقیقی جو دلوں کا مالک ہے ہر صورت میں نہ ہوتا تو غائب سے کون ملاتا ہے۔ اگر ہر چیز میں اُس کے حسن کی کارستانیاں نہ ہوتیں تو معصوم اور نادان معشوق دانشمندوں کو یوں طرح نہ دیتے۔ اگر چہ اُس کے روپ بہت ہیں مگر اصل میں وہ ایک ہی ہے)

احمد علی سائیاں (۱۸۲۶ء-۱۹۱۹ء) کہتے ہیں۔

اک نے بے انت یکسان کیتے دلے اک نے سمایا اسرار اک دا
ہر ہر صفت موصوف ہر صفت سی اے ذات اک تے اسم ہزار اِک دا

(خالق واحد نے لاتعداد لوگوں کو یکساں کیا اور ہر ایک دل میں اُس واحد کے اسرار سمائے۔ اللہ تعالٰی ہر ہر صفت سے موصوف ہے۔ اُس کی ذات واحد ہے لیکن صفاتی اسم ہزاروں ہیں)

میاں ہدایت اللہ (۱۸۳۸ء-۱۲ جنوری ۱۹۲۹ء) من میں ڈوب کر سراغ وحدت پانے کا مشورہ یوں دیتے ہیں۔

اکھیاں کھول کے ویکھ مورکھ جیہنوں ڈھونڈ نا ہیں تیتھوں دور ناہیں
شاہ رگ تھیں بہت نزدیک ہے اوہ تیرا اپنا قلب حضور ناہیں
چام چٹھ وانگوں انھا آپ ہویوں آفتاب دا کجھ قصور ناہیں
پردہ غفلت دا پیو ہدائت اللہ تاہیں نٔدھ نوں دِسدا نور ناہیں

(۳۹)

(اے مورکھ! جسے تو ڈھونڈ رہا ہے آنکھیں کھول کے دیکھ وہ تو تیری رگ جاں سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ تو خود اندھا آفتاب کا کوئی قصور نہیں غفلت کا پردہ پڑ گیا ہے اس لیے تجھے روشنی نظر نہیں آتی)

محمد بوٹا گجراتی (۱۸۵۱ء-۱۹۳۰ء) کے پنج گنج میں تصوف کے مضامین ملتے ہیں۔

رانگلے عشق رنگ لکھاں جنہوں ویکھ کے رنگ جہان ہوئیا
کِتے بُلبلاں وانگ اوہ کرے نالے کِتے گُل اندر بوستان ہوئیا
کِتے جال کے انگ پتنگ بن دا کِتے ساڑ سرنوں شمع دان ہوئیا
کِتے بوٹیا چمک دا چن وانگوں کِتے وانگ چکور قربان ہوئیا

(۴۰)

(عشق کے جہاں میں ہزاروں رنگ ہیں کہیں بلبل کہیں باغ و پھول کہیں پروانہ کہیں شمع، کہیں چاند اور کہیں چکور کی صورت جلوہ گر ہے)

پیر مہر علی شاہ (۱۴ اپریل ۱۸۵۹ء-۱۱ مئی ۱۹۳۷ء) کو فلسفہ وحدت الوجود پر عبور حاصل تھا۔ وجدانی طور پر ہی اس کے قائل تھے۔ برسوں شیخ الاکبر کی کتب فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ کا درس دیتے رہے۔ (تفصیل پہلے آچکی ہے) ان کی شاعری اور خاص کر پنجابی شاعری وجودی رنگ میں رنگی ہوئی۔ یہ نمائندہ شعر دیکھیں ۔

ایہہ صورت ہے بے صورت تھیں، بے صورت ظاہر صورت تھیں
بے رنگ دسے اس مورت تھیں وچ وحدت پُھٹیاں جد گھڑیاں

سائیں مولا شاہ (۱۸۶۷ء---۴۲ یا ۱۹۴۱ء) کے کلام میں دنیا کی بے ثباتی، توکل، استغنا،

فنا' معرفت' عشق اور وحدت الوجود کے موضوعات ملتے ہیں۔ بُلھے شاہ سے متاثر نظر آتے ہیں:

میں کیہہ جاناں' تینوں خبراں　　الف لام میم زیراں زبراں

نہ مڑھ تدن نہ سن قبراں　　نہ پانی نہ آتش ابراں

بولی الست بولی تینوں یاد نہ دے(۴۱)

(مجھے نہیں معلوم لیکن تمہیں سب معلوم ہے سب حروف ومعنی۔ جب آغاز تھا نہ انجام نہ
پانی نہ آگ نہ ابر نہ ہوا تجھے تو اس وقت کا بھی پتہ تھا اس وقت میں نہ تھا صرف تو ہی تو تھا)

سید قطب علی شاہ سندھیالیاں والی تحصیل کمالیہ میں ۱۹۰۶ء میں پیدا ہوئے۔ قادری سلسلہ کے بزرگ تھے۔ اسرار معرفت تصوف کے اسرار ورموز پر مشتمل اور مناظرہ هیرو قاضی پنجابی کلام ہے۔ دیگر کئی ملفوظات کی کتب بھی ہیں۔ ۱۳۴۶ھ/نومبر ۱۹۶۷ء میں وفات پائی۔

نحن اقرب خود فرمایا ایہو گھنڈ لہیوے

قطب علی شاہ بُت خانے چوں ہر دم یار دسیوے

(اگر نحن اقرب والا پردہ اتار دیجیے تو اے قطب علی شاہ بُت خانے سے ہر وقت دیدار یار ہوگا)

پیر فضل گجراتی (یکم جنوری ۱۸۹۶ء۔ ۱۹۷۳ء) کے کلام میں تصوف اور فلسفہ وحدت الوجود کا رنگ جھلکتا ہے ۔

کتے ڈھونڈیے تے کتے ڈھونڈیے نہ' گل کوئی نہ سمجھ دے وچ آوے

ہین ہر تھاں ڈیرہ لا بیٹھے نالے آکھدے نیں کوئی تھاں میری

(سمجھ میں نہیں آتا کہ کہاں تلاش کریں وہ ہر جگہ ہے لیکن کہتے ہیں کہ اس کا کوئی مکاں نہیں)

دائم اقبال دائم (اپریل ۱۹۱۹ء۔ ۱۹۸۵ء) نے وحدت الوجود کے نام سے بھی ایک منظوم رسالہ لکھا۔ وہ وجودی صوفیا کے گروہ سے متعلق تھے۔ انہوں نے وحدت الوجود کو اپنی شاعری میں جگہ جگہ پیش کیا ہے مثلاً یہ اشعار دیکھیں ۔

دوئی فتنہ فساد اے احوالاں دا جیہڑا اول اوہا اخیر وی اے

جیہڑا خالق اوہا مخلوق وی اے جو مصور اے اوہا تصویر وی اے

حسن عشق وی اے' عشق حسن وی اے جو معمار اے اوہا تعمیر وی اے

آپے طالب تے آپے مطلوب دائم آپے بادشاہ آپے فقیر وی اے

(وہی اول و آخر، وہی خالق وہی مخلوق، وہی مصور وہی تصویر، وہی حسن، وہی عشق، وہی معمار وہی تعمیر، وہی طالب وہی مطلوب، خود ہی بادشاہ اور خود ہی فقیر۔ دوئی تو محض فساد ہے)

عصرِ موجود کے صنفِ کافی اور وحدت الوجود کے سب سے اہم شاعر ڈاکٹر شہزاد قیصر ہیں جن کے اب تک پانچ مجموعہ ہائے کلام شائع ہو چکے ہیں جو تمام کے تمام وحدت الوجود کی توجیہہ و تفسیر ہیں ان کے ایک مجموعہ کلام تلاوتِ وجود سے چند اشعار

ہر ہر شے وچ یار دا جلوہ اتھاں یار نہیں محصُور
اڑیے ہک دا دُوجا کوئی نہ پڑھ اَحد دا دستور
ہمہ اوست مشاہدے باجھوں ہر سُو فسق فُجُور
لَا دوئی دا کلمہ طیّب پئے پڑھدے آپ حُضورؐ
میراںؔ اِتھ رَکہہ گلاں کھولاں جتھ سوچ فکر معذور

(۴۲)

(یہاں ہر شے میں اُسی کا جلوہ ہے وہ محصور نہیں ہے احدیت کا قانون پڑھ تو تجھے معلوم ہو کہ یہاں دوسرا کوئی نہیں ہمہ اوستی نگاہ کے بغیر جو کچھ دیکھو گے وہ محض فسق و فجور ہوگا۔ حضور ﷺ نے خود لا پڑھ کر دوئی کی نفی کی ہے۔ اے میراںؔ میں کیا بتاؤں یہاں تو فکر و سوچ بھی معذور ہے)

=====☆=====

سندھی:

سندھی ادب کی ابتدائی تاریخ کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ سندھ کے باکمال شعراء اس دور میں ہندی شاعری سے متاثر تھے۔ دوسری روائت جو سندھی شاعروں نے ہندی سے لی وہ جوگ کا تصور اور جوگ کے متعلق مضامین تھے۔ اس طرح سندھی ادب اور ثقافت میں صوفیانہ افکار اقدار کو بنیادی حیثیت حاصل ہوگئی اور تصوّف سندھی شاعری کا بُنیادی موضوع بن گیا۔

شاہ عبدالکریم بلڑی والے سندھی زبان کے بہت بڑے شاعر گزرے ہیں- ۱۵۳۷ء میں ان کی ولادت ہوئی اورانہوں نے ۱۶۳۲ء میں وفات پائی - وہ سندھ کے عظیم شاعر حضرت شاہ عبداللطیف بھٹائی کے پردادا تھے اُن کے ملفوظات میں اقوال کے ساتھ سندھی اشعار بھی ملتے ہیں- اقوال اورابیات دونوں میں صوفیانہ خیالات کی وضاحت ملتی ہے خاص طور پر ابن عربی اور وحدت الوجود کا اثر نمایاں نظر آ تا ہے ۔

پاڻ ئي سُلطان ٗ پاڻ ئي ذی سنيهڙا
پاڻ کر پاڻ لهي ٗ پاڻ سڃاڻي پاڻ
سوئي هينانهن ٗسوئي هو ڏانهن ٗ سوئي من وسي
تنهين سنڌي سو جهڙي ٗ سوئي سو وسي

(یعنی وہی بادشاہ ہے وہی پیغام بھیجتا ہے اس نے خود کو تلاش کیا ہے اور خود کو ہی پہچانتا ہے وہی یہاں اور وہاں ہے وہی من میں بسیرا کیے ہوئے ہے اور وہی اپنی روشنی سے ہر جگہ قائم ہے)
(۴۳)

شاہ کریم کے بعد شاہ لطف اللہ قادری اور شاہ عنائت رضوی بلند پایہ صوفی شاعر گزرے ہیں جنہوں نے سندھی شاعری کو نیا اسلوب اور نیا انداز دیا۔شاہ لطف اللہ قادری (وفات ۱۰۹۰ھ/۱۶۷۹ء) کا یہ وجودی شعر دیکھیں ۔

ڀِڪي ادري نه پَري نَڪِي وِچ نه ڀاند
پرينءَ ڀائهي پاڻ سين هئڻ، هيڪاند
نَکو وِچ نه ويساند ٗ مروئي مُطلَق سو

(یعنی خداتعالٰی کی ذات نزدیک ہے اور نہ دور ہے نہ تو درمیان میں ہے اور نہ ہی فاصلے پر- محبوب حقیقی تو آپ میں ہی موجود ہے اور اس کا وجود بڑے زور کے ساتھ موجود ہے- وہ نہ تو درمیان میں ہے اور نہ ہی کسی فاصلے پر ہے وہ مطلق ہے)

خواجہ محمد زمان لُنواری (۲۱ رمضان المبارک ۱۱۲۵ھ/۱۷۱۳ء -- ۴ ذوالعقد ۱۱۸۸ھ/۱۷۷۴ء) شاہ لطیف کے ہمعصر اور فیض یافتہ تھے- تصوف میں وجودیت کے قائل تھے اور اسی

فکر کو یوں پیش کرتے ہیں ۔

صُورت معني وچ م كو نهي وچ وچا
هو نه سيحابي هن ري هي مور نه موجودا
كتي جَوهر كونجي كتي عرض آهه
حقيقت هيكاڻ پر نالن متوناه كو

(یعنی صورت اور معانی (ذات اور صفات) میں کوئی بھی فرق نہیں ہے- صفات کے بغیر ذات کو پہچاننا مشکل ہے- اصل میں وہی ذات ہے جو صفات میں موجود ہے اسے کہیں جوہر کہتے ہیں اور کہیں عرض کہا جاتا ہے- حقیقت یا ذاتِ واحد تو صرف ایک ہے لیکن اس کے نام لامحدود ہیں)(۴۴)

شاہ عبداللطیف بھٹائی ۱۶۹۰ء/۱۱۰۱ھ میں موجودہ ضلع حیدرآباد کے تعلقہ ہالہ میں پیدا ہوئے- ۱۴صفر ۱۱۶۵ھ/۱۷۵۲ء کو وفات پائی- شاہ کے کلام میں تصوف پسندی کو بڑا دخل ہے- ڈاکٹر انی میری شمل کا کہنا ہے کہ شاہ عبداللطیف وحدت الوجود کے قائل ہیں اور اُن کے ہر قصے کی تان اسی پر ٹوٹتی ہے-(۴۵)

هوت تنهجني هنج م پچن كهه پرياٺ
ونحن اقرب اليه من حبل الوريد تنهنجو ترهين ساٺ
پنهنجو آهي آهي پاٺ آز و عبيين كي

(تمہارا محبوب تمہارے ہی پاس ہے تم کیوں اس کی تلاش کر رہے ہو بلکہ وہ تو تمہاری شہ رگ سے بھی قریب ہے)(۴۶)

سچل سرمستؒ (۱۷۳۹ء--۱۸۲۶ء) کو شاعر ہفت زبان بھی کہتے ہیں- شاہ کے بعد سندھی کے سب سے بڑے شاعر مانے جاتے ہیں- ڈاکٹر عبدالحمید میمن سندھی لکھتے ہیں:

موضوع کے اعتبار سے سچل سرمست کا کلام ہمہ اوست اور منصوری مسلک (اناالحق) کا ترجمان ہے- وحدت الوجود کا فلسفہ یوں سمجھاتے ہیں ۔

سب ڪَهن ٻار پرين جو پر تو خوابون عين كلايو

وحدت مول و ڪثرت ڪيائين رنگي رنگ رچايو
توں ماں جي پردے موں باھر سر تيوں چو نہ ستدايو
طرحين طرحين پوشاڪان پهري لالن پاں لڪائيو

(ہر سو اور ہر جہت محبوب کا جلوہ ہے جس نے نیند سے آنکھیں کھلوا دی ہیں- وحدت سے کثرت کر کے عجب رنگ رچایا ہے- اے سکھیو! مَن تُو کے پردے سے باہر آ کر کیوں نہیں دیکھتی ہو محبوب نے قسم قسم کے لباس پہن کر اپنے آپ کو چھپا لیا ہے)(۴۷)

قادر بخش بیدل (۱۸۱۴ء-۱۸۷۲ء) بہت بڑے عالم اور سندھی کے صوفی شاعر تھے- فارسی، اردو، عربی، ہندی، سندھی اور سرائیکی میں طبع آزمائی کی- پانچ زبانوں پر مشتمل اس مخمس میں وحدت الوجود کا مضمون کس خوبصورت انداز اور فنی پختگی سے باندھا گیا ہے ۔

لیس فی الدارین الا ھو ھو الحق المبین (عربی)
اوست جسم و اوست جان و اوست افلاک و زمین (فارسی)
وہ ہے روح اللہ مریمؑ ہے وہ ہی روح الامین (اردو)
ہر طرف اُسدا تماشا کیا مع و کیا اہلِ دین (سرائیکی)
سب صفت م کیو ظهور و یار جانيءَ دلربا (سندھی) (۴۸)

بیسویں صدی کے چند سندھی شعراء کا کلام جن میں وجودی اثرات نمایاں ہیں-

صوفی صدیق فقیر ۔

وحدت وعظ جن جوَ تن الله منجھ اکين
فاني تيا فی الله م مات مطالع ڪن
پهتا سي پرينَ لڪي لوڪ نه سگهيو

(وحدت جن کا ورد ہے ان کی آنکھ میں اللہ وہ فنا ہو گئے اللہ میں، خاموشی ان کا مطالعہ ہے انہوں نے اپنے محبوب کو پالیا، لوگ اُنہیں پہچان نہ سکے)(۴۹)

محمد بچل عرف محبوب سروری کہتے ہیں۔

جي مسجدم رهين تو تون نه ميخانن م ڪير آهي

بـنـايـو گهـر تـو کـعبـي کـی نه بُت خانن م کير آهي
نتـو سـمـجهـان سبـا جهـا سـائيـن توکی مان کتي گوليان ؟
خـرد وارن م تـون آهيـن تـه ديـوانن م کيـر آهـی
وڏي ڏاڙهـي عـصـا تسبيـح، دستــارم آهيــن
تــه پــو، معـصـوم دل پـارن، مستانن م کير آهي ؟

(اگر تو مسجدوں میں رہتا ہے تو پھر بت خانوں میں کون ہے؟ اگر تیرا گھر کعبہ ہے تو پھر بُت خانوں میں کون ہے؟ میری سمجھ میں نہیں آ رہا میرے محبوب کہ میں تجھے کہاں ڈھونڈوں؟ اگر تُو خرد والوں کے پاس ہے تو پھر دیوانوں کے پاس کون ہے اگر تُو لمبی داڑھی، عصا، تسبیح اور دستار میں ہے تو پھر معصوم بچوں اور مستانوں کے پاس کون ہے؟)(۵۰)

رحیم بخش قمر کہتا ہے۔

قـلـبِ سليم بيشك بيـت الـكرام آهي !
ويـجهـو "وريـد" كــان پـن دلبـر دوام آهي

(بے شک قلب سلیم بیت الکرام ہے۔ ہمارا دلبر شہ رگ سے بھی قریب تر ہے)(۵۱)

=====☆=====

سرائیکی:

موجودہ سندھی زبان کا ادب کھنگالیں تو اس کے قدیم ادب پر موجودہ سرائیکی زبان کے اثرات غالب ہیں اس لیے قدیم سندھی ادب کو سرائیکی ادب کہنا زیادہ موزوں ہوگا جیسا کہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند کی چودھویں جلد میں سرائیکی ادب کے ضمن میں لکھا ہے کہ:

"خیال کیا جاتا ہے کہ موجودہ سندھی ۱۱۰۰ء کے لگ بھگ سرائیکی سے علیحدہ ایک مستقل زبان بن گئی اس لیے پُرانی سندھی تحریریں سرائیکی سے بڑی مماثلت رکھتی ہیں۔ غرض یہ کہ سرائیکی زبان دوسری ہم عصر زبان سندھی کا ادب بھی زیادہ سے زیادہ ۱۴ویں صدی عیسوی کے نصف آخر تک کا ملتا ہے بس"(۵۲)

شاہ شمس سبزواریؒ اور حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ (۱۱۸۳ء - ۲۱ دسمبر ۱۲۶۲ء) کے

ملفوظات میں چند اشعار ایسے ملتے ہیں جن میں مروجہ سرائیکی کے الفاظ موجود ہیں اسی طرح حضرت سلطان العارفین سلطان باہو قدس سرہ العزیز اور علی حیدرؒ کا کلام زیادہ تر سرائیکی لہجے میں ہے۔ حضرت سچل سرمست (۱۷۳۹-۱۸۲۶ء) جنہیں شاعر ہفت زبان بھی کہتے ہیں انہوں نے سندھی کے علاوہ سرائیکی میں بھی شاعری کی- یہاں اُن کی ایک سرائیکی کافی درج کی جاتی ہے- جو وحدت الوجود اور ہمہ اوست میں ڈوبی ہوئی ہے ۔

اساں ناں کہیں دے جائے ہیوں — اساں ناں کہیں دے بنائے ہیوں
چھوڑ افلاک زمین تے آیا — عرش کرسی وچ آپ سمایا
ایڈوں دا وت پوسے رایا — اساں اڑیں خوشی سوں آئے ہیوں
اصل آہس لا مکانی — اتھاں آکر ہویس مکانی
تکیہ جوڑ کیتم انسانی — صورت سب سمائے ہیوں

(ہم نہ کسی سے پیدا ہوئے ہیں اور نہ کسی کے بنائے ہوئے ہیں- افلاک کو چھوڑ کر زمین پر آیا اور عرش و کرسی میں بھی آپ سمایا ہوا ہوں- ادھر آنے کا شوق پیدا ہوا اور اس دنیا میں اپنی خوشی سے آیا ہوں- اصل میں لامکانی تھا اور اس دنیا میں آ کر مکانی ہو گیا ہوں- انسان کو اپنا مظہر بنایا اور ہر صورت میں جلوہ گر ہوں)(۵۳)

خوش خیر محمد ہسبانی (۱۸۰۹ء-۱۸۷۷ء) کے یہاں عشق اور صوفیانہ رومانویت کا اظہار ملتا ہے-

اتھاں ذات صفات دا ٹل بلے — نَحۡنُ اَقۡرَبُ آپ الیندا اے

(یہاں ذات صفات کی دھوم ہیں اور نحن اقرب تو اُس نے خود کہا ہے)

خواجہ غلام فریدؒ (۱۸۴۱ء-۱۹۰۱ء) شیخ الاکبرؒ کو اپنا مرشد اور ہادی مانتے ہیں اور وحدت الوجود ایک داخلی اور باطنی تجربہ بن کران کی شاعری میں داخل ہوا ہے- وہ اغلباً بلھے شاہ کے بعد اس فکر کے سب سے بڑے مبلغ ہیں ۔

سوہنڑے یار پنل دا ہر جا عین ظہور — اول آخر ظاہر باطن اُس دا جان ظہور
آپ بنے سلطان جہان دا آپ بنے مزدور — تھی مشتاق پھرے وچ غم دے واصل تھی مجہور

(حقیقی خوش جمال محبوب کا جلوہ ہر جگہ ہر آن نظر آتا ہے- ازل سے ابد تک ظاہر اور باطن

میں ہر جگہ اُسی کی ہستی کا جلوہ ہے۔شہنشاہ بھی وہی ہے اور مزدور کی شکل میں وہی موجود ہے۔ خود ہی عاشق بے تاب بن کر غمزدہ سا پھرتا ہے گویا اُسے وصال بھی حاصل ہے مگر وہ ہجر کی کیفیت سے بھی گزرتا ہے)

ایک اور جگہ کہتے ہیں ؎

ہے عشق دا جلوہ ہر ہر جا سُبحان اللہ سُبحان اللہ
خود عاشق خود معشوق بنیا سُبحان اللہ سُبحان اللہ

(ہر جگہ حضرتِ عشق جلوہ گر ہیں عاشق کے وجود میں اور معشوق کے روپ میں عشق ہی اپنا اثر ڈالتا ہے۔سُبحان اللہ کیا شانِ عشقِ حقیقی ہے)

خواجہ غلام فرید کے ایک مرید خواجہ محمد یار کا وجودی رنگ کچھ اس طرح کا ہے ؎

جتھاں ڈیکھاں جتھاں بھالاں جتھاں نظر نکاواں
جیں دے مونہہ کوں ول ول ڈیکھاں تیڈا مونہہ پکاواں
میں معدوم توں حاضر ناظر کتھا روپ چھکاواں
نازک اجھا یار قدیمی کیویں بکل لکاواں

(جدھر بھی بہ نظر غائر دیکھوں تُو ہی نظر آتا ہے۔ میں معدوم اور تُو حاضر و نازک ایسا کہ میں کہاں چھپاؤں)

فقیر غلام حیدر شر نے وجودِ حقیقی کو ہر جگہ پایا ہے، کہتے ہیں ؎

اے جگ سارا ڈھونڈھ رہی سے پاک پلیتاں جاہیں
ہر کہیں دے وچ وسدا ہے توں سُن اے میڈا سائیں
نَحنُ اَقرَب تینوں ڈیکھم سونڑاں سنج صباحیں
غلام حیدرا غیر کوں چھوڑیں نوبت نینہہ و جائیں

(اس جہانِ رنگ و بو میں، میں نے کوئی اچھی یا بُری جگہ نہیں چھوڑی جہاں تمہیں نہ ڈھونڈا ہو۔ اے میرے مالک! میری عرض سن یہ کہ تیری ذات ہر ایک میں سرائت کئے ہوئے ہے۔ قرآن کے ارشاد کے مطابق میں نے تجھے شہ رگ یعنی جان سے بھی زیادہ قریب دیکھا، صبح و

شام اے صاحب جمال- اے غلام حیدر! غیر کو چھوڑ دے' عشق کا نقارہ بجائے جا)

عاقل جوگی کی اس کافی کا ہر لفظ اس کے وجودی ہونے کی گواہی دے رہا ہے۔

سب صورت' صورت حق دی ہے　　کل قید کے مطلق دی ہے
سب صورت' صورت حق دی ہے
جو طالب نور حضور تھیا　　پی مے وحدت مخمور تھیا
چڑھ سولی اُتے منصور تھیا　　ایہا سولی تاں ناحق دی ہے
سب صورت' صورت حق دی ہے

(ہر صورت حق کی صورت ہے- وہ ذاتِ مطلق ہر ایک کو محیط ہے۔ جو بھی نورِ حضور کا طالب ہوا اور وحدت کی مے پی کر مخمور ہوا- وہ سولی پر چڑھایا گیا اور اُسے منصور بننا پڑا اور یہ سولی ''ناحق'' نے دی-)

کوٹ مٹھن کے نازک سائیں کا یہ شعر دیکھیں۔

جیں ول بھالاں جیں دو ڈیکھاں جتھاں نظر ٹکاواں
تیکوں جانڑاں تیکوں سمجھاں تیڈا روپ پکاواں

(جس طرف بھی نظر اٹھاتا ہوں جس طرف بھی دیکھتا ہوں جہاں بھی نظریں جماتا ہوں تجھی کو جانتا ہوں تجھے ہی سوچتا ہوں اور تیرا ہی تصور پختہ کرتا ہوں)

نوروز (المتوفی ۱۹۱۷ء) کہتے ہیں۔

شوق شراب محبت دیاں میکوں گھٹیاں یار پلائیاں
در میخانے وحدت والے سے سے چسیاں چائیاں

(مجھے میرے محبوب حقیقی نے شوق اور شرابِ محبت کے گھونٹ پلائے- میں نے مے خانۂ وحدت سے سیکڑوں لطف اٹھائے)

=====☆=====

پشتو:

بایزید انصاری اور اس کے خاندان نے پشتو کو صرف رسم الخط ہی نہیں دیا بلکہ اُنہی سے پشتو کی باقاعدہ شاعری کی بھی ابتداء ہوتی ہے۔ ارزانی، مخلص، مرزا خان انصاری اور دولت لوہانی کا تعلق اسی خانوادے سے ہے۔ ان میں مرزا خان انصاری کی شاعرانہ عظمت کو خوشحال خان خٹک اور رحمان بابا نے بھی تسلیم کیا ہے۔ انصاری مکتب کے شعراء کا موضوع تصوف ہے۔ یہ تمام شعراء وحدت الوجود پر ایمان رکھتے تھے اور انہوں نے جس طرح غزل میں اس نظریے کو سمویا اس کی نظیر پشتو ہی میں نہیں بلکہ دوسری زبانوں میں بھی نہیں ملتی۔ (۵۴)

مخلص اور ارزانی کے ساتھ ساتھ مرزا خان انصاری (بایزید انصاری کا پوتا) جس نے پشتو میں پہلا دیوان مرتب کیا اس نے پہلی مرتبہ پشتو غزل کو صوفیانہ خیالات بالخصوص نظریہ وحدت الوجود کے اظہار کا ذریعہ بنایا اور پشتو شعراء کے سرتاج رحمان بابا کے لیے راستہ ہموار کیا۔ (۵۵)
مرزا خان انصاری نے پشتو غزل میں تصوف کو جگہ دے کر ایسی راہ نکالی جس سے بعد کے شعراء نے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ (۵٦)

له وحدته د کثرت په ننداره شه — محبت ئے ترمیان راو رلا ماجرا
ولا هوت په قراری ئے تنهائی وه — وناسوت په بازار غبزدے چون چرا
عجیب تن په تن ئے خپله تماشا وه — په هر لوری دوه بیعه هم شرا
په رضائے واره چارے پوره کیبزی — هر صورت ئے نوے نوے اخترا

(وحدت سے باہر آ کر کثرت کے نظاروں میں محو ہو جا۔ یہ سب کچھ اُسی کی محبت کا ایک ماجرا ہے۔ لاہوت کے سکوت میں تنہائی تھی۔ ناسوت کے بازار میں گفتار کا ہنگامہ اور غوغا! ہر طرف اُسی کے لین دین کا بازار گرم ہے۔ اور ہر پیکر اس کا اپنا ہی نظارا ہے۔ اُسی کی خواہش اور مرضی سے ہر چیز کی تکمیل ہوتی ہے اور ہر لحہ نئی سے نئی اختراعات ظہور میں آتی ہیں)

پیر روخان کے مکتبہ فکر کا ایک اور شاعر دولت لوہانی جو میرزا خان انصاری کا شاگرد رشید تھا۔ اس نے بھی پشتو غزل کو تصوف کے آب و رنگ سے سنوارا۔ دولت لوہانی کو خوشحال خان نے اپنا ہم عصر کہا ہے۔ دولت لوہانی کہتے ہیں ؂

دمعشوق عاشق جامه و اغوندی راشی — عشق بلقی شاهد و مشهود بے کمان بودے

پرے مومن کافر ماهی چیندخ زیست کا　　　پاك دریاب بے حده لوئے بیپایاں یورے

دمجاز په ثوخادر کنبے ئے مخ پٹ کا　　　ددولت دزره انیس پټ عیاں دے

(دراصل یہ عاشق ہی ہے جو معشوق کا لباس پہن کر ظاہر ہوتا ہے۔ شاہد اور مشہود میں لاریب کوئی فرق نہیں۔ حقیقت کا دریاءِ بے پایاں تو ایک ہی ہے۔ مگر اس میں مومن، کافر، مچھلی اور مینڈک، سب کے سب مل جُل کر زندگی گزارتے ہیں۔ وہ مجاز کی چادر میں ہزار چھپا رہ مگر دولت کے دل کا انیس مخفی رہ کر بھی عیاں ہے) (۵۷)

خوشحال خان خٹک (۱۶۱۳ء-۱۶۸۹ء) نہ صرف مصنف و شاعر تھے بلکہ عالم فاضل اور قرآن، حدیث، فقہ، فلسفہ، منطق، طب، تاریخ، موسیقی، مصوری، فلکیات کے علاوہ شہسواری، تیغ زنی، نیزہ بازی، تیراندازی، پیراکی اور شکاریات پر بھی کامل دسترس رکھتے تھے۔ پشتو کے علاوہ فارسی، عربی وغیرہ بھی ۔۔۔ تھے۔ اپنے ایک شعر میں خوشحال خان کہتے ہیں۔

که مسجد کورے که دیر واره یودے نشته غیر
یوم بیا موند په سرخه کبں چه م و کُر در ره سیر

(مسجد اور دیر سب میں ایک ہی ہے۔ میں نے ہر شئے میں ایک ہی کو پایا ہے جب میں نے اپنے دل کی سیر کی)

رحمان بابا ۱۰۴۲ھ میں پشاور کے ایک قریبی گاؤں ''بہادر کلی'' میں پیدا ہوئے۔ ۱۱۱۸ھ میں وفات پائی۔ اُنہوں نے تمام داخلی اور خارجی مسائل تصوف ہی کی زبان میں بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ رحمان کی اس غزل میں ہمہ اوستی اور وجودی رنگ نمایاں ہے۔

په بنه، خوئی له بدخواهانو بے پروائم
به نرمئی لکه او بـه، داور سزائیم
وهر چاته په خپل شکل خد کندیبزم
آئینه غوندے بے رویه بے ریائیم
قناعت مے تر خرقے لاندے اطلس دے
پت د درست جهان شاه ظاهر کرائیم

دغـنـچـے پـه خـیـرپـه شل ژبـوخـامـوش یم
لـکـه بُـوی هـے پـه پتـه خـولـه کـویـائیم
هـم پـه دا سپـیـنـو جامر بـه معلـومیبزم
لـکـه ابـراهیـم کـوهـر میم هـم دریـائیم
دراز عـمـر مـے حـاصـل شـولـه راستـے
لـکـه سـر دے مـدام سبـز و تـازه پـائیم
کـه چـالار ذعـا شـقـئـے ده ورکـه کـرے
زه رحـمـان ذکـمـراهـا نـو رهـنـمـائیم

میں نیکی ہوں برائی کی جزا ہوں — ہوں پانی ' آگ کی لیکن سزا ہوں
میں اصلی شکل میں سب پر ہوں باہر — کہ آئینے کی صورت بے ریا ہوں
قناعت کی ہے اطلس زیر خرقہ — ہوں اندر شاہجہان باہر گدا ہوں
میں چپ ہوں غنچہء صد لب کی مانند — میں مثل بو خموشی میں صدا ہوں
نشانی ہے مری یہ اُجلا ملبوس — میں دریا کی طرح دل کا کھرا ہوں
صداقت سے درازی عمر کی ہے — مثالِ سرو میں دائم ہرا ہوں
ہو مژدہ بھولے بھٹکے عاشقوں کو — کہ میں رحمان اُن کا رہنما ہوں

(۵۸)

رحمان بابا کے مکتبہ فکر سے تعلق رکھنے والے دو شاعر علی خان (پ-۱۷۳۸ء) اور حسین نے بھی رحمان کے تتبع میں تصوف کے مضامین کو اپنی شاعری کا موضوع بنایا۔ علی خان غیر اللہ کی محبت کو دل سے نکال دینے پر اور دین مبین کا طالب ہونے پر زور دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

اوس بـاقـی طـلـب د دیـن کـره — غیـره مـنیـه کـره رهـا
خـدائـے ئـه مغ کـره علی خانـه — کل اغیـار کـره پـشِ شـا

حسین کثرت و وحدت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

کـل کثـرت ' دِ ذ وحـدت دبـحـره اوخـوت

ملغلرے ئے او باسی غواسان ستا

(کثرت تیری وحدت کے بحر سے اُبھری ہے' اسی بحر سے غواصوں نے دُرو گوہر برآمد کئے)

امیر حمزہ شنواری' رضا ہمدانی کے بقول عقیدتاً روائتی صوفی اور وحدت الوجودی ہیں- شیخ الاکبر اور ان کی تصانیف کے علاوہ شمس تبریزی' مولانا روم' خواجہ حسن نظامی اور علامہ اقبال سے متاثر تھے، کہتے ہیں ۔

حقیقت لباس در بر کرو د مجاز !

دنیا ز پہ رنك بنے راغے همه ناز !

(حقیقت نے مجاز کا لباس زیب تن کیا اور نیاز سراپا ناز بن کر آیا دنیا میں)

ولی محمد طوفان کہتے ہیں ۔

خاموشه زه و م لیکن کویا کرمه تا

ووم بے حده نابینا بینا کرمه تا

دنیا مے دزر هسے اوس تنکه نه ده

وسعت مے شو بے پایاں صحرا کرمه تا

(میں گونگا تھا' مگر تو نے مجھے گویا کیا' میں نابینا تھا تو نے بینائی دی میری دنیا اب ذرّے کی طرح محدود نہیں رہی تُو نے مجھے صحرا کی وسعت بخش دی)(۴۷)

=====☆=====

بلوچی:

جن قدیم ترین شعراء کے نام تاریخ نے محفوظ رکھے ہیں ان میں شہ عیسٰی' بی برگ' شہ مرید' ریحان' تویل جت' نی نوز بندغ زیادہ مشہور ہوئے- ان قدیم شعراء کے بعد بلوچی شاعری نیا موڑ لیتی ہے اور اپنے دورِ ثانی میں داخل ہوتی ہے یہ دور اٹھارہویں صدی عیسوی کے اوائل سے شروع ہوتا ہے یہ تاریخی تبدیلیوں کا دور تھا- اس گروہ میں جام درک' مست توکلی' بجار' گدو' ڈوم' رحم علی مری اور جواں سال بگٹی جیسے قادر الکلام شعراء موجود ہیں- بلوچی شعراء میں ملک الشعراء جام درک' ملا فاضل' مست توکلی اور

جواں سال بگٹی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان شعراء نے تصوف کے مختلف عنوانات مثلاً ذات باری صفات الٰہی حقیقتِ روح واقعہ معراج فقر و غنا صبر و رضا جبر و اختیار اور وحدت الوجود کو موضوع سخن بنایا ان معروف بلوچ صوفی شعراء کے علاوہ صوفی فیض محمد فیصل ملنگ شاہ صوفی پہلوان فقیر محرم فقیر وغیرہ بھی ایسے صوفی شاعر تھے جنہوں نے بلوچی میں عارفانہ کلام تخلیق کیا۔ (۶۰)

جام دُرک اٹھارہویں صدی عیسوی کا عظیم شاعر تھا۔ جام درک دختِ وز کا عاشق عارض و لب کا شیدا ہونے کے باوجود کبھی کبھی وحدت الوجود جیسے نازک اور فلسفیانہ مسائل کو بھی زیر بحث لاتا ہے مثلاً

اردو ترجمہ: (خداوند قدوس) خود مخفی ہے خود شاہد ہے خود ظاہر ہے خود باطن ہے خود ہمیشہ سے موجود ہے۔ تمام جہان کا دادرس ہے۔ ہمیں یقین اور اعتماد ہے۔ (۶۱)

مست توکلی (۱۸۲۸ء-۱۸۹۵ء) بلوچی زبان کا واحد شاعر ہے جس کے ہاں اپنی انفرادیت ہے۔ مست توکلی خود پہاڑوں وادیوں چٹانوں اور سنگلاخ میدانوں میں جذبہ عشق کی تسکین کے لیے پھرتا رہا۔ اس کی محبوبہ بھیڑوں کا ریوڑ لیے انہی مقامات پر چلتی پھرتی رہی اس لیے مست نے اس کا اظہار کرنے کے لیے تشبیہات بھی وہیں سے اخذ کیں:

ھر کس ءَ روٹ و یہ وث ءَ کوشتی
یہ دث ءَ بیث و تھی کھیا گندی
دوست ءَ نورانی چادر ءَ تو خاں
گوں وثی مھراں نیخ نظر گندے
یکھ و پاک ءِ تھ باز گناہ ثالے
قذرتاں وستاذ ءِ ھمو تالے
بادشاہ ءِ کہ بڑ زوبے سیال ءِ
وارث و داند کار ءِ منی حال ءِ
پارت ءِ بات کہ بے کساں پال ءِ

(ہر چیز فنا ہو جائے گی وہ تنہا قائم رہے گا۔ وہ تنہا قائم و دائم ہے۔ محبوب نورانی چادر کے

پردے میں مستور ہے- مجھے نگاہِ کرم سے دیکھیے- تُو واحد ہے تیری ذات پاک ہے اور خطا پوش ہے- تو ہر حکمت و تدبر جاننے والا ہے- تو بادشاہ ہے بلند و بے مثال- تو ہی میرا وارث اور دانندہ اسرار ہے- مجھ ایسے بے کسوں کو سنبھالنے کا خیال رہے)(۶۲)

=====☆=====

براہوی:

تصوف (اور خاص کر وحدت الوجود) کا فکر و فلسفہ بلوچی اور براہوی زبانوں میں فارسی سے براہِ راست آنے سے زیادہ سندھی زبان سے آیا ہے-

براہوی زبان کے مشہور و معروف شاعر تاج محمد تاجل (۱۸۳۱ء-۱۹۴۴ء) کی شعری ساخت و پروخت پر نامور سندھی شاعر سچل سرمست کے اثرات نمایاں ہیں۔☆(۶۳) سچل کی طرح وہ ن خالی وجودی صوفی شاعر تھے۔

نفس نندوری کی رولي ڈِس — یار اندر پانجھے گولي ڈِس

(اپنے نفس کو جس قدر دبا سکتے ہو دبا کر دیکھو اور اگر یار (حق) کو دیکھنا ہے تو اپنے آپ کو تلاش کرو)(بحوالہ: براھوی شاعری ٹی تصوف، از: عبدالرزاق صابر)

صوفی فیض محمد فیضل (المتوفی-۱۹۵۷ء) صاحب کرامات بزرگ تھے- سماع سے دلچسپی تھی- فارسی، اردو، بلوچی، سندھی، سرائیکی میں بھی شاعری کی- براہوی کے تو وہ عظیم شاعر تھے ہی، وحدت الوجود کے سلسلے میں کہتے ہیں۔

پکھو ترا من پولان هندن تهی همے دا
وت ڈِستهے گوں راز مار مکهن مکانا
فیضل دمے دماکهن من من مخن که محبوب
وت پر دویں وتارا بلکل دومی گمانا

(میں تجھے کہاں کہاں تلاش کروں؟ تیری جگہ تو یہاں پر ہے حالانکہ تُو نے خود ہی اپنے راز کو بتایا ہے کہ میں لامکاں ہوں-فیضل کچھ دیر خاموش رہ خودنمائی نہ کر کہ محبوب خود اپنا پردہ آپ ہے)(۶۴)

براہوی زبان کے ایک اور نامور شاعر صوفی عطا محمد سالاڑی (۱۸۸۹ء-۱۹۸۷ء) کے چند

وجودی اشعار ملاحظہ ہوں ۔

خن تے نی مل وجود ئی تینا　　　　تینے چاھنگ نی اگہ خواسہ

(اگر تجھے اپنی شناخت چاہیے تو اپنے وجود کے اندر آنکھیں کھول کر دیکھ لے)

غوطہ خل ھم اوست نا دریاؤ ئی　　　　راز ئی ھستی ناتغ لعل و گوھر

انت ارے بیچارہ مُلائے سما　　　　روشنی آدم نامِش ئی بس امر

(ہمہ اوست کے دریا میں غوطہ زن ہو کہ ہستی کے راز اور پوشیدہ لعل و گوہر تجھے ہاتھ آ سکیں۔

بیچارہ مُلّا کیا جانتا ہے کہ حضرت آدم کی مٹی میں روشنی کہاں سے آئی)

=====☆=====

کشمیری:

کشمیری زبان کی علمی اور ادبی سرگرمیوں کا آغاز مسلمانوں کے دور سے ہوا۔ شتی کنٹھ کو پہلا کشمیری شاعر تسلیم کیا جاتا ہے مگر اس کا کلام دستیاب نہیں۔ کشمیری زبان کا مدون ادبی سرمایہ بادشاہ زین العابدین بڈشاہ کے زمانہ میں منصۂ شہود پر آیا۔

لِلّہ عارفہ (۷۳۵ھ-۷۸۰ھ)۔ کشمیر کی ہندو خاتون شاعرہ۔ مسلمان فقرا اور صلحاء کی مجلسوں میں اُٹھنے بیٹھنے سے اسلامی تصوّف کی جاذبیت اور ہمہ اوست کے عالمگیر فلسفے کی دل کشی نے اس کے دل پر کچھ ایسا اثر کر دیا تھا کہ وہ تیس کروڑ دیوتاؤں کے بجائے ہر جگہ ایک ہی ذات کا جلوہ دیکھتی تھی۔ کہتی ہے ۔

اندر میٹی بز میٹی، میٹی تہ پانس رُتم سوہ

وچھم منتر منس تہ میٹی میٹی، ساڈان لو سم سوری دوہ

(اندر بھی مٹی باہر بھی مٹی۔ مٹی اور میرا وجود کوئی دو چیزیں نہیں ہیں۔ دل کے اندر بھی مٹی ہے اور سارا دن گرد چھانتے گزر جاتا ہے)

ایک اور جگہ کہتی ہیں:

''تُو آسمان ہے اور تُو ہی زمین' تُو ہوا ہے' تُو دن رات' تُو چاند ہے' تو پھول ہے اور پوجا کے تمام سامان بھی تیری وجہ سے بنے ہیں۔ اب میں تجھے پوجنے کے لیے کون سی شے لاؤں'' (۶۵)

ہندی:

ہندو مذہب میں تصوف کا دخیل بھگتی تحریک کے ذریعے سے ہوا۔ بھگتی تحریک درصل تصوف کی ہندوستانی شکل تھی اور یہ ملک کے مخصوص سماجی حالات کی پیداوار تھی۔ اس تحریک کی ابتداء ۱۲ صدی عیسوی میں جنوبی ہند میں ہوئی اور اس کے بانیوں میں سوامی رامانج (۱۰۱۶ء-۱۱۳۷ء)، مادھو (۱۱۹۹ء-۱۲۷۸ء)، آنند تیرتھ، وشنو سوامی اور باسو شامل ہیں۔ شمالی ہند میں بھگتی تحریک کا بیج سوامی رامانند نے بویا اور ان کے چیلوں کبیر، پیپا، اننت نند، بھوانند، سکھا، سُر سُرا، پدماوتی، نرہری، رائے داس، دھنا اور سائیں وغیرہ نے اس پودے کو پروان چڑھایا لیکن بھگتی تحریک کے لیے زمین ہموار کرنے والے تیرہویں اور چودھویں صدی عیسوی کے صوفیہ تھے۔ ہندوستان کا شاید ہی کوئی گوشہ ہو جہاں صوفیوں کی آواز نہ پہنچی اور ان کی تعلیم کا چرچا نہ ہوا ہو۔ (۶۶)

رامانند تیرہویں صدی کے اواخر میں الٰہ آباد میں پیدا ہوا۔ اُس کا ایک اشلوک جو صوفیوں کے ہمہ اوست کی بازگشت ہے شامل ہے اس اشلوک کے ایک حصے کا اردو ترجمہ کچھ یوں ہے ؎

لیکن اے بھگوان تُو تو ہر شے میں موجود ہے
میں نے سارے وید اور پُران چھان کر دیکھے
اگر بھگوان یہاں نہ ہو تو وہاں جاؤ
رامانند کا بھگوان سب جگہ پایا جاتا ہے۔'' (۶۷)

رامانند کے چیلوں میں سب سے زیادہ شہرت کبیر (۱۴۲۵ء-۱۵۱۸ء) نے پائی۔ آدگرنتھ کے صفحہ ۴۸۵ پر اُس کا ایک شبد ہے جس میں وہ کہتا ہے ؎

سبھ گوبند ہے سبھ گوبند ہے گوبند بن نہیں کوئی
سُوت ایک منی ست سہنس جیسے اوت پوت پر بھ سوئی
جل ترنگ اُر پھین بدبدا جل تے بھن نہ ہوئی
کہت نام دیو ہری کی رچنا دیکھو روئے بچاری

گھٹ گھٹ انتر سرب نر نتر کیول ایک مُراری

(ہرطرف وہی ذاتِ حقیقی ہے- سیکڑوں ہزاروں موتی ایک سوت میں پروئے ہوئے ہیں- لہریں' جھاگ اور بلبلے سب پانی کی صورتیں ہیں)

پندرہویں صدی کا بھگتی شاعر کبیر داس روحانی طور پر رامانند کے پیروؤں میں سب سے زیادہ آزاد و روشن خیال تھا- اس کے نزدیک خالق اور مخلوق الگ الگ نہیں ہیں ادویا اور گیان نے دوئی کا پردہ ڈال رکھا ہے- آدگرنتھ (صفحہ ۱۳۴۹) میں سے لیا گیا اس کا یہ اشلوک دیکھیں جو ہمہ وست کی بازگشت ہے۔

اوّل اللہ نور اُپایا' قدرت کے سب بندے
اک نور تے سب جگ اُبجیا' کون بھلے کون مندے
لو گا بھرم نہ بھولہو بھائی
خالق خلق' خلق منہ خالق پوررہیو سرب ٹھائی

گورو نانک، سکھ دھرم کے بانی- کبیر داس کے ہمعصر اور انکی شاعری اور تعلیمات سے متاثر- گورو کے کلام کو جپ جی صاحب کہتے ہیں- ان کا ایک وحدت الوجودی جپ دیکھیں۔

آد سچ' جگاد سچ' ہے بھی سچ نانک ہوسی بھی سچ

(ترجمہ: اونکار جو واحد ہے وہی کثرت میں نمایاں ہے- اس کا نام سچ ہے- وہ خالق دوجہاں ہے-)

امرداس (۱۴۷۹ء-۱۵۷۴ء) سکھ دھرم کا تیسرا گورو- کہتے ہیں کہ جب خالق ایک ہے اور سب میں اسی ''کرتا'' کا نور سمایا ہوا ہے تو بُرا کس کو کہا جا سکتا ہے۔

جیہ جنت سبھ تس دے سبھناں کا سوئی   مندا کس نوں آکھیے جے دوجا ہوئی

گورو ارجن دیو جی (۱۵۶۳ء-۱۶۰۶ء) سکھ مذہب کے پانچویں گورو کہتے ہیں۔

جیو جل میں جل آئے کھٹانا   تجیو جل میں جل آئے کھٹانا

(آدگرنتھ- صفحہ ۲۷۸)

(جیسے پانی میں پانی مل کر ایک ہو جاتا ہے اُسی طرح روح کا نور خدا کے نور سے مل کر ایک ہو جاتا ہے)

جٹ مل لاہوری شہنشاہ اکبر اور جہانگیر کے عہد کا ایک ہندو شاعر تھا لیکن اس کی پوری شاعری میں اسلامی روایات اور نظریات کی جھلک نمایاں ہے پنجابی کے علاوہ بھاشا میں بھی شاعری کی۔ لکھتا ہے:

آپ الکھ آپے ہی آدم' آپ گورو آپ چیلا
آپے پھل آپے ہی بھورا ' نرِل سدا نویلا
آپے تخت کرے پاتشاہی' آپ فقیر اکیلا
جٹ مل جگت بنائیوس بازی' خالق دے سب کھیلا
(٦٨)

(خود ہی ایک پوشیدہ بھید ہے اور خود ہی آدمی کی شکل میں ظاہر ہے۔ خود ہی مرشد ہے اور خود ہی مرید۔ خود پھول بھی ہے اور خود بھنورا بھی وہ سب میں سمایا ہوا بھی ہے اور سب سے علیحدہ بھی ہے۔ وہ خود ہی تخت شاہی اور خود ہی بادشاہ اور خود ہی فقیر بھی ہے۔ اے جٹ مل یہ تمام کائنات اس خالق کا ایک کھیل ہے)

مرہٹہ درویشوں میں سب سے زیادہ ذی اثر تکارام (پ-١٦٠٨ء) تھا۔ کہتے ہیں کہ جس طرح سب مذہبوں' ملکوں اور قوموں کے لوگوں کی جسمانی بناوٹ عناصر اربعہ (آگ' ہوا' مٹی اور پانی) سے ہے اور سب کے ہاتھ پاؤں' ناک' منہ' آنکھیں ایک جیسی ہیں اُسی طرح ان کے اندر سمایا ہوا خدا بھی ایک ہی ہے یعنی ایک ہی نور مختلف شکلوں میں رونما ہوا ہے ؎

دیہرہ مسیت سوئی پوجا او نواج اوئی — مانس سبھے ایک پے انیک کو بھرماؤ ہے
دیوتا او پوجھ گندھرب ترک ہندو — نیارے نیارے دیسن کے بھیس کو پربھاؤ ہے
ایکے نین ایکے کان ایکے دیہہ ایکے بان — خاک باد آتش او آب کو رلاؤ ہے
اللہ ابیکھ سوئی پوران او قرآن اوہی — ایک ہی سروپ سبھے ایک ہی بناؤ ہے

پلٹو صاحب ایک انقلابی سنت تھا جو شمالی ہندوستان میں اٹھارہویں صدی عیسوی میں پیدا

ہوا-پلٹو صاحب نے بھی کائنات کی کثرت میں سمائی ہوئی اللہ کے نور کی وحدت کا خوبصورت نقشہ کھینچا ہے ۔

آپوئی داتا آپوئی منگتا' آپوئی جوگی بھوگی
آپوئی بسوا' آپوئی لبنی آپ بید آپ روگی
برہما بشن مہیش آپوئی سُر نر مُنی ہوئیا
آپوہہ برہم نرویم گاوے آپوہہ پر پرت مائیا
آپوئی کارن آپوئی کارج بسو رُوپ در سائیا
پلٹوداس درشٹ تب آوے سنت کرے جب دائیا

(بھاگ ۳' شبد ۱۰)

سوامی رام تیرتھ ایک ہمہ اوستی ویدانتی صوفی تھے-ایک شعر میں کہتے ہیں ۔

ہم چل ہیں' ہم چل ناہیں ہم نیڑے ہم دور
ہم ہی سبھ کے اندر چانن ہم ہی باہر نور

=======☆☆=======

حواشی، حوالہ جات وتعلیقات:

پہلا باب

☆ا۔ یونانیوں کا آئی بیریا(IBERIA)، رومیوں کا ہسپانیہ یا اسپین فنیقیوں کا شاطی الارانب (خرگوشوں کا ساحل)، مسلمانوں کا اندلس، یورپ کا باب الاسلام۔ یہی وہ سرزمین ہے جو اسلامی فلسفہ وحکمت کی آماجگاہ ثابت ہوئی۔ اس مردم خیز دھرتی کی خاک سے ریاست بطلیوس کا سربراہ المظفر (جس نے عربی زبان میں پچاس جلدوں پر مشتمل انسائیکلو پیڈیا تصنیف کیا)' ابوالقاسم ابن باجہ' ابن طفیل' بن زہر' ابن وافد' محمد تمیمی' داؤد الغربی' ابن العوام اشبیلی' ابن بیطار جیسے حکماء۔ ابن حیان' ابن ابار، ابن بشکوال، ابن السعید، ابن الخطیب، ابن خلدون جیسے مورخ۔ ابن حمید اور ابن جبیر جیسے جغرافیہ دان' ابن بطوطہ جیسے سیاح' ابن رشد جیسا فلسفی' زرقالی' ابن ابی صلت' ابن یونس جیسے ریاضی دان اور ہیئت دان پیدا ہوئے۔ اندلس کے مسلمان شاعر ابن خفاجہ (۴۵۰ھ۔۵۳۳ھ) نے اپنے وطن کی فضاؤں کے بارے میں کیا خوب نقشہ کھینچا ہے ۔

يَــا اَهْــلَ اَنْــدَلُــسَ لِلّٰــهِ دَرُّكُمْ   مَــاءٌ وَظِـلٌّ و اَنْهَــارٌ وَاَشْـجَــارُ
مَـا جَـنَّةُ الْـخُـلْـدِ اِلَّا فِـى دِيَـارِكُمْ   وَلَــوْ تُـخُيِّـرتُ هٰـذَاكُـنتُ اَخْتَـارُ

''اے اہل اندلس! تمہارے کیا کہنے ہیں۔ پانی، سایہ، دریا اور درخت۔ باغ خلد اگر کہیں ہے تو تمہارے دیار میں ہے۔ مجھ سے اگر کہا جائے کہ دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کروں تو میں اسی کو اختیار کروں''

(دیوان ابن خفاجہ، مطبوعہ قاہرہ ۱۲۸۶ھ، ص: ۷۲)

گر فردوس بر روئے زمیں است   ہمیں است و ہمیں است و ہمیں است

امام زہری نے اندلس کے بارے میں چند ضعیف احادیث اپنی کتب **کتاب الجغرافیہ** اور **ذکر بلاد الاندلس** میں بلا اسناد درج کی ہیں مثلاً:

''میرے بعد ایک جزیرہ مغرب میں فتح ہوگا جس کا نام اندلس ہے وہاں کے زندہ افراد ایک بابرکت مملکت کے باسی اور وفات پا جانے والے شہادت کے رتبہ پر فائز ہوں گے''

یا پھر یوں:

''اللہ تعالیٰ نے میرے آگے زمین رکھ دی میں اس میں اپنی امت کی حدود دیکھ سکتا ہوں۔ میں نے دیکھا کہ اندلس اس کا آخری مفتوح ہوگا۔'' وہ جزیرہ کون سا ہے؟'' میں نے جبرائیل سے پوچھا اس نے جواب دیا ''حضور ﷺ وہ جزیرہ اندلس ہے جسے آپ ﷺ کی امت آپ ﷺ کے وصال کے بعد فتح کرے گی وہاں

کے زندہ افراد ایک بابرکت مملکت کے باسی اور وفات پا جانے والے شہادت کے رتبہ پر فائز ہوں گے۔"

(Claude Addas; "Quest for the red sulpher" Lahore,2000,p;11,12)

۳ جنوری ۱۴۹۲ء/ ۸۹۸ھ کو اندلس میں مسلمانوں کے آٹھ سو سال کے اقتدار کا سورج ہمیشہ کیلئے غروب ہو گیا اور اس کے بعد کی داستان انتہائی المناک ہے۔ اندلس کے مختلف علاقوں میں جو مسلمان بچے کھچے رہ گئے تھے ان پر عیسائی حکمرانوں کے وحشیانہ مظالم' جابرانہ سلوک اور بزور شمشیر انہیں عیسائی بنانے کے لیے طاقت کا بے دریغ استعمال خود عیسائی مورخوں کے نزدیک ہر طرح بے جواز تھا۔ مسلمانوں کا یہ عبرتناک انجام تاریخ انسانی و اسلامی میں منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ عیسائی فاتحین کے ہاتھوں اسلام کے نام لیواؤں کی بے حرمتی اور پامالی کا نقشہ اندلس کے ایک گمنام شاعر نے جس طرح کھینچا ہے وہ تصویر عبرت تو ہے ہی روح عصر کی بھی سب سے بڑی شہادت ہے:

جب ہم نے ان سے عہد و پیمان کیا تو ان کی بدعہدی اور غداری سامنے آ گئی،

دشمن نے عہد و پیمان توڑ دیا۔ جس کے ذریعہ ہمیں دھوکا دیا تھا' تشدد اور دست درازی سے ہمیں عیسائی بنا لیا،

ہمارے قرآن کریم جلا دیے اور انہیں گوبر اور نجاست سے آلودہ کیا،

ہماری ہر کتاب کو تمسخر اور حقارت کے ساتھ نذر آتش کر دیا،

مسلمانوں کے لیے کوئی کتاب یا مصحفِ مقدس نہ چھوڑا جسے وہ چھپ کر ہی پڑھ لیتے،

اگر پتہ چل جاتا کہ کسی نے روزہ رکھا ہوا ہے یا نماز پڑھی ہے تو اسے ہر حال میں آگ میں ڈال دیتے،

رمضان المبارک میں بار بار کھا پی کر ہمارا روزہ خراب کرتے،

انہوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنے رسول کو (معاذ اللہ) برا بھلا کہیں اور کسی نرمی سختی میں ان کو یاد نہ کریں۔

(سقوط اندلس پر شعرائے اندلس کی مرثیہ خوانی، مقالہ، از ڈاکٹر ظہور احمد اظہر، مشمولہ سہ ماہی "فکر و نظر" اسلام آباد (خصوصی شمارہ، اندلس کی اسلامی میراث) اپریل تا دسمبر ۱۹۹۱ء، ص ۴۰۳)

۱۶۱۰ء میں تمام مسلمانوں کو ترکِ وطن کا حکم مل گیا۔ ڈیڑھ لاکھ عربوں کا ایک قافلہ بندرگاہ کی طرف جا رہا تھا کہ بلیڈا نامی ایک پادری نے غنڈوں کو ساتھ ملا کر اس قافلہ پر حملہ کر دیا۔ ایک لاکھ نفوس قتل کر ڈالے۔ اس کے بعد مسلمانوں پر گھروں' گلیوں اور بازاروں میں قاتلانہ حملے شروع ہو گئے اور ۱۶۳۰ء میں ایک بھی مسلمان سپین میں باقی نہ رہا۔ (یورپ پر اسلام کے احسان، از ڈاکٹر غلام جیلانی برق، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۷۵ء، ص ۸۷، ۸۸)

مسلمان وہاں سے کیا نکلے کہ علماء' فضلاء' فلاسفہ' حکماء کا قحط پڑ گیا۔ فکر و دانش کی آبرو لٹ گئی۔ علم و تحقیق کی

بساط لپٹ گئی' اس پر مستزاد علم دشمن مسیحیوں نے سیکڑوں لائبریریاں نذر آتش کر دیں' لاکھوں کتابیں جلا ڈالیں۔ (مسلمان اندلس میں، از اسٹینلے لین پول، یونائیٹڈ پبلشرز، لاہور، ص ۹۸،۹۷)

درس گاہوں پر تالے ڈال دیے۔ لوٹ مار' قتل و غارت گری کی آندھیوں نے بھرے پُرے شہر اجاڑ دیے۔ تہذیب و ثقافت کی لہلہاتی فصلیں تباہ کر دیں۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ صاف ظاہر ہے کیا نکل سکتا تھا؟ نہ روشن چراغ رہے نہ روشن دماغ' پس اندھیروں نے ڈیرے جما لیے۔ (اندلس کی اسلامی میراث، محولہ بالا، ص ۱۱۶،۱۱۷)

یونانی المیوں سے بڑھ کر اس عظیم المیے پر ہر آنکھ اشکبار ہوئی۔ خاص طور پر اندلس کے شعراء نے اپنی فردوس گم گشتہ کے حزن و ملال سے بھرپور مرثیے لکھے اور اپنے ہم وطنوں کی بدنصیبی پر آنسو بہائے۔ اندلس کے معروف شاعر' ادیب' عالم اور محدث ابن الابار کے سڑسٹھ اشعار پر مشتمل ایک مرثیہ میں سے چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

''آہ! جزیرۂ اندلس!!
اس کے باشندے تو مذبح خانے کے جانور بن چکے ہیں،
جو حوادث کی زد میں ہیں،
اور اندلس کا مقدر تو اب بدنصیبی ہے،
ہر طلوع ہونے والا سورج ایک بجلی بن کر گرتا ہے،
اس کا ماتم ہمارا حصہ ہے مگر یہی دن دشمنوں کے لیے شادمانی بن جاتا ہے،
ہر ڈوبنے والا سورج دوشیزہ کے لیے رسوائی کا پیغام دے کر جاتا ہے
جو امان کو احتیاط اور خوشی کو غم میں بدل دیتا ہے۔
عیسائیوں نے قسم کھائی ہے (خدا کرے ان کی قسمیں پوری نہ ہوں)
کہ وہ پردہ نشین حسیناؤں پر ہی دست درازی کریں گے۔
ان عیسائیوں نے بلنسیہ اور قرطبہ میں جو مظالم ڈھائے ہیں،
جو جان لینے والے اور خون نچوڑ دینے والے تھے،
یہ شہر ہیں جہاں شرک خوشی سے دندناتا ہوا فروکش ہو گیا ہے
اور ایمان مایوس ہو کر کوچ کر گیا ہے۔
آہ! وہ مساجد جنہیں دشمنوں نے گرجوں میں بدل دیا ہے
اور اذان کی جگہ وہاں اب گھنٹیاں بج رہی ہیں۔''

(اندلس کی اسلامی میراث، بحوالہ بالا، ص ۳۹۵)

علامہ اقبال، اسلام کی اس فردوس گم گشتہ کی زیارت سے بہرہ یاب ہوئے اور ''مسجد قرطبہ'' جیسی شہرہ آفاق نظم بھی لکھی۔ دولتِ غرناطہ و قرطبہ کی بربادی اور ہسپانیہ کی مجموعی تاراجی پر ماتم کناں ہیں علامہ کے ان اشعار میں مسلمانوں کی گویا آٹھ صدیوں کی شاندار روایات مدفون ہیں۔

ہسپانیہ تو خون مسلم کا امیں ہے — مانند حرم پاک ہے تو میری نظر میں
قبر اس تہذیب کی یہ سرزمین پاک ہے — جس سے تاکِ گلشن یورپ کی رگ نمناک ہے

=====☆=====

☆ ۲۔ مُرسیہ (Murcia) اُموی دورِ حکومت میں مشرقی اندلس میں تعمیر ہوا۔ میناروں کی کثرت، باغات کی بہتات، صفائی اور خوش حالی میں یہ شہر مغربی اندلس کے شہر اشبیلیہ کا ہم پلہ تھا۔ دونوں شہر اس دور کے بہت بڑے علمی مرکز تھے جہاں ابن عربی نے اساطینِ علم وفضل سے اکتسابِ فیض کیا۔ علامہ شہاب الدین ابوالعباس احمد بن محمد المعروف ''مقری'' ''نفح الطیب'' میں لکھتے ہیں کہ یہ مرسیہ شرقِ اندلس کا صدر مقام ہے، یہاں کے باشندوں کی جرات وبسالت مشہور ہے۔ یہاں کے باشندے راحت پسند اور خوش مزاج ہیں۔ یہ شہر کبھی علماء وشعراء سے خالی نہیں رہا۔ (نفح الطیب، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۷، ص ۴۴۰)

☆ ۳۔ ابن عربی کی ولادت کا زمانہ وہی ہے جس میں مشرق میں المستنجد باللہ کی خلافت قائم تھی۔ اندلس پر ابو یعقوب یوسف بن عبدالمومن، موحدین کا تیسرا سلطان حاکم تھا۔ جبکہ مرسیہ (جہاں ابن عربی پیدا ہوئے) اور بلنسیہ پر سلطان محمد بن سعد بن مردنیش حکمران تھا۔ ابن عربی خود **محاضرۃ الابرار و مسامرۃ الاخبار** میں بیان کرتے ہیں کہ:

''میں ابوالمظفر یوسف المستنجد باللہ ابن المقتفی کی خلافت کے زمانے میں سلطان ابوعبداللہ محمد بن سعد مردنیش کی مملکت میں مرسیہ کے شہر میں پیدا ہوا'' (جلد اول، بیروت، ۱۳۸۸ھ، ص ۸۶)

مقری، کے مطابق جب ابن عربی دمشق میں مورخ ابن نجار (المتوفی ۶۴۳ھ/ ۱۲۴۵ء) سے ملے تو اسے اپنی صحیح تاریخ پیدائش پیر کی شب ۱۷ رمضان ۵۶۰ھ ہی بتائی۔

(نفح الطیب ۲، قاہرہ، ۱۳۶۷ھ، ص ۱۶۳)

ابوالحسن علی بن ابراہیم قاری البغدادی اپنی کتاب **الدر الثمین فی مناقب شیخ محی الدین** مطبوعہ بیروت، ۱۹۵۹ء کے صفحہ ۳۵ پر ابوالحسن خزرجی سے نقل کرتے ہیں کہ اس نے اپنی مشہور کتاب **العسجد المسبوک** میں لکھا ہے کہ شیخ محی الدین سن ۵۶۰ھ کے رمضان المبارک کی سترہ تاریخ کو

بروز سوموار مرسیہ کے مقام پر پیدا ہوئے۔

مفتی غلام سرور لاہوری نے تاریخ ولادت **نعمت** نکالی ؎

محی الدین پیر زندہ دل والا ہادی سالکان روئے زمین
ہست سال ولادتش نعمت صاحب کشف مہدی است بہ بین

(خزینۃ الاصفیا، جلد اول، مکتبۂ نبویہ، لاہور، ۱۴۱۰ھ، ص ۱۸۷)

ابن عربی کا عرصہ حیات قریباً پون صدی پر پھیلا ہوا ہے اور یہ بارہویں صدی عیسوی کا ایک چوتھائی اور تیرہویں صدی کے قریباً نصف دور پر محیط ہے۔ یہی عرصہ اندلس میں موحدین کی حکومتوں کا بھی ہے۔ طوائف الملو کی بڑی سرعت سے پورے اندلس پر چھا رہی تھی۔ اس دور میں عالم اسلام کی عمومی اور اندلس کی مذہبی و معاشرتی حالت پر بالخصوص' ڈاکٹر افضل اقبال نے اپنی تصنیف مولانا رومی' حیات و افکار میں بھرپور تبصرہ کیا ہے' آپ لکھتے ہیں:۔

تیرہویں صدی میں اسلام کا معاشرتی نظام ان بہترین روایات کا مظہر نہ رہا تھا جنہیں وہ دنیا میں پیش کرنے آیا تھا۔ صدیاں گزر جانے پر اب وہ نور بصیرت دھندلا چکا تھا۔ جس کا فیضان کبھی دنیا میں جاری و ساری تھا۔۔۔ بلاشبہ یہ عمارت شکستہ ہو رہی تھی۔ مذہبی فکر اور عمل میں ایک نمایاں فصل تھی، آسائش اور تن آسانی کا دور دورہ تھا۔ بحث مباحثے کے عام رواج نے حق و صداقت کا ذوق غارت کر دیا تھا۔ اسلام مختلف فرقوں میں بٹ چکا تھا۔۔۔ تیرہویں صدی کا مسلم معاشرہ ایک ایسا انحطاط پذیر نظام معاشرت و تمدن پیش کرتا تھا جس میں نہ نشو و ارتقا کی اہلیت باقی تھی اور نہ موثر مزاحمت کی استعداد۔۔۔ بارہویں صدی میں ایک موقع ایسا بھی آیا جب اسپین کے مختلف حصوں پر بارہ مسلمان خاندان حکومت کر رہے تھے اور یہ آنے والی بربادی کی ایک نشانی تھی۔ تیرہویں صدی میں اسپین پر مسلمانوں کی حکومت مسلم امیروں کی دغا بازی کے سبب تیزی سے اپنا دامن سمیٹ رہی تھی۔ رومی کلیسا ۱۲۶۶ء تک مسلم غرناطہ کے سوا سارا اسپین واپس لے چکا تھا اور بالآخر ۱۴۹۹ء میں غرناطہ بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ (مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۱ء، مترجم: بشیر محمود اختر، ص ۲،۴،۶)

مسلمانوں کے اس فکری و عملی فشار' جس کا ذکر ابھی ہوا ہے کے دوران میں صلیبیوں کو ایسا سنہری موقع ملا جس کی تلاش میں انہوں نے صدیاں بتا دی تھیں۔ وہ قوم جو کبھی فکر و تدبر اور جہد و عمل کے لیے پوری دنیا میں ایک آئینہ تھی' اپنے کردار و عمل کی زبوں حالی کے باعث انہی صلیبیوں کے ہاتھوں خاک و خون میں غلطاں ہوئی۔

==========================

☆۴۔ابن عربی،فتوحاتِ مکیہ،(تحقیق عثمان یحییٰ)مطبوعہ قاہرہ،۱۳۹۲ھ،ص۱۸۶۔

☆۵۔محسن جہانگیری،ڈاکٹر،محی الدین ابن عربی۔حیات و آثار،مترجم:احمد جاوید،سہیل عمر،ادارہ ثقافتِ اسلامیہ،لاہور،طبع دوم اکتوبر ۱۹۹۹ء،۱۶۔

☆۶۔"الحاتمی الطائی" کی نسبت کا حوالہ ابن عربی کے دیوان میں بھی ملتا ہے۔

لابنی حاتمی الاصل ذوالکرم من صلبی عربی عن اب فاب

"کیونکہ میں حاتمی الاصل ہوں،صاحبِ کرم ہوں،قبیلہ طے سے تعلق ہے اور پشتینی عربی ہوں۔"

(دیوانِ ابن عربی،مطبوعہ بولاق،مصر،۱۲۷۱ھ/۱۸۵۵ء،ص۲۵۹)

☆۷۔ابن الشعار،المبارک بن ابی بکر،عقود الجمان فی شعرائے ہذا الزمان،مخطوطہ نمبر۲۳۲۳۔۲۳۳۰،کتب خانہ اسعد آفندی،مکتبۂ سلیمان،استنبول۔

☆۸۔ R.W.J.Austin,"Sufis of Andalusia" ,Suhail Academy Lahore, 1999,p;21.

☆۹۔فتوحاتِ مکیہ،جلد سوم،ص۲۶۷۔

☆۱۰۔ Claude Addas,"Quest for the red sulphur"Suhail Academy Lahore,2000,p;24,25.

☆۱۱۔ابن عربی،فتوحاتِ مکیہ،محولہ بالا،(جلد اول،باب ۳۵)ص۱۸۵۔

☆۱۲۔ R.W.J.Austin,See above,p;100

☆۱۳۔ Stephen Hirtenstein, "The Unlimited Mercifier" Anqa Publishing, Oxford, U.K,1999,p;38.

☆۱۴۔ابن عربی،فتوحاتِ مکیہ،محولہ بالا،(جلد دوم)ص۱۸۔

☆۱۵۔ R.W.J.Austin,See above,p;75,76

☆۱۶۔محسن جہانگیری،ڈاکٹر،محی الدین ابن عربی۔حیات و آثار،محولہ بالا،ص۹۱۔

☆۱۷۔ Claud Addas, Ibid,p.312,313

☆۱۸۔ Ibid, p.314

☆۱۹۔ڈاکٹر محسن جہانگیری،اس "ہاں" اور "نہ" کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

''ہاں: کیونکہ انسان کی عقل خدا کی طرف رہنمائی کرتی ہے اور ایک حد تک اسرارِ ہستی کو پا لیتی ہے۔نہیں: کیونکہ محض وصل سے اس جگہ اچانک لغزش بھی سرزد ہو جاتی ہے،تب اسے زوال ہو جاتا ہے اور متشابہات میں گمراہ ہو جاتی ہے پھر اس سے کیسے یہ توقع کی جاسکتی ہے کہ یہ اختلافی کمالات اور شرعی احکام کی کہنہ کو پا سکے۔زوال سے پہلے عقل پر ایسی کوئی قید نہیں ہے کہ لغزش اور خطا سے اسے باز رکھے اور نہ کوئی ایسی حد موجود ہے کہ جو بے شمار عقلوں میں متفق علیہ ہو کیونکہ طریق ان گنت ہیں اور غایات مختلف،لہٰذا درست ہوا کہ ہاں اور نہیں کے بیچ روحیں پرواز کرتی ہیں۔'' (محی الدین ابن عربی۔حیات وآثار،ص۱۶۴)

☆۲۰۔مُداوی الکلوم: اقطاب میں سے ایک کا لقب ہے۔قطب مُداوی الکلوم نے اپنے اصحاب کو ایک جگہ جمع کر کے جو باتیں کی تھیں ان میں سے یہ جملے قابلِ غور ہیں اور غالباً ابن عربی نے انہی کی طرف اشارہ کیا ہے:

''ہر علم کے لیے انسان مخصوص ہوتے ہیں جس کو نہ تو سب لوگ حاصل کر سکتے ہیں نہ ہی اس کے لیے وقت میسر ہوتا ہے۔اس لیے ضروری ہے کہ ہر گروہ میں مختلف فطرتوں کے لوگ پائے جاتے ہوں اور آپس میں موافقت نہ رکھنے والے اذہان موجود ہوں۔اگرچہ اس جماعت کا مقصود ایک ہی ہو۔میری بات کو سمجھنے کی کوشش کرو اور اس کے ہاتھ میں میرے رمز کی مفتاح ہے اور ہر مقام کے لیے مقال اور ہر علم کے لیے رجال اور ہر وارد کے لیے حال پائے جاتے ہیں۔'' (فتوحاتِ مکیہ،جلد اول،ص۱۵۲)

☆۲۱۔فتوحاتِ مکیہ،جلد دوم،ص۴۲۵۔

☆۲۲۔ابن الشعار،حوالہ سابقہ

☆۲۳۔شیخ ابراہیم بن عبداللہ قاری البغدادی: ''الدر الثمین فی مناقب الشیخ محی الدین'' بیروت،۱۹۵۹ء،ص۲۲،۲۳۔

☆۲۴۔ڈاکٹر محسن جہانگیری،ابن عربی۔حیات وآثار،محولہ بالا،ص۱۶۵

☆۲۵۔ابوعمران موسیٰ بن عمران میرتلی: اشبیلیائی شیخ،حارث بن اسد محاسبی کے طریق کے پیروکار،سنِ وفات ۶۰۴ھ/۱۲۰۲ء ہے۔ابن عربی ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ وہ سیّدِ وقت،طریقت کے عظیم رجل،شدید ریاضتوں اور مجاہدوں میں مشغول رہتے۔ساٹھ برس تک گھر سے باہر نہیں نکلے۔کسی سے کبھی کوئی چیز قبول نہیں کی۔(روح القدس،ص۹۰)

☆۲۶۔ابدار کی تشریح ابن عربی یوں کرتے ہیں: ''ابدار کو اللہ نے عالم میں اپنی تجلی کی مثال کے لیے اپنے

حکم سے نصب کیا ہے۔پس وہ خلیفہ الٰہی ہے جو عالم میں اللہ کے اسماء، احکام، رحمت، قہر، انتقام اور عفو کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے۔جیسے سورج ظاہر ہوتا ہے چاند میں اور جب وہ پورے کو روشن کر دیتا ہے تو اس کو بد (پورا چاند) کہتے ہیں۔گویا سورج اپنے آپ کو بدر کے آئینے میں دیکھتا ہے۔'' (فتوحاتِ مکیہ، جلد دوم، ص ۵۵۶)

☆۲۷۔ Claud Addas, Ibid,p.36,37

☆۲۸۔ابو مدین کے صحبت یافتہ، ایک مدت تک مصر میں مقیم رہے، اشبیلیہ میں ابن عربی نے ان سے طریقت کی تربیت و آداب سیکھے۔''نعم المودب ونعم المربی'' کے عنوان سے ان کی ستائش کی اور انہیں اپنا امامِ طریقت لکھا۔فتوحات، میں لکھتے ہیں:''میں اب تک جتنے بزرگوں سے ملا ہوں، ابو یعقوب ان میں بزرگ ترین ہستی ہیں۔'' (جلد دوم، ص ۶۸۳)

☆۲۹۔فتوحاتِ مکیہ، جلد سوم، ص ۴۵

☆۳۰۔ ابو مدینؒ:

شعیب بن الحسین ابو مدین بلاد مغرب کے عظیم صوفی تھے۔۵۲۰ھ/۱۱۲۶ء میں قطنیانہ میں جو اشبیلیہ کے شمال مشرق کی جانب ایک چھوٹا سا قصبہ ہے میں پیدا ہوئے۔معمولی خاندان کے تھے۔بافندگی کا پیشہ اختیار کیا بعد ازاں قرآن پاک کی تعلیم حاصل کی اور تکمیل علم کے لیے شمالی افریقہ چلے گئے۔فاس میں ابو یعزی الہز میری، علی بن حرزہم اور الدقاق جیسے معروف اساتذہ سے مستفید ہوئے۔موخر الذکر نے خرقہ صوف عطا کیا۔ابو یعزی سے مسائل تصوف اور اجازت وغیرہ حاصل کی۔مشرق کا سفر کیا اور امام غزالیؒ اور غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی سے اکتساب کیا۔غوث الاعظم سے ان کی ملاقات ۵۶۱ھ/۱۱۶۶ء میں ہوئی۔پھر وطن واپس آکر بجایہ میں سکونت اختیار کی اور مسند رشد و ہدایت پر فائز ہوئے۔ابو یوسف یعقوب المنصور نے آپ کا شہرہ سنا تو مراکش میں اپنے دربار میں بلا بھیجا۔مگر دوران سفر تلمسان میں بیماری کی حالت میں انتقال کیا۔جامی کے بیان کے مطابق ۵۹۰ھ (نفحات الانس، ص ۵۳۰) ابن عربی کے مطابق ۵۹۷ھ (فتوحات جلد ۴۔ص ۱۹۵) حاجی خلیفہ نے بھی شیخ الاکبر والا بن لکھا ہے (کشف الظنون۔ج ۱۔مطبوع استنبول ۱۳۶۰ھ۔ص ۱۸۴) جبکہ ڈاکٹر عبدالرحمٰن بدوی (مصر) نے التذکاری، ص:۱۲۱، میں سال وفات ۵۹۴ھ بیان کیا ہے۔تلمسان کے ایک نواحی گاؤں العباد میں وصیت کے مطابق دفن کیا گیا۔فاس کے مرینی خاندان کے بادشاہ ابوالحسن والی تلمسان نے مزار تعمیر کرایا اب تک صوبہ دہران اور مشرقی مراکش کے دیہاتیوں کی زیارت گاہ ہے۔دائرہ معارف اسلامیہ میں

R.Brunschvig کے حوالے سے لکھا ہے:

''ان کی اصل خوبی اور عظیم الشان کامیابی کی وجہ یہ بھی ہے کہ انہوں نے اپنے واردات کو مجموعی طور پر ایک ایسی شکل دی جو ان کے سامعین خوب سمجھ سکتے تھے۔ وہ معتدل تصوف جس کی بنا الغزالیؒ نے ڈالی تھی اور جو دراصل بعض منتخب اور مستثنیٰ ہستیوں کی خاطر اسلام کے صحیح عقائد کا جزو تسلیم کر لیا گیا تھا اب شمالی افریقہ اور مسلمانوں کے مزاج کے مطابق ڈھل رہا تھا خواہ وہ عوام سے ہوں یا تعلیم یافتہ۔ یوں ابو مدین ہی تھے جنہوں نے شمالی افریقہ کے تصوف کی مخصوص نوعیت کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے متعین کر دیا'' (جلد اول، ص ۹۰۹)

☆ ۳۱۔ ابن عربی، محاضرۃ الابرار و مسامرۃ الاخیار، جلد اول، بیروت، ۱۳۸۸ھ، ص ۳۰۰

☆ ۳۲۔ **ابوالحجاج شبربلی:** (المتوفی ۵۸۷ھ)۔ ان کا تعلق شبربل سے تھا جو اشبیلیہ سے دو فرسخ مشرق کی جانب تھا۔ عبداللہ بن مجاہد کے مصاحبوں میں تھے جو اس زمانے میں اندلس میں امام طریقت سمجھے جاتے تھے۔ ابن مجاہد ان کا ذکر احترام اور بزرگی سے کرتے تھے اور طالبوں کو ہدایت کرتے تھے کہ وہ دعا کے لیے آپ کے پاس جائیں۔ ابن عربی دس برس تک ان کی مصاحبت میں رہے۔ وہ لکھتے ہیں: ''انہیں ہمیشہ تلاوت قرآن میں مشغول پایا انہوں نے آخر عمر تک قرآن کے سوا کوئی کتاب نہ دیکھی''۔ ابن عربی نے اپنی کئی تحریروں میں بہت اجلال و اکرام سے ان کا نام لیا ہے اور انہیں اکابر ملامیتہ اور اقطاب مدبرین میں شمار کیا ہے۔ ارواح سے معاشرت غالباً ابن عربی نے انہی سے سیکھی۔ (ابن عربی۔ حیات و آثار، ص ۲۹، ۳۰)

☆ ۳۳۔ **ابو یحییٰ صنہاجی ضریر:** انہوں نے لمبی عمر پائی۔ آخر میں نابینا ہو گئے تھے۔ ابن عربی کا ان کے ساتھ خاصا میل جول رہا۔ ابن عربی نے ان کی ذکر و اذکار میں ہمہ وقت مشغولیت' گوشہ نشینی اور کثرت عبادت و ریاضت کا تحسین کے ساتھ ذکر کیا ہے (رسالہ روح القدس ص ۸۴، ۸۵)۔ فتوحات میں انہیں اقطاب مدبرین اور بڑے ملامتی اولیاء میں شمار کیا ہے۔ (جلد اول۔ باب ۳۲۔ ص ۲۰۶)

☆ ۳۴۔ **صالح عدوی:** انہوں نے زہد اور پارسائی کی انتہا پر زندگی گزاری نہ گھر بنایا اور نہ کبھی اپنی بیماری کی پروا کی۔ رات دن قرآن شریف کی تلاوت میں مشغول رہتے۔ نماز میں ان کی عجیب حالت ہوتی۔ ایک سال حج کے دوران وہ اشبیلیہ سے غائب ہو گئے اور مکہ چلے گئے ایک قابل اعتماد آدمی نے شہادت دی کہ میں نے انہیں عرفات میں دیکھا ہے۔ زیادہ تر مسجد ابو عامر مقری میں آمد و رفت رکھتے تھے۔ انہوں نے اشبیلیہ میں اسی وضع اور اسی حالت میں چالیس برس گزار دیے۔ ابن عربی نے ان کی صحبت سے استفادہ

کیا- وہ ابن عربی پر مہربان تھے اور ان سے تعلق خاطر رکھتے تھے- کئی موقعوں پر انہوں نے مستقبل کے بارے میں ابن عربی پر ایسی باتیں ظاہر کیں جو بعد میں ہو بہو اسی طرح وقوع پذیر ہوئیں-''

(ابن عربی- حیات و آثار، ص ۳۳)

☆۳۵- **ابو عبداللہ محمد خیاط**: اشبیلیہ کے نامور بزرگ صوفی ۵۰۹ھ کو حج کے ارادہ سے مکہ روانہ ہوئے- ایک برس تک خانہ خدا کی مجاورت کے بعد مصر چلے گئے وہاں طریقہ ملامیتہ میں شامل ہو گئے- اشبیلیہ میں ابن عربی کے پڑوسی رہے اور ابن عربی کو قرآن شریف پڑھاتے تھے- ابن عربی انہیں عشق کی حد تک دوست رکھتے تھے- اور طریقت میں وارد ہونے کے بعد ان کے ساتھ رہے اور ان کی صحبت سے فیض اٹھایا- قائم اللیل اور صائم النہار تھے- شیخ الاکبر نے ان کی والہانہ مدح کی ہے وہ انہیں تصوف و معرفت میں کتنا عالی مرتبہ سمجھتے تھے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے- ''میں نے کبھی یہ آرزو نہیں کی کہ کاش فلاں شخص کی طرح ہو جاؤں مگر وہ محمد-'' (ابن عربی- حیات و آثار، ص ۳۵)

☆۳۶- **ابو عبداللہ بن قیسوم**: ابن مجاہد کے صحبت یافتہ شاگرد اور جانشین- علم و عمل میں استاد سے بڑھ کر جامع، مسلکاً مالکی، ابن عربی فقہ میں ان کے شاگرد تھے اور صلوٰۃ و طہارت کے مسائل انہی سے سیکھے- (رسالہ روح القدس ص ۸۸) فتوحات میں لکھتے ہیں: ''ان میں سے دو حضرات سے میں اشبیلیہ میں ملا- ابو عبداللہ بن مجاہد اور ابو عبداللہ بن قیسوم- یہ دونوں رجال نیات کے اقطاب تھے اور محاسبہ النفس کے مقام پر فائز- ان حضرات کی پیروی سے میں بھی اس درجہ پر پہنچ گیا'' (جلد اول، ص ۲۱۱)

☆۳۷- **ابو احمد سلاوی**: جس زمانے میں ابن عربی ابو یعقوب الکومی کے زیر تربیت تھے- ابو احمد اشبیلیہ آئے اور ان سے ملے- ابو احمد اٹھارہ برس تک ابو مدین کی صحبت میں رہے- ان کا حال قوی اور گریہ شدید تھا- نہایت کثیر العبادت اور صاحب ریاضت تھے- ابن عربی پورا ایک مہینہ مسجد ابن حراد میں راتوں کو ان کے ساتھ رہے- (ابن عربی- حیات و آثار، ص ۳۸)

☆۳۸- **ابو عبداللہ بن زین یابری**: اندلس کے ایک شہر یابرہ سے اشبیلیہ میں آئے- بڑے مشائخ میں ان کا شمار کرتے ہوئے شیخ الاکبر نے ان کے تقویٰ اور ریاضت کی بہت مدح کی ہے- انہوں نے اشبیلیہ کی جامع مسجد عدیس میں قرآن اور نحو کا درس لیا- علم و فضل رکھنے کے باوجود گمنام تھے اور لوگ بے خبری کی وجہ سے انہیں کچھ اہمیت نہ دیتے تھے- اپنا سارا وقت غزالی کی کتابوں کے مطالعہ کے لیے وقف کر رکھا تھا- (ابن عربی- حیات و آثار، ص ۳۹)

☆۳۹۔**فاطمہ بنت ابن المثنٰی قرطبی:** ابن عربی، نفس الرحمٰن کی تحقیق رکھنے والے مشائخ وصوفیہ میں اُن کا شمار کرتے ہوئے ان کے روحانی اور معنوی مراتب بیان کرتے ہیں۔نفس الرحمٰن کی منزل کا تحقق رکھنے والے وہ زاہد اور متقی نفوس ہوتے ہیں جو اپنے معاملات میں سختی سے شریعت پر کاربند ہوتے ہیں۔اگر کسی معاملہ میں شبہ پڑ جائے تو اللہ ان کے لیے کچھ نشانیاں ظاہر فرماتا ہے جس کے ذریعے یہ حلال اور حرام کی پہچان کر لیتے ہیں۔

ضعیف العمر فاطمہ سے ملاقات نے ابن عربی پر گہرے اثرات مرتب کیے۔دو سال تک ابن عربی نے ان کی خدمت کی۔اپنے ہاتھوں سے سرکنڈے جوڑ کر ان کی کٹیا بنائی۔بے شمار مرید اور عقیدت مند رکھنے کے باوجود وہ ابن عربی سے بہت محبت اور شفقت رکھتی تھیں اور انہیں دوسرے مریدوں پر فوقیت دیتی تھیں اور خود کو ان کی معنوی ماں کہتی تھیں۔ابن عربی بھی انہیں ماں کہہ کر مخاطب کرتے تھے اور ان کے باطنی کمالات اور ظاہری جمال کی بہت تعریف کرتے۔ان کے کمالات کا ذکر کرتے ہوئے انہیں صاحب کرامات اور رحمت عالمیاں کہتے ہوئے لکھتے ہیں: ''قرآن میں ان کی مخصوص سورت سورہ فاتحہ'' تھی۔ ایک مرتبہ فرمایا کہ مجھے سورہ فاتحہ عطا کی گئی ہے اور میں جہاں چاہوں اس کی قوت کام میں لا سکتی ہوں''

ان کے ظاہری جمال کے ضمن میں لکھتے ہیں: ''میں نے اشبیلہ میں دو سال تک ایک عارفہ اور ولیہ فاطمہ بنت المثنٰی قرطبی کی خدمت کی۔اس وقت ان کی عمر پچانوے سال سے تجاوز کر گئی تھی۔لیکن مجھے ان کے چہرے پر نظر ڈالنے سے حیا آتی تھی وہ اس بڑھاپے میں بھی ایسی سرخ رنگت اور تر و تازہ چہرہ رکھتی تھیں کہ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی چودہ برس کی لڑکی بیٹھی ہے۔وہ خدا سے لو لگائے رکھتی تھیں اور مجھ پر بہت زیادہ مہربان تھیں۔مجھے اپنے تمام خدام اور حاضر باشوں پر ترجیح دیتی تھیں اور فرماتی تھیں ''میں نے اس جیسا کوئی نہیں دیکھا ہے'' میں نے انہیں یہ کہتے سنا کہ: ''مجھے ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے جو خدا سے دوستی کا دم بھرتے ہیں مگر پھر بھی روتا روتے رہتے ہیں' اس کی دید سے شاد نہیں ہوتے۔حالانکہ وہ تو ہمہ وقت انکے سامنے ہے اور پل بھر کو بھی ان کی آنکھوں سے اوجھل نہیں۔آخر یہ گریہ کنندگان کس منہ سے اس کی محبت کا دعوٰی کرتے ہیں۔کیا انہیں حیا نہیں آتی۔یہ خدا کے دوست نہیں ہیں۔محبت کرنے والوں سے بڑھ کر ان کے محبوب سے اور کون قریب ہو سکتا ہے؟ یہ کس لیے آہ و زاری کرتے ہیں۔یہ ایک عجوبہ ہے۔یہ فرما کر انہوں نے مجھ سے پوچھا ''بیٹا جو کچھ میں نے کہا اس کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟'' میں نے عرض کیا۔''بالکل بجا فرمایا'' (ابن عربی۔حیات و آثار،ص۴۰،۴۱)

☆۴۰- Sufis of Andalusia ,Ibid,p;142

☆۴۱- ابن عربی، محاضرة الابرار و مسامرة الاخبار، جلد اول، ص ۲۶۰، ۲۶۱

☆۴۲- Sufis of Andalusia ,Ibid,p;141

☆۴۳- ابن عربی، فتوحاتِ مکیہ، (اردو ترجمہ: صائم چشتی، جلد سوم) علی برادران، فیصل آباد، ۱۴۱۲ھ، ص ۲۱۲

☆۴۴- ایضاً، ص ۲۱۳، ۲۱۴

☆۴۵- ایضاً، ص ۲۱۵ تا ۲۱۷

☆۴۶- فتوحات، جلد دوم، باب ۲۰۶، ص ۴۸۶

☆۴۷- ابن عربی، محی الدین محمد بن علی، ''ترجمان الاشواق'' بیروت، ۱۳۸۱ھ، ص ۷، ۸

☆۴۸- ایضاً، ص ۳۹، ۴۰

☆۴۹- ایضاً، ص ۸

☆۵۰- ایضاً، ص ۱۴

☆۵۱- فتوحاتِ مکیہ، جلد چہارم، ص ۱۰۶

☆۵۲- "The Unlimited Mercifier" Ibid, p;182

☆۵۳- **محمد عمادالدین:** مکہ میں ۵۹۹ھ/۱۲۰۳ء میں پیدا ہوئے۔ فتوحات میں ابن عربی نے انہیں ''فتوحات کا نقشِ اول'' لکھتے ہیں۔ (جلد چہارم، ص ۵۵۴) محمد عمادالدین کا شمار اہلِ علم وعرفان میں ہوتا تھا۔ انہوں نے ۶۶۷ھ/۱۲۶۹ء کو مدرسہ صالحیہ (دمشق) میں وفات پائی اور اپنے والد اور بھائی کے نزدیک کوہ قاسیون میں سپردِ خاک ہوئے۔

☆۵۴- "The Unlimited Mercifier" Ibid, p;150

☆۵۵- "Quest for the red sulphur" Ibid, p;86

☆۵۶- **زینب:** ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء میں پیدا ہوئیں۔ اس وقت ابن عربی مکہ میں مقیم تھے۔ زینب زمانہ طفلی میں ہی کشف والہام کے بلند درجات پر فائز اور مسائل شرعیہ کی عارفہ تھیں۔ ان کی شادی دمشق کے محمد بن قمر سے ہوئی جو ابن عربی کے شاگرد اور خلیفہ بھی تھے۔ ان کی ایک بیٹی ''صفیہ'' ہوئی جو بچپن میں ہی فوت ہوگئی۔ ابن عربی کی اس کے بارے میں ایک نظم بھی ملتی ہے۔

("The Unlimited Mercifier" Ibid, p;181,182,261,262)

☆۵۷- **محمد سعدالدین:** رمضان ۶۱۸ھ/۱۲۲۱ء کو ملطیہ میں پیدا ہوئے۔ تمام عمر حدیث کے اخذ وسماع

میں مشغول رہے۔ شاعر بھی تھے اور ایک متصوفانہ دیوان بھی مشہور ہے۔ ۶۵۶ھ میں دمشق میں وفات پائی اور اپنے والد کی قبر کے ساتھ مدفون ہوئے۔ (محی الدین ابن عربی۔ حیات و آثار، ص ۲۱)

☆۵۸۔ "The Unlimited Mercifier" Ibid, p;261.n:29.

☆۵۹۔ **عبداللہ بدر حبشی**: المتوفی ۶۱۸ھ/۱۲۳۱ء، ابن عربی کے قریبی دوستوں، قلبی لگاؤ رکھنے والے شاگردوں، یا پھر ان کے اپنے الفاظ میں ان کے روحانی فرزندوں میں سے تھے۔ شیخ اکبر کے افکار و عرفان کی نشر و اشاعت کی غرض سے بدر حبشی نے ''الانباء علی الطریق اللہ'' نامی کتاب لکھی جس میں اپنے استاد کو ''شیخنا، سیدنا، قدوتنا و لام العالم، الاطہر اور الکبریت الاحمر'' جیسے پُرشکوہ القاب سے سراہنے کے بعد ان سے طریق الی اللہ کے سلسلے میں جو تنبیہات اور ارشادات سنے تھے انہیں بیان کیا ہے۔ کتاب کے پہلے صفحہ پر لکھتے ہیں: ''ثنا و درود کے بعد بیشک میں ذکر کر رہا ہوں اس کتاب میں جس کا نام میں نے ''الانباء علی الطریق اللہ'' رکھا ہے، بعض ایسی چیزوں کا جو میں نے سنی ہیں اپنے شیخ، سید، قطب، امام، کبریت احمر سے اور اس کی تنبیہات اور ارشادات کا ذکر کیا ہے اللہ کے راستے میں۔'' (محی الدین ابن عربی۔ حیات و آثار، ص ۵۸۶، ۶۳۷) ترجمان الاشواق کی شرح ''ذخائر الاعلاق'' کے نام سے شیخ اکبر نے بدر حبشی کی فرمائش پر لکھی۔

☆۶۰۔ **یونس بن یحییٰ الہاشمی**: (المتوفی ۶۰۷ھ/ ۱۲۱۱ء) حضرت غوث الاعظم محی الدین عبدالقادر جیلانیؒ کے تربیت یافتہ محدث و صوفی تھے۔ انہوں نے احادیث کے ساتھ ساتھ مصر کے نویں صدی عیسوی کے عظیم صوفی حضرت ذوالنون مصریؒ کے اقوال، ملفوظات اور تعلیمات کو شیخ الاکبر تک بہم پہنچایا۔ شیخ الاکبر کی تعلیمات و نظریات میں ذوالنون مصریؒ کے اثرات بڑے واضح ہیں۔

☆۶۱۔ **صدرالدین محمد بن اسحاق قونوی**: کنیت ابوالمعالی، قونیہ میں جمعرات ۲۲ جمادی الثانی ۶۰۵ھ/ ۷ جنوری ۱۲۰۹ء کو پیدا ہوئے۔ والد کا نام مجدالدین اسحاق تھا۔ سرزمینِ مشرق میں ابن عربی کے عظیم روحانی شاگرد، شارح، خلیفہ اور نمائندے کے ساتھ ساتھ ان کے سوتیلے بیٹے بھی تھے۔ اوحدالدین کرمانی کی معیت میں دو سال تک رہے اور مصر، حجاز اور ایران کے اسفار کیے۔ ۱۲۲۷ء میں واپس ملطیہ پہنچے اور ابن عربی سے تفسیر، حدیث اور دیگر علوم کی تحصیل کی، جیسا کہ خود لکھتے ہیں: ''میں نے تمام علوم اپنے آقا، امام العلوم، مصدقِ حق و سچ، عطائے ربِ کریم، محی الدین ابوعبداللہ محمد بن علی بن محمد ابن العربی الطائی الحاتمی الاندلسی سے پڑھے۔'' بیس سال کی عمر میں قونوی نے ستمبر ۱۲۲۹ء تا مارچ ۱۲۳۲ء، ابن عربی کی تقریباً

چالیس کتب جن میں فتوحات کی بیس جلدیں بھی شامل تھیں، اُن سے براہ راست پڑھیں۔ بعد ازاں اوحد الدین کرمانی کے ہمراہ حج کے لیے چلے گئے اور واپسی پر دمشق میں شیخ اکبر کے ساتھ ان کی وفات تک رہے۔ کرمانی کے علاوہ سعدالدین حموی اور جلال الدین رومی جیسے عارفوں اور صالحین سے صحبت رہی۔ علامہ قطب الدین شیرازی جیسا فلسفی اور محدث آپ کا شاگرد تھا۔ دیگر تلامذہ میں مؤید الدین الجندی، فخرالدین عراقی، عفیف الدین تلمسانی اور سعدالدین فرغانی جیسے لوگ شامل ہیں۔ تاویل سورہ فاتحہ، مفتاح الغیب، نصوص، فکوک، شرح والحدیث، نفحات الٰہیہ عربی میں اور تبصرہ المبتدی اور المفاوضات وغیرہ فارسی زبان کی کتب ہیں جو سب کی سب ابن عربی کے تصوف وعرفان کی تشریح وتوضیح کے متعلق ہیں۔ درس وتدریس کا ایک اچھا خاصا سلسلہ قائم کیا۔ جامی کے مطابق: ''ابن عربی کے نظریہ وحدت الوجود جو ان کے عرفان کا اصل ستون ہے، کو مولانا صدرالدین قونوی کی تحقیقات کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں۔ (نفحات الانس، ص ۵۵۶) سال وفات ۶۷۳ھ ہے۔

("The Unlimited Mercifier" Ibid, p;261.n:22,210.)

☆ ۶۲۔ **عزیز الدین کیکاؤس اول:** ایشائے کوچک کے سلجوقی غیاث الدین کیخسرو کا بیٹا۔ صفر ۶۰۸ھ میں قونیہ میں تخت نشین ہوا۔ ۶۱۵ھ میں وفات پائی۔ اس کے بعد اس کا بھائی کیقباد صارم الدین برغش العادلی قلعہ دمشق کا نائب بادشاہ بنا۔ (البدایہ والنہایہ، جلد ۱۳، ص ۱۴۴)

☆ ۶۳۔ مقری، نفح الطیب، جلد دوم، ص ۳۶۳

☆ ۶۴۔ **ابو حامد اوحد الدین احمد کرمانی:** کرمان (ایران) میں ۵۵۹ھ/۱۱۶۴ء میں پیدا ہوئے۔ سلجوقی شہزادے، ایران کے عارف شاعر اور مفتی بھی تھے۔ آخری عمر میں بغداد چلے گئے اور وہیں ایک مسافر خانہ میں مقیم ہو کر وعظ ونصیحت کرتے رہے۔ شیخ رکن الدین سنجاسی کے مرید تھے۔ قیام بغداد کے دوران خواجہ معین الدین چشتی سے بھی خرقہ خلافت کی روائت ملتی ہے۔ ابن عربی سے پہلی مرتبہ قونیہ میں ۶۰۲ھ/۱۲۰۶ء میں ملاقات ہوئی اور بعد ازاں بیس برس تک ساتھ رہا۔ ایران میں شیخ اکبر کے نظریات کو پھیلانے میں کرمانی کا بہت عمل دخل ہے۔ فتوحات، جلد اول، باب ہشتم میں کرمانی سے متعلق چند واقعات بھی مرقوم ہیں۔ شیخ کرمانی، صدرالدین قونوی کے والد مجد الدین اسحاق کے بھی دوست تھے۔ ''مصباح الارواح'' کے نام سے ایک مثنوی یادگار چھوڑی۔ شمس تبریز سے بھی صحبت رہی۔ شیخ صدرالدین علی امیتنی، اوحد الدین اصفہانی وغیرہ آپ کے تلامذہ میں سے تھے۔ ۶۳۵ھ/۱۲۳۸ء میں بغداد میں وفات پائی۔ شاعری میں وحدت الوجودی رنگ غالب ہے۔

هست است و لیک هست مطلق — نزدیک حکیم نیست جز حق

خود گفت حقیقت و خود اشنید — واں روے کہ خود نمود خود دید

بس باد یقیں کہ نیست واللہ — موجود حقیقی سوی اللہ

☆۶۵۔ "The Unlimited Mercifier" Ibid, p;179,261.

☆۶۶۔ Ibid,p;261

☆۶۷۔اسماعیل بن سودکین: المتوفی ۶۴۶ھ/۱۲۴۸ء، شیخِ اکبر کے انتہائی قریبی ساتھی، مصاحب اور خلیفہ۔ شیخ نے اپنی کتاب ''حلیۃ الابدال'' ابن سودکین اور محمد بن خالد صدفی کی فرمائش پر لکھی۔ ابن سودکین نے اپنی کتاب ''تجلیات'' کی شرح اپنے استاد و مرشد ابن عربی کی توضیحات کی روشنی میں کی۔ اس کتاب میں وہ ابن عربی کو سیدنا، شیخنا اور امامنا کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔ ابن سودکین کی اپنی کتاب ''الوسائل السائل'' ابن عربی سے پوچھے گئے سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔

☆۶۸۔ "The Unlimited Mercifier" Ibid, p;181.

☆۶۹۔مقری، نفح الطیب، جلد دوم، محولا بالا، ص ۳۷۹

☆۷۰۔محی الدین ابن عربی۔ حیات و آثار، محولا بالا، ص ۷۳، ۷۴

☆۷۱۔**ابو عبداللہ محمد بن سعید بن یحییٰ شافعی دُبیثی واسطی:** (۶۱۷ھ۔۶۵۸ھ)، حافظِ قرآن، محدث اور مورخ۔ بغداد میں ابن عربی سے ملے اور کہا کہ میں نے انہیں ہر تعریف و توصیف سے بلندتر پایا ہے۔ (تذکرۃ الحفاظ، از جلال الدین سیوطی، ص ۴۹۶)

☆۷۲۔**ابن نجار:** ابو عبداللہ محب الدین محمد بن محمود بن ہبۃ اللہ بن محاسن شافعی المعروف بہ ابن نجار، پیدائش: ۵۷۳ھ۔ حافظِ قرآن، محدث، مورخ۔ ۱۵ برس کی عمر میں اپنی کتاب تاریخ اور قرات کو لکھنا شروع کیا۔ تین ہزار شیوخ سے علم حاصل کیا جن میں تقریباً ۴۰۰ عورتیں شامل ہیں۔ ۲۸ برس وطن سے باہر رہے، پھر بغداد آئے۔ خطیب بغدادی کی تاریخِ بغداد پر ۱۶ جلدوں پر مشتمل طویل مقدمہ لکھا۔ دیگر تالیفات میں القمر المنیر فی المسند الکبیر، کنز الایام فی معرفۃ السنن والاحکام، المختلف والمؤتلف، السابق والحق، المتفق والمفترق، کتاب الالقاب، نہج الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ، الکافی فی اسماالرجال، تاریخ مدینہ (سولہ جلدیں)، عزر الفوائد (پانچ جلدیں)، اخبار المشتاق فی اخبار العشاق، الکمال فی معرفۃ الرجال، مناقب شافعی وغیرہم۔ ۵ شعبان بروز منگل ۶۴۳ھ کو وفات پائی۔ (علامہ ابو الفدا عماد الدین ابن کثیر، تاریخ ابن کثیر (البدایہ والنہایہ)، مترجم: مولانا اختر فتح پوری، جلد ۱۳، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۹ء، ص ۳۰۴) ابن عربی

سے دمشق میں ملاقات ہوئی جس کا احوال یوں بیان کرتے ہیں:

"میں نے شیخ محی الدین اکبر سے دمشق میں ملاقات کی اور ان کو ایک عالمِ باکمال، مختلف علوم میں بحرِ بیکراں اور حقائق میں راسخ و پختہ کار پایا۔ ان کی کچھ تصانیف بھی حاصل کیں۔ میں نے ان کی تاریخ و جائے پیدائش کے بارے میں پوچھا تو جواب دیا" میں بروز پیر ۱۷ رمضان ۵۶۰ ھ کو مرسیہ میں پیدا ہوا۔ (مقری، نفح الطیب، جلد دوم، ص ۳۶۲)

☆۷۳۔ "The Unlimited Mercifier" Ibid, p;262.

☆۷۴۔ **ابو حفص شہاب الدین عمر بن محمد البکری سہروردیؒ:** رجب ۵۳۹ھ/۱۱۴۵ء میں عراق کے قصبہ سہرورد میں [illegible] فاضل، صوفی متقی، زاہد و عارف اور علم طریقت کے شیخ الشیوخ تھے۔ تصوف کی بنیادی کتاب "عوارف المعارف" کے علاوہ بھی بہت سی تصانیف ہیں۔ روائت ہے کہ ۶۰۸ ھ میں بغداد میں اور ایک اور روائت کے مطابق مکّہ میں ابن عربی سے آمنا سامنا ہوا مگر گفتگو نہ ہوئی۔ جب ان سے ابن عربی کے بارے میں دریافت کیا گیا تو کہا: ابن عربی حقائق کا ایک سمندر ہے۔" ابن عربی نے آپ کے بارے میں کہا کہ وہ ایک مردِ صالح ہے۔ (نفح الطیب، ۲، ص ۳۸۱، شذرات الذہب، ۵، ص ۱۹۴) سہروردی نے بغداد میں محرم ۶۳۲ھ/۱۲۳۴ء میں وفات پائی۔

☆۷۵۔ **غیاث الدین ملک ظاہر:** حاکمِ حلب غازی صلاح الدین یوسف بن ایوب کا بیٹا، رمضان ۵۶۸ھ/۱۱۷۲ء کو قاہرہ میں پیدا ہوا۔ اور ۲۰ جمادی الآخر ۶۱۳ھ/۱۲۱۶ء کو قلعۂ حلب میں فوت ہوا۔ شیخ الاشراق شہاب الدین سہروردی المقتول کا دوست اور حامی تھا۔

☆۷۶۔ فتوحاتِ مکیہ، جلد ۴، ص ۵۳۹۔

☆۷۷۔ "The Unlimited Mercifier" Ibid, p;188.

☆۷۸۔ ڈاکٹر سید حسین نصر کے مطابق رومیؒ کی مثنوی، ابن عربی کی فتوحات کی منظوم شرح ہے۔ کچھ تو اس ذاتی شخصی رابطے کی بنا پر جو رومیؒ کا ابن عربیؒ کے ساتھ رہا اور یہ اس مختصر دورِ زندگی کی بات ہے جب ابن عربی دمشق میں تھے اور رومی اکتسابِ علم کے لیے وہاں پہنچے تھے اور باہمی ملاقات ہوئی تھی۔ اس کے علاوہ صدرالدین قونوی (جو ابن عربی کے شاگرد، مرید اور ان کے افکار کے شارح تھے) رومی کے استاد تھے۔ لہٰذا یہ باور کرلینے کے وجوہ موجود ہیں کہ رومی نے اپنے قونوی استاد کے توسط سے ابن عربی کے فلسفہ وفکر سے ضرور استفادہ کیا ہوگا۔ رومی کے تمام مورخین اور شارحین اس بات پر متفق ہیں کہ مولانا نہ صرف وحدۃ الوجود کے قائل تھے بلکہ اس کے پُر جوش مبلغ بھی تھے اور وہ قونوی کے واسطے سے شیخِ اکبر سے مستفید

ہوئے۔(بحوالہ سوانح مولانا روم، از شبلی ص ۳۰، خلیفہ عبدالحکیم کی مابعد الطبیعات رومی اور عفیفی کی The (Mystical Philosphy of Ibn Arabi

مولانا نے ابن عربی سے عقیدت و ارادت کے اظہار میں جو اشعار کہے اس کا ترجمہ کچھ یوں ہے:

''ہمارے سر میں دمشق کا سودا سمایا ہوا ہے۔ ہم اس کے عاشق اور دلدادہ ہیں۔ ہمارا دل وہاں اٹکا ہوا ہے اور ہمارے دل پر اسی کا داغ ہے۔ کوہ صالحہ میں موتیوں کی ایک کان ہے جس کی جستجو میں ہم بحر دمشق میں غرق ہیں۔ (محی الدین ابن عربی۔ حیات و آثار، ص ۱۰۵)

☆۷۹۔ **شمس الدین احمد بن خلیل خوئی:** اصول و فروع وغیرہ کے بہت سے فنون کے عالم۔ خوش اخلاق اور خوش معاملہ شخص تھے۔ دو مرتبہ دمشق کے قاضی القضاۃ بنے۔ ۷ شعبان ۶۳۷ھ کو بروز ہفتہ ۵۵ برس کی عمر میں مدرسہ عادلیہ میں انتقال کیا۔ (البدایہ والنہایہ، جلد ۱۳، ص ۲۸۳)

☆۸۰۔ الدر الثمین فی مناقب الشیخ محی الدین، از قاری البغدادی، محولا بالا، ص ۳۰

☆۸۱۔ **ابو محمد بن عبدالسلام بن علی بن عمر الزاواوی المالکی:** دمشق میں مالکیہ کے پہلے قاضی القضاۃ، زہد و تقویٰ کی وجہ سے مسلسل آٹھ برس اس منصب سے الگ رہے۔ سخاوی اور ابن الحاجب سے سماع حدیث اور اشتغال کیا۔ ۸ رجب ۶۸۱ھ/۱۲۸۲ء بروز منگل، ۸۳ برس کی عمر میں فوت ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ، جلد ۱۳، ص ۲۹۹)

☆۸۲۔ "The Unlimited Mercifier" Ibid, p;212,213.

☆۸۳۔ ابن عربی، فصوص الحکم، مترجم: مولانا محمد عبدالقدیر صدیقی، نذیر سنز لاہور، ۱۹۷۹ء، ص ۱۰۸

☆۸۴۔ "The Unlimited Mercifier" Ibid, p;211.

☆۸۵۔ محی الدین ابن عربی۔ حیات و آثار، ص ۸۰

☆۸۶۔ عبدالوہاب شعرانی، الطبقات الکبریٰ، مترجم: سید عبدالغنی وارثی نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۵ء، ص ۲۹۷

☆۸۷۔ **داؤد بن علی بن خلف الاصبہانی المعروف بہ ظاہری:** ۲۰۲ھ میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ اسحاق بن راہویہ اور ابوثور وغیرہ سے تعلیم حاصل کی۔ بغداد اور نیشاپور کے محدثین سے بھی استفادہ کیا۔ امام شافعی کے زبردست حامی تھے اور ان کی مدح و ستائش میں دو کتابیں بھی لکھیں۔ بغداد میں داؤد سے بڑھ کر کوئی اور عالم نہ تھا۔ خطیب بغدادی، اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ ''ان کی عقل ان کے علم سے زیادہ تھی'' (جلد ۸، ص ۳۷۱) فصیح اللسان، قوی الحجت، حاضر جواب، عابد، زاہد، متقی اور قانع تھے۔ وہ ایک جداگانہ فقہ کے بانی تھے جس کی بنیاد انہوں نے ظواہر کتاب و سنت پر رکھی۔ وہ اس وقت تک ظاہری ظاہری

احکام شرع کے پابند رہتے جب تک کتاب وسنت کی کسی دلیل یا اجماع سے یہ نہ ثابت نہ ہو کہ یہ حکم مراد نہیں۔ نص کی عدم موجودگی کی صورت میں وہ اجماع پر عمل کرتے اور قیاس کو بالکل نظر انداز کر دیتے۔ ان کا قول ہے کہ قرآن وسنت سے ہر مسئلہ کا جواب نکل آتا ہے۔ قرآن کو حادث اور مخلوق سمجھتے تھے۔ امام احمد بن حنبلؒ سے خواہش کے باوجود نہ مل سکے جنہوں نے پیرانہ سالی کے باوصف آپ کی مخالفت کی۔ خطیب بغدادی کے مطابق: داؤد پہلے شخص تھے جنہوں نے ظواہر نصوص سے احتجاج کیا، قولاً قیاس کی نفی کی اور فعلاً اسے اپنانے پر مجبور ہوئے۔ اس کا نام انہوں نے دلیل رکھا۔ (تاریخِ بغداد، جلد ۸، ص ۳۸۴) داؤد بن علی نے متعدد کتب بھی تصنیف کیں۔

تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں مشرق میں ظاہری مسلک نے بڑا فروغ پایا اور شافعی، حنفی، مالکی اور حنبلی مذاہب فقہ کی نسبت ظاہری فقہ کا زیادہ چرچا رہا۔ اندلس میں ظاہری فقہ کی اشاعت وفروغ میں بقی بن مخلد، ابوعبداللہ محمد بن وضاح بن بزیغ اور قاسم بن اصبغ کا کردار اہم ہے۔ اس کے علاوہ مسعود بن سلیمان ابوالخیار اور ابن حزم اندلسی نے بھی ظاہری فقہ کی ترویج میں مقدور بھر حصہ لیا۔ (حیات ابن حزم، از شیخ محمد ابوزہرہ مصری، مترجم: غلام احمد حریری، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۸۹ء، ص ۴۰، ۳۷۸ تا ۳۸۹)

☆۸۸۔ محی الدین ابن عربی۔ حیات وآثار، ص ۴۵۱

☆۸۹۔ ایضاً، ص ۴۵۸، ۴۵۹

☆۹۰۔ ابن عربی، فتوحاتِ مکیہ، مترجم: صائم چشتی (جلد سوم) علی برادران فیصل آباد، ۱۴۱۲ھ، ص ۲۱۸

☆۹۱۔ داراشکوہ قادری، سفینۃ الاولیاء، مترجم: محمد علی لطفی، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۶ء، ص ۹۹

☆۹۲۔ محی الدین ابن عربی۔ حیات وآثار، ص ۷۰

☆۹۳۔ شیخ محب اللہ الہ آبادی، افادات شیخ محی الدین ابن عربی، مترجمین: شاہ غلام مصطفےٰ مہروندی، شاہ محمد باقر اللہ الہ آبادی، نذیر سنز لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۴، ۵ (تقدیم: راجا رشید محمود)

☆۹۴۔ محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، مترجم: ڈاکٹر میر ولی الدین، نفیس اکیڈمی کراچی، سن ندارد، ص ۲۸۵، ۲۹۰

☆۹۵۔ "The Unlimited Mercifier" Ibid, p;218.

☆۹۶۔ المقری، نفح الطیب، جلد دوم، ص ۳۶۱

☆۹۷۔ "Quest for the red sulphur" ,Lbid,p;287

☆۹۸۔ محی الدین بن محمد بن ابی الحسن علی ملقب بہ زکی الدین: ادیب، شاعر، خطیب اور شافعی

فقیہ، ۵۵۰ھ میں دمشق میں پیدا ہوئے۔ ۵۸۸ھ میں دمشق کے قاضی کے عہدے پر فائز ہوئے۔ حلب کے بھی قاضی رہے اور اسی شہر میں شعبان ۵۹۸ھ میں فوت ہوئے اور دمشق کے قبرستان کوہ قاسیون میں مدفون ہوئے۔ (وفات الاعیان، جلد۴، ص۵۹۶)

☆۹۹۔ محمد لطفی جمعہ، تاریخ فلاسفۃ الاسلام، ص۲۷۸

☆۱۰۰۔ "SUFIS OF ANDALUSIA" Ibid,p;45

☆۱۰۱۔ مفتی غلام سرور قادری، خزینۃ الاصفیا، جلد اول، مترجم: اقبال احمد فاروقی، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۱۳۱۰ھ، ص۱۸۷

☆۱۰۲۔ **قاضی محی الدین ابن زکی:** حنبل، ابن طبرزد، الکندی اور ابن الحرستانی سے حدیث کا علم حاصل کیا۔ متعدد مدارس میں حدیث کا درس دیا۔ آبا کی طرح کئی بار دمشق کی قضاۃ سنبھالی۔ شذرات الذہب کے مطابق ہلاکو خان نے شام کی قضا آپ کے سپرد کی۔ اچھے شاعر بھی تھے۔ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ آپ ابن عربی کی موافقت میں فضیلتِ علیؓ کے قائل تھے۔ ستر سال سے زائد کی عمر میں ۱۴رجب ۶۶۸ھ کو مصر میں وفات پائی اور المعظم میں مدفون ہوئے۔ (البدایہ والنہایہ المعروف بہ تاریخ ابن کثیر، جلد۱۳، ص۴۳۵، ۴۳۶)

☆۱۰۳۔ **عماد الدین عبداللہ بن حسن ابن النحاس:** (المتوفی ۶۵۴ھ) انتہائی عابد وزاہد، بہرے پن کے باوصف ابن عربی سے احادیث کی سماعت کی اور انہیں آگے بیان کیا۔

"Quest for the red sulphur" ,Lbid,p;287)

☆۱۰۴۔ Abu Shama, "Tarajim Rajal.al.Qarnayn .al.Sadis wal sabi, Beirut,1974,P;170.

☆۱۰۵۔ یہ وہی مقدس کوہ قاسیون ہے جہاں روائت کے مطابق حضرت ابراہیمؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی واتحاد سے نوازا گیا علاوہ ازیں دیگر پیغمبر بھی یہاں تشریف لاتے تھے، خصوصاً حضرت خضرؑ۔ اسی لیے یہ زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ اور یہ کیسا حسنِ اتفاق ہے کہ اسی مقدس پہاڑ کے دامن میں وحدت الوجود کا عظیم علمبردار اور انتھک مفسر ابدی نیند سو رہا ہے کہ حضرت خضرؑ نے جسے اپنے ہاتھوں سے خرقہ پہنایا تھا۔ ("The Unlimited Mercifier" Ibid, p:220.)

☆۱۰۶۔ ابن عماد الحنبلی، شذرات الذہب، جلد دوم، مطبوعہ تجاریہ کبریٰ، بیروت، ۱۹۷۹ء، ص۳۷۸

☆۱۰۷۔ "The Unlimited Mercifier" Ibid, p;219 .and also see "Quest for the red sulphur" ,Lbid,p;287,288.

☆۱۰۸۔ الدر الثمین فی مناقب الشیخ محی الدین، محولا بالا، ص۲۴

☆۱۰۹۔عبدالقادر بن محی الدین: الجیریا کے مغرب میں واقع ایک گاؤں مواسکر میں ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوئے۔ابتدائی تعلیم القطانہ میں حاصل کی اس کے بعد آرزیو اور اوران میں تعلیم حاصل کرتے رہے۔حافظِ قرآن بھی تھے۔۱۸۵۲ء میں اپنے والد کے ہمراہ حج کی سعادت حاصل کی اور واپسی پر الزیتونہ، الازہر، دمشق اور بغداد میں تحصیلِ علم کیا۔۲۴ برس کی عمر میں الجیری عوام نے انہیں اپنا امیر منتخب کرلیا۔امیر عبدالقادر حوصلہ، دانائی تحمل اور انسانیت کا بے مثل مرقع تھے۔انہوں نے اسلام کی سربلندی اور الجزائر پر فرانسیسی تسلط کے خلاف اپنی زندگی وقف کردی۔اور فرانسیسی افواج کو متعدد معرکوں میں شکست دی تاہم جدید ہتھیاروں سے لیس ایک لاکھ فوج کا جب مقابلہ ممکن نہ رہا تو عوام اور مجاہدین کی زندگیاں بچانے کی خاطر گرفتاری دے دی۔فرانس کے زندانوں سے استنبول اور آخر میں دمشق تک کا سفر جدوجہد کی الگ داستان ہے۔دمشق میں ہی ۲۴ مئی ۱۸۸۳ء کو وفات پائی اور شیخ الاکبر کے پہلو میں دفن ہوئے۔ ابن عربی کے بہت پرجوش ارادت مند تھے اور ان کی تصانیف کی اشاعت کے ایک حد تک وہی ذمہ دار ہیں۔

☆۱۱۰۔محی الدین ابن عربی۔حیات وآثار،ص ۸۲،۸۳

☆۱۱۱۔محمود الغراب، الشیخ محی الدین ابن عربی، مطبہ زید بن حارث، دمشق ۱۹۸۲ء، ص ۲۴۸

☆۱۱۲۔مناظر احسن گیلانی، مولانا سید، شیخ اکبر محی الدین ابن عربی کا نظریہ تعلیم، مشمولہ ''معارف'' اعظم گڑھ، شمارہ ۲، جلد ۲۵، فروری ۱۹۴۵ء، ص ۸۸

☆۱۱۳۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد اول، ص ۶۰۷

☆۱۱۴۔ایوان پی، مک گریل: (مرتبین) مشرق کے عظیم مفکر، مترجم: یاسر جواد، تخلیقات لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۳۱۴

☆۱۱۵۔پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، (تعارف) فتوحاتِ مکیہ، جلد اول، مترجم: صائم چشتی، علی برادران فیصل آباد، ۱۹۸۶ء، ص ۳۳، ۳۴

☆۱۱۶۔ Brockelmann, Geschichte der Arabischen Littereratur, (1) Zweite den Supplement -banden angepasste Auflage, Leiden 1943, p;441

☆۱۱۷۔ "The Unlimited Mercifier" p;217

☆۱۱۸۔ Ibid

☆۱۱۹۔جامی، مولانا عبدالرحمن نفحات الانس، محولا بالا، ص ۵۴۶

☆۱۲۰۔بحوالہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد اول، ص ۶۰۶

☆۱۲۱۔الیواقیت والجواہر، از علامہ عبدالوہاب الشعرانی، جلد اول، قاہرہ، ۱۳۷۹ھ، ص ۱۰

☆۱۲۲۔اسماعیل پاشا بغدادی، ہدیۃ العارفین، جلد دوم، استنبول ۱۹۴۵ء، ص ۱۱۴، ۱۲۱

☆۱۲۳۔ المجمع العلمی والعربی، (دمشق) مدیر: کورکیس عواد، جلد ۲۹، شمارہ ۳، ۱۳۷۳،۴ھ۔ جلد ۳۰، شمارہ ۱، ۱۳۷۴،۲ھ،

☆۱۲۴۔ Osman Yahiya : Histoire Et Classification de l,oeuvre d,Ibn Arabi. Damas, 1964.

☆۱۲۵۔ محی الدین ابن عربی حیات و آثار، ص ۹۳ تا ۱۱۹

☆۱۲۶۔ ابن الابار، التکملۃ لکتاب الصلۃ جلد دوم، مطبوعہ مصر، ۱۳۷۵ھ، ص ۲۵۲، ۲۵۳

☆۱۲۷۔ بحوالہ محی الدین ابن عربی، حیات و آثار، ص ۵۲۱

☆۱۲۸۔ مشرق کے عظیم مفکر، ص ۴۱۰

☆۱۲۹۔ اعجاز الحق قدوسی، اقبال کے محبوب صوفیہ، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۸۲ء، ص ۲۱۵

☆۱۳۰۔ الیواقیت والجواہر، محولا بالا، ص ۹

☆۱۳۱۔ محی الدین ابن عربی، حیات و آثار، ص ۵۱۵

☆ ۱۳۲۔ تاری البغدادی، در الثمین، ص ۲۶

☆۱۳۳۔ عبد الماجد دریابادی، تصوف اسلام، مکتبہ شاہکار، لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۳۷

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

دوسرا باب

☆۱۔ **ابو محمد علی بن ابی عمرو احمد بن سعید بن حزم:** قرطبہ میں ۲۹ یا ۳۰ رمضان ۳۸۴ھ / ۹۹۴ء میں پیدا ہوا۔ خلیفہ عبد الرحمن الخامس کا وزیر رہا۔ اس کے قتل کے بعد سیاست سے کنارہ کش ہو کر تصنیف و تالیف میں بقیہ زندگی گزاری۔ فقہ ظاہری کا عظیم فقیہہ، حدیث، اصول، تاریخ، ملل ونحل، ادب، نحو، شعر و خطابت پر چار سو کے لگ بھگ کتب تصنیف کیں جو اسی ہزار اوراق پر مشتمل ہیں، جن میں الفصل فی الملل والنحل، جوامع السیاسہ، الاحکام فی اصول الناسخ والمنسوخ اور تواریخ الخلفاء اہم ہیں۔ معتزلہ، اشاعرہ اور ارسطو وغیرہ کا رد کیا۔ اواخر شعبان ۴۵۰ھ / ۱۰۶۴ء میں وفات پائی۔

☆۲۔ ٹ، ج، دو بوائر، تاریخ فلسفہ اسلام، مترجم: ڈاکٹر سید عابد حسین، ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۷ء، ص ۱۸۴، ۲۴۹

☆۳۔ **محمد بن عبد اللہ بن مسرہ بن نجیح:** قرطبہ میں ۲۶۹ھ میں پیدا ہوا۔ ابن مسرہ نے معتزلہ اور باطنیہ سے خوب استفادہ کیا۔ وہ مشہور یونانی فلسفی ایمپی ڈوکلیس (Empedocles) (۴۹۰ ق م - ۴۳۰ ق م

) کے فلسفہ کا دلدادہ' پرچارک اور مدرس تھا- ایمپی ڈوکلیس کی طرح وہ ایک واحد' بسیط' مطلق اور نا قابل ادراک خدا کے افلاطونی تصور کا قائل تھا- ۳۰۰ ھ میں ابن مسرہ نے اپنے شاگردوں اور پیروکاروں کے ایک گروہ کے ساتھ سیرہ قرطبہ میں ایک خانقاہ میں معتکف ہوگیا اور فلسفہ کا درس دینے لگا، ایک نئے مسلک کی بنیاد رکھی اور زہد و ریاضت اور پارسائی میں ایک نئی روش اختیار کی- جب اس کی بعض تعلیمات کی بھنک علماء کے کانوں میں جا پڑی تو اک قیامت برپا ہوگئی اس پر لعن طعن کی گئی دھتکارا پھٹکارا گیا حتیٰ کہ اس پر کفر کا فتویٰ بھی لگایا گیا- افریقہ اور حجاز سے جب وہ اندلس لوٹا تو محتاط ہو چکا تھا اس لئے اشارات و کنایات میں اپنا فلسفہ اپنے پیروکاروں تک منتقل کرتا رہا- جو کتب مخالفین کی دستبرد سے محفوظ رہیں ان میں ایک کتاب تبصرہ ہے جو قرآن مجید کی تفسیر ہے اور دوسری الحروف ہے- ابن عربی نے اپنی تصنیف فتوحات مکیہ جلد دوم کے صفحہ ۵۸ پر اس کتاب کے بعض مطالب نقل کیے ہیں- ابن مسرّہ نے ۳ شوال ۳۱۹ھ/۲۰ اکتوبر ۹۳۱ء کو قرطبہ میں وفات پائی-

☆۴- اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد اول، ص ۶۸۶

☆۵- ٹ، ج، دوبوائر، تاریخ فلسفہ اسلام، ص ۲۵۵

☆۶- محمد صغیر حسن المعصومی، ابن باجہ کے بعض پیشرو اور معاصر فلاسفہ (مقالہ) مشمولہ مجلّہ ''اقبالؒ'' بزمِ اقبال، لاہور، جلد ۵، شمارہ ۴، اپریل ۱۹۵۷ء، ص ۳۵

☆۷- ابوبکر محمد بن یحییٰ صائغ بن ابی اصیبعہ بن خاقان بن باجہ التجیبی الاندلسی السرقسطی: باجہ کے لفظی معنی چاندی کے ہیں- قرونِ وسطیٰ کے مغربی علماء میں ازمپاس (Ayepace) کے نام سے جانا جاتا ہے- پانچویں صدی ہجری کے اواخر میں سرقسطہ (Saragossa) میں پیدا ہوا- (تیسیر شیخ الارض ابن باجہ، دارالعلم بیروت' ۱۹۶۵ء، ص ۹) حافظ قرآن' علوم و ادبیات کا حسین چہرہ' سائنس دان' موشح نویس' ادیب' شاعر' طبیب' ماہر ریاضیات' بلند پایہ موسیقار' ستار میں خوب ماہر- سنِ بلوغ کو پہنچا تو ۱۱۱۸ء میں اشبیلیہ کا رخ کیا اور وہیں سکونت اختیار کر لی اور تصنیف و تالیف میں مصروف ہوگیا- بعد ازاں کچھ عرصہ غرناطہ میں مقیم رہا پھر مغرب کی طرف کوچ کیا اور امرائے مرابطین کے ہاں رسوخ و عزت حاصل کی- تاریخ الحکماء میں لکھا ہے کہ ابن باجہ' یوسف بن تاشفین کے پوتے یحییٰ ابن ابی بکر اور ابوبکر بن ابراہیم کا بیس برس تک وزیر رہا- ابو الحسن علی غرناطی ابن باجہ کا شاگرد اور دوست تھا جو اُسے فلسفہ میں عجوبۂ روزگار اور نادرۂ عصر کہتا تھا اور اُسے فارابی کا ہم پلہ سمجھتا تھا- ابن طفیل اور ابن رشد اس کا نام احترام سے لیتے تھے- ابن طفیل کے نزدیک ذہن و فہم کی تیزی' مشاہدہ کی صحت اور افکار کی درستی میں کوئی اس کا ہم پلہ نہیں- ابن ابی اصیبعہ اُسے حکمت و فلسفہ

میں علامہ عصر اور یکتائے روزگار قرار دیتا ہے- اس نے ارسطو کی بعض کتب مثلاً سماع طبیعی' آثار علویہ' کون و فساد' کتاب حیوان وغیرہ کی شروح بھی لکھیں اور حواشی بھی- خود اس نے بھی ''اتصال الانسان بالعقل الفعال'' اور ''تدبیر التوحد'' جیسی کتابیں تصنیف کیں- فلسفہ کے علاوہ اس نے ریاضی طب اور سیاست' کیمیا' طبیعات پر بھی کتب لکھیں- ابن باجہ کا جوانی ہی میں انتقال ہوگیا- خیال کیا جاتا ہے کہ اُسے ابن زُہر طبیب کے ایما پر کھانے میں زہر دیا گیا- اس کا سالِ وفات ۵۲۵ھ/ ۳۱-۱۱۳۰ء بھی بیان ہوا ہے لیکن زیادہ صحیح ۵۳۳ھ/ ۱۱۳۸ء ہے کیونکہ ابن باجہ کی تصانیف کے مجموعے پر جو اس کے شاگرد ابن الامام نے خود ابن باجہ کے سامنے پڑھا تھا- تاریخ کتابت ۱۵/ رمضان ۵۳۰ھ مرقوم تھی- اس مخطوطے کی ایک نقل جو ۵۴۷ھ میں تیار ہوئی تھی آکسفورڈ میں محفوظ ہے-

(تاریخ الحکماء، از: قفطی، ص ۳۰۶، اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد اوّل، ص ۴۲۶ تا ۴۲۸)

☆۸_ مالک بن یحییٰ بن وہیب بن احمد بن عامر بن ایمن بن سعد الازوی: کنیت ابوعبداللہ، لورا (Lora Delrio) جو اشبیلیہ سے متصل ہے، میں ۴۵۳ھ/ ۱۰۶۱ء میں پیدا ہوا تھا- ۵۲۵ھ/ ۱۱۳۰ء میں مراکش میں انتقال کیا-

☆۹_ محمد صغیر حسن المعصومی، محولا بالا، ص ۳۸

☆۱۰_ ایضاً، ص ۳۹

☆۱۱_ سعید بن فتحون کے بارے میں قاضی صاعد طلیطلی (طبقات' بیروت صفحہ ۶۸'۶۹) کا بیان ہے کہ ابو عثمان سعید بن فتحون ابن مکرم المعروف بالحمار سرقسطی' ہندسہ' منطق' موسیقی اور فلسفہ کے دوسرے علوم میں بڑا ماہر اور نحو و علم اشتقاق اللغۃ کا امام تھا- اس کی ایک تصنیف موسیقی میں تھی- فلسفہ میں اس کی ایک بڑی اچھی کتاب ہے جس کا نام شجرۃ الحکمہ ہے اور دوسری تصنیف تعدیل العلوم ہے- المنصور محمد بن ابو عامر (زمانہ حکومت ۹۸۱ء تا ۱۰۰۲ء) کے زمانہ میں اس پر بڑی آفت آ پڑی جس کی وجہ مشہور ہے اور اس لیے قید سے چھوٹتے ہی اس نے اسپین کو چھوڑا اور سسلی میں مرا- وہ منطق میں ابن الکتانی (۳۴۰ھ/ ۹۶۹ء--۴۲۰ھ/ ۱۰۲۹ء) کا استاد تھا-

☆۱۲_ احمد بن محمد المقری، نفح الطیب، جلد ۲، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ھ، ص ۲۸۲

☆۱۳_ ابوبکر محمد بن عبدالملک بن محمد بن محمد بن طفیل القیسی: ۴۹۴ھ/ ۱۱۰۰ء کے لگ بھگ وادیٔ آش جو کہ غرناطہ سے چالیس میل شمال مشرق میں واقع ہے' میں پیدا ہوا- خاندان اور تعلیم و تربیت کے متعلق زیادہ معلومات نہیں- طبیب بھی تھا- غرناطہ' طنجہ اور سبتہ کے گورنروں کا کاتب رہا آخر میں ابو یعقوب یوسف کا

طبیب مقرر ہوا- ابن طفیل کو ابو یعقوب کے ہاں بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا- اس نے ۸۱-۵۸۰ھ میں مراکش میں وفات پائی۔

☆۱۴۔ یونانی فلاسفہ میں **فیثا غورث** (۵۸۲-۵۰۰ق م) وہ پہلا یونانی فلسفی ہے جس کے افکار میں وحدت الوجودی فکر کے ابتدائی آثار نظر آتے ہیں- ریاضی دان ہونے کے ناطے اس نے ریاضیات اور الٰہیات میں ایک عجیب امتزاج پیدا کیا- اس کا خیال تھا کہ انسان کی روح خدائے مطلق کے نور ازلی کا ایک جزو ہے نیز یہ کہ عدد ہی اشیاء کا جوہر ہے- ہر شے عدد ہے اور فقط عدد پر مشتمل ہے وغیرہ وغیرہ (روایاتِ فلسفہ، از علی عباس جلال پوری، خرد افروز، جہلم، ۱۹۹۲ء، ص ۲۸) **زینوفینز** (۷۶-۵۷۲ق م تا ۴۸۰ق م) کائنات اور خدا کو ہم وجود سمجھتا تھا وہ جب کائنات کو دیکھتا تھا تو کہتا تھا کہ سب کچھ ایک ہے اور تمام وجود خدا ہے- افلاطون کے مطابق تمام اشیاء کی وحدت کی تعلیم سب سے پہلے زینوفینز نے دی- اس نے خدا اور کائنات کی وحدت اور سرمدیت کو پیش کیا- **پارمی نائیڈیز** (پیدائش: ۴۴-۵۴۰ق م) نے وحدت کی تمام صفات کو بطور نتیجہ لازم تمام حقیقتِ موجودہ پر عائد کیا اور اشیاء کی کثرت اور ان کے تغیر کی نسبت کہا کہ یہ محض نمود بے نمود ہے- تمام اشیاء کا اصلاً ایک ہونے کا انکشاف کر کے پارمی نائیڈیز نے مذہب و تصوف کو وحدت وجود اور فلسفے کو احدیت کے تصورات دیے- (روایاتِ فلسفہ، ص ۳۰) **افلاطون** (۴۳۱ق م-۳۵۱ق م) کے نظریہ اعیان کو فلسفے کی اصل روح کہا جا سکتا ہے- نظریہ اعیان مختصر الفاظ میں یہ ہے:

> "یہ دنیا جو ہمیں نظر آ رہی ہے اصل دنیا نہیں ہے بلکہ یہ اصل دنیا کا پرتو ہے یا مجاز ہے- اصل دنیا کو ہم اپنی ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتے بلکہ اپنے علم یا اعیان (IDEAS) کے ذریعے سے دیکھ سکتے ہیں- دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ افلاطون کے نزدیک صور علمیہ یا اعیان ثابتہ ہی حقیقی وجود رکھتے ہیں اور عالم محسوس یا عالم مادی اس حقیقی عالم یعنی عالم اعیان کا محض عکس یا پرتو ہیں۔" (تاریخ فلسفہ یونان، از نعیم احمد، علمی کتاب خانہ لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۱۱۸)

ارسطو (۳۸۴ق م-۳۲۲ق م) خدا کی وحدانیت پر پختہ یقین رکھتا تھا- اس کے نزدیک حقیقتِ اولیٰ تمام کائنات کا مقصد یا غائت ہے- خدا خود ہی موضوع ہے اور خود ہی معروض- وہ کہتا ہے کہ جس طرح روح جسم کی ہیئت ہے اسی طرح خدا کائنات کی ہیئت ہے- ہمارے ہاں صوفیہ وجودیہ نے اس قول کو وحدتِ وجود کے اثبات میں پیش کیا- (روایاتِ فلسفہ، ص ۵۱) **فلاطینوس** (۲۰۵ء-۲۷۰ء) جو جدید فلاطونیت کا حقیقی بانی ہے اس کا نظام بھی خدا کے تصور سے شروع ہوتا ہے اور خدا کے ساتھ اتحاد میں ختم ہوتا ہے- وہ حقیقی معنوں میں ایک صوفی اور راہب تھا- اس نے مشرق اور مغرب کی تمام فکری کاوشوں اور مذہبی افکار سے

استفادہ کیا اوران کی بنیاد پر نظامِ فکر پیش کیا-عیسائیوں اور مسلمانوں میں تصوف کی جو شکل رائج ہوئی اس کی تشکیل و تعمیر میں اس کا بہت حصہ ہے۔ (تاریخ تصوف قبل از اسلام،از بشیر احمد ڈار،ص ۴۱) اپنی کتاب ''اینیڈز'' میں فلاطینوس خدا کے بارے میں کہتا ہے:

> ''خدا کی ذات تمام کائنات کا مرکز ہے اوراس سے دور رہنا گویا اپنی فطرت سے بغاوت کرنا ہے اوراس سے رابطہ پیدا کرنا اپنی فطرت اور کائنات سے ہم آہنگ ہونے کے مترادف ہے''
>
> (اینیڈز،انگریزی ترجمہ:سٹیفن میکینا،لندن ۱۹۵۶ء،ص ۵۳۶)

فلاطینوس کے نظریات اس لحاظ سے بڑے اہم ہیں کہ وہ براہ راست عیسوی کلام پر اور بالواسطہ مسلمانوں کے تصوف اورعلم کلام پر اثرانداز ہوئے-ابن عربی کا اللہ' افلاطون کا خیـــر مـحـض اور فلاطینوس کی ذاتِ احد ایک ہی مفہوم میں استعمال کیے گئے ہیں-شیخ اکبر نے فلاطینوس کی عقل اول کو **حقیقت محمدیہ** کا نام دیا ہے۔(روایاتِ فلسفہ،ص ۹۰،۹۱)

☆۱۵۔**عبداللہ یا ابوالفیض ثوبان بن ابراہیم** :المعروف ذوالنون مصریؒ،اصل وطن ''اخمیم (مصر)'' ۱۸۰ھ/۷۹۶ء میں قاہرہ کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔آزادشدہ غلام،امام مالک کے شاگرد اور اسرافیل کے مرید،رسالہ قشیریہ کے مطابق ۲۴۵ھ جبکہ نفحات الانس کے مطابق ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔ان کے اس قول سے وجودی فکر کی تائید ہوتی ہے:

> ''انسان جب اللہ سے محبت کرنے لگتا ہے تو ایک وقت ایسا بھی آتا ہے جب وہ اس سے متحد ہو جاتا ہے'اس کی ذات میں سرتاپا ڈوب جاتا ہے اور پھر اس کا ذاتی تشخص ختم ہو کر ذاتِ خداوندی کا ایک حصہ بن جاتا ہے'' (تاریخ تصوف اسلام،از مصطفیٰ حلیمی پاشا،مترجم:رئیس احمد جعفری،لاہور،۱۹۵۰ء،ص ۲۱۲)

☆۱۶۔**بایزید بسطامیؒ** :(۱۲۸ھ /۷۴۵ء-۲۲۱ھ /۸۷۴ء)،پورا نام ''ابویزید طیفور بن عیسیٰ بن سروشان،بُسطام میں پیدا ہوئے،دادا مجوسی تھے،فقہ حنفی کی تعلیم ابوعلی سندھی سے حاصل کی۔حقیقت ومعرفت کا سبق بھی انہی سے پڑھا۔امام جعفر صادق ؓ سے بھی کسب فیض کیا۔کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی البتہ مختلف صوفیہ کی کتب تصوف میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔اصول تجرید فنا بالتوحید میں آپ کا قائم کردہ اصول تصوف بہت مشہور ہے۔بسطام میں ہی انتقال کیا۔شیخ فرید الدین عطار کے مرتب کردہ **تذکرہ اولیاء** ص ۱۰۲ سے چند اقوال:

> ٥ ''سانپ کے کینچلی اتارنے کی مانند جب میں بایزید سے نکلا تو دیکھا کہ عاشق ومعشوق

دونوں ایک ہی (ذات کے دو جلوے) ہیں کیونکہ توحید کے عالم میں ایک ہی کو دیکھا جا سکتا ہے"

- ''بہت سے مقامات مجھ کو نظر آئے لیکن جب غور کیا تو اپنے آپ کو صرف اللہ کے مقام میں پایا"
- ''اللہ تعالیٰ تیس سال تک میرا آئینہ بنا رہا ہے لیکن اب میں خود اپنا آئینہ ہوں یعنی جو کچھ میں تھا وہ نہیں رہا کیونکہ میں اور حق شرک ہے جب میں نہ رہا تو اللہ تعالیٰ اپنا آئینہ بن گیا اور یہی میں کہتا ہوں کہ میں اپنا آئینہ آپ بن گیا۔ یہ بات جو میں کرتا ہوں دراصل وہ خود ہے میں بیچ میں نہیں ہوں"
- ''مدت تک میں خانہ کعبہ کا طواف کرتا رہا لیکن جب خدا تک پہنچ گیا تو کعبہ خود میرا طواف کرنے لگا"

☆۱۷۔ حُسین بن منصور حلاج: (۸۵۸ء۔۹۲۱ء)، بیضا (فارس) میں پیدا ہوئے۔ عمر کا ابتدائی زمانہ عراق کے شہر واسط میں گزرا پھر اہواز کے ایک مقام تستر میں سہل بن عبداللہ اور پھر بصرہ میں عمرو مکی سے تصوف میں استفادہ کیا۔ ۲۶۴ھ میں بغداد آ گئے اور جنید بغدادی کے حلقۂ تلمذ میں شریک ہو گئے۔ عمر کا بڑا حصہ سیر و سیاحت میں بسر ہوا۔ تین مرتبہ مکہ گئے۔ ہمہ اوست کے قائل تھے۔ انا الحق کا نعرہ لگانے پر ۲۹۷ھ/۹۰۹ء میں ابن داؤد اصفہانی کے فتوے کی بنیاد پر پہلی مرتبہ گرفتار ہوئے۔ ۳۰۱ھ میں دوسری مرتبہ گرفتار ہوئے اور آٹھ سال تک مسلسل اسیر رہے۔ ۳۰۹ھ میں ان کے مقدمہ کا فیصلہ ہوا اور ۱۸ ذی قعد کو سولی پر چڑھا دیا گیا۔ وفات کے بعد علماء کے گروہ نے انہیں کافر و زندیق قرار دیا اور دوسرے گروہ نے جن میں رومیؒ اور عطارؒ جیسے عظیم صوفی شعرا شامل تھے، انہیں ولی اور شہیدِ حق کہا۔ حلاج نے تصوف، طریق تصوف اور اپنے مخصوص عقائد و نظریات کی شرح میں متعدد کتب و رسائل قلمبند کیے جن کی تعداد سنتالیس سے اوپر ہے۔ اصول و الفروع، کتاب ھُو ھُو، کتاب علم البقاء و الفنا، کتاب العدل والتوحید وغیرہ زیادہ مشہور ہیں۔ حلاج کہتے ہیں:

''میرے اور تیرے درمیان صرف ایک ''میں'' ہے جو میرے لیے باعث عذاب ہے۔ مجھ پر رحم کر اور اس ''میں'' کو درمیان سے اٹھا لے۔ میں ''وہ'' ہوں جس سے میں محبت کرتا ہوں اور جس سے میں محبت کرتا ہوں وہ ''میں'' ہوں۔ ہم ایک جسم دو روحیں ہیں۔ اگر تو مجھے دیکھتا ہے تو اسے دیکھتا ہے اور اگر تو اسے دیکھتا ہے تو ہم دونوں کو دیکھتا ہے"

(لیکسی آف اسلام، از سر تھامس آرنلڈ، آکسفورڈ یونیورسٹی پریس لندن، ۱۹۳۱ء، ص ۲۱۸)

☆۱۸۔ ڈاکٹر سلطان الطاف علی، حسین بن منصور حلاج، تاشاد پبلشرز لاہور، ۱۹۹۵ء، ص ۵۴

☆۱۹۔ **محمد بن علی بن حسن بن بشیر المعروف ابوعبداللہ حکیم ترمذی**: تصوف کے سلسلہ حکیمیہ کے بانی۔ خراسان اور عراق کے مختلف علماء سے حدیث پڑھی۔ امام اعظمؒ کے فیض یافتہ ،نواد الاصول اور ختم الولائیۃ اہم کتب ہیں۔ مؤخر الذکر کتاب کی وجہ سے کفر کا فتویٰ لگا اور انہیں ترمذ سے جلاوطن ہو کر بلخ میں پناہ لینی پڑی۔ صاحب سفینۃ الاولیاء کے مطابق ۲۵۵ھ میں اسی برس کی عمر میں انتقال کیا۔

☆۲۰۔ **محمد بن علی بن عطیہ الحارثی المکی**: مکّہ میں پیدا ہوئے۔ شیخ عارف ابوالحسین محمد بن ابی عبداللہ احمد بن سالم بصری کے مرید، قرآن و حدیث پر گہری نظر رکھتے تھے۔ محدث اور صوفی تھے۔ بصرہ کے متکلم فرقہ سالمیہ کے پیشوا ،تصوف کی اوّلیں اور مشہور کتاب ''قوت القلوب'' تصنیف کی۔ مشائخ طریقت کے نزدیک دنیائے اسلام میں اس پائے کی کوئی کتاب رموز طریقت پر نہیں۔ کہتے ہیں کہ امام غزالیؒ کی ''احیاء العلوم'' کے صفحے کے صفحے قوت القلوب سے لیے گئے ہیں۔ ابن خلکان نے وفات الاعیان میں تاریخ وفات ۶ جمادی الآخر ۳۸۶ھ درج کی ہے۔ بغداد میں مقبرہ مالکیہ میں مدفون ہیں۔

☆۲۱۔ شیخ ابو طالب محمد بن عطیہ حارثی المکی، ''قوت القلوب'' مترجم: محمد منظور الوجیدی، (جلد دوم) شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۳۰۱ تا ۱۰۴

☆۲۲۔ امام غزالیؒ، وحدت الوجود کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''عارفوں نے حقیقت کی انتہائی بلندی پر پہنچنے کے بعد بالاتفاق یہ بات کہی ہے کہ انہوں نے وجودِ واحد یعنی حق تعالیٰ ہی کو دیکھا ،لیکن ان میں سے کچھ کے لیے یہ حالت علمی عرفان کی ہے اور کچھ کے لیے خالص ذوقی وحالی ہے۔ ان کی نظروں میں کثرت بالکلیہ معدوم ہو جاتی ہے اور وہ وحدانیت محض میں ڈوب جاتے ہیں، اس میں ان کی عقلیں گم ہو کر رہ جاتی ہیں اور وہ آئینۂ حیرت بن کر رہ جاتے ہیں، نہ انہیں خود اپنا ہوش رہتا ہے اور نہ ہی اللہ کے سوا کسی اور کی یاد وسمائی ان کے اندر باقی رہتی ہے۔ وہ فی الواقع مدہوش ہو جاتے ہیں اور ان کی عقلیں ان سے رخصت ہو جاتی ہیں، چنانچہ ان میں سے کوئی ''انا الحق'' پکار اٹھتا ہے، کوئی ''سبحانی ما اعظم شانی'' اور کسی کی زبان سے ''مافی الجبت اِلّا اللہ'' کا فقرہ نکل جاتا ہے۔ عاشقوں کے کلام کو جو حالتِ سکر میں ان سے صادر ہوتا ہے، لپیٹ کر رکھ دینا چاہیے، اس کو بیان نہیں کیا جانا چاہیے۔ جب وہ حالتِ سکر سے باہر آتے ہیں تو وہ جان لیتے ہیں کہ یہ فی

الواقع اتحاد نہیں تھا بلکہ اس سے ملتی جلتی حالت تھی۔'' (مشکوٰۃ الانوار، ص۱۹)

☆۲۳۔ابوالقاسم احمد بن حسین قسی: خاندان کا تعلق روم سے، شعر وادب میں خاص شہرت، اندلس کے آئمہ تصوف میں شمار ہوتا تھا، امام غزالی کی کتب سے خاص شغف اوران کے شارح۔ قسی کی سب سے اہم کتاب ''خلع النعلین'' ہے۔ ابن عربی نے تیونس کے قیام کے دوران یہ کتاب ان کے بیٹے قاسم سے ۵۹۰ھ میں سماعت کی اوراس کی شرح لکھی۔ کہتے ہیں کہ ابن قسی نے مہدویت کا بھی دعویٰ کیا تھا۔ ۵۴۶ھ میں شلب میں ایک پیروکار کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

☆۲۴۔ابوالعباس احمد بن محمد بن موسیٰ بن عطا اللہ صنہاجی اندلسی المعروف بہ ابن عریف: یکشنبہ ۲ جمادی الآخر ۴۸۱ھ میں الریہ میں پیدا ہوئے۔ حدیث، فقہ اور قرات میں ماہر، تصوف کے ایک خاص سلسلہ کی بنیاد رکھی۔ محاسن المجالس، تصوف پر ان کی اہم کتاب ہے، ابن عربی انہیں ادیب زماں لکھتے ہیں اور کئی جگہ ان کے اقوال نقل کر کے ان کی تعریف وتحسین کی ہے۔ ۲۲ صفر ۵۳۶ھ میں مراکش میں وفات پائی۔

☆۲۵۔حسین بن عبداللہ بن سینا: اگست ۹۸۰ء مطابق ۳۷۰ھ میں بخارا کے علاقہ افشنہ میں پیدا ہوئے اور جون ۱۰۳۷ء/۴۲۸ھ میں ہمدان میں وفات پائی۔ مشرق ومغرب میں فلسفہ وطب کے امام، ۹۹ کتب تصنیف کیں، القانون (۱۴ جلدیں)، الشفا (۱۸ جلدیں) اور ''لسان العرب'' یورپ اور ایشیا کی بڑی بڑی درسگاہوں میں داخلِ نصاب رہیں، ارسطو کے فلسفہ پر گہری نظر تھی۔ ڈاکٹر سید حسین نصر، ان کے مابعد الطبیعاتی نظریہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''ابن سینا کی مابعد الطبیعات اساسی طور پر علمِ ہستی سے متعلق ہے۔ اس کے نزدیک ہر شئے کی حقیقت اس کے وجود (Existence) سے وابستہ ہے اور کسی بھی شئے کا علم پایانِ کار کائنات کے سلسلہ وجود میں اس کے مرتبے کا علم ہے جو اس کی جملہ صفات اور کیفیات کا تعین کرتا ہے۔ کائنات کی ہر چیز اس اعتبار سے کہ وہ موجود ہے ہستی مطلق میں غوطہ زن ہے تاہم خدا یا ہستی مطلق (Pure Being) جو تمام اشیاء کا مبدا اور خالق ہے ایک سلسلہ متصلہ کا اوّلین کلمہ (تام) نہیں اس لیے کہ ہستہائی عالم سے اس کا کوئی جوہری یا عرضی اتصال نہیں۔'' (تین مسلمان فیلسوف، ص۴۷)

☆۲۶۔تین مسلمان فیلسوف، ص۱۳۳

☆۲۷۔محی الدین ابن عربیؒ حیات وآثار، محولا بالا، ص۸۶

☆۲۸ تین مسلمان فیلسوف، ص۹۱،

☆۲۹۔ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، کے بقول:

''ابن عربی کی شخصیت ام العجائب تھی- ایک طرف وہ شدید وحدت الوجودی تھے- مگر دوسری طرف وہ اتنے ہی کٹر قسم کے توحید پرست بھی تھے- ان کی شخصیت ایک معمہ ہے-''

(رومی کی مابعد الطبیعات، از ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، مطبوعہ لاہور، ۱۹۶۰ء، ص:۵)

☆۳۰۔ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

''ان کی ناقابل انکار تخلیقی اور امتزاجی صلاحیت نے ایک ایسا دینی فکری و تخیلی مجوبہ تیار کیا جو اچھا ہو یا برا چونکا دینے والا اور مبہوت کر دینے والا ضرور تھا- ان کی فکر سے طبع انسانی یا ذوقِ انسانی کے وہ خلا پُر ہو جاتے ہیں جو کٹر ی اور متقشف دین داری سے بالعموم پیدا ہو جاتے ہیں-''

(شیخ اکبر محی الدین اور اقبال، از ڈاکٹر سید عبداللہ، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی لاہور، ۱۹۷۹ء، ص:۱۲،۱۱)

☆۳۱۔ محمد سہیل عمر، ابنِ عربی اور اقبال (مقالہ) مشمولہ ماہنامہ ''سیارہ'' لاہور، اشاعتِ خاص ۳۹، دسمبر ۱۹۹۵ء، جلد ۶۹، شمارہ ۴، ص ۳۶، ۵۲

☆۳۲۔مولانا محمد حنیف ندوی 'عقلیاتِ ابن تیمیہ' مطبوعہ ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، ۱۹۸۱ء، ص:۳۱۲

☆۳۳۔اسماعیل پاشا بغدادی، کشف الظنون، جلد اول، استنبول ۱۹۴۵ء ص ۴۳۸

☆۳۴۔ڈاکٹر محمد طفیل، علمائے اندلس کی تفسیری خدمات، (مقالہ) مشمولہ سہ ماہی ''فکر ونظر'' اسلام آباد، خصوصی شمارہ (اندلس کی اسلامی میراث)، اپریل تا دسمبر ۱۹۹۱ء، ص ۶۴ تا ۶۶

☆۳۵۔محی الدین ابن عربی، ترجمان الاشواق، بیروت، ۱۹۶۶ء، ص ۱۱

☆۳۶۔ایضاً، ص ۱۵۲، ۱۵۳

☆۳۷۔ایضاً، ص ۴۳، ۴۴

☆۳۸۔آنخل جنالث پلنثیا، تاریخ الفکر الاندلسی، (ہسپانوی سے عربی ترجمہ: حسین مونس)، قاہرہ، ۱۹۵۵ء، ص ۵۵، ۵۶

☆۳۹۔عربی شاعری اندلس میں (مقالہ) از: ڈاکٹر خورشید رضوی، مشمولہ سہ ماہی ''فکر ونظر'' اسلام آباد (خاص شمارہ: اندلس کی اسلامی میراث) محولا بالا، ص ۳۱۷ تا ۳۲۲

☆۴۰۔تین مسلمان فیلسوف، محولا بالا، ص:۱۳۶

☆۴۱۔ Asin, Palacios. "Islam and the Divine Comedy" (Eng.Tr.H.Sunderland), London.1926.p:49-51

☆۴۲۔محی الدین ابن عربی،فصوص الحکم،مترجم:محمد برکت اللہ لکھنوی فرنگی محلی،مطبع مجتبائی لکھنو،۱۳۲۱ھ،ص۶۶،۶۷

☆۴۳۔محمد حسن عسکری،وقت کی راگنی،قوسین لاہور،۱۹۷۹ء،ص۶۳

☆۴۴۔دنیا کی سو عظیم کتابیں،ص۲۴۲

☆۴۵۔محی الدین ابن عربی۔حیات وآثار،ص۸۱

☆۴۶۔افادات شیخ محی الدین ابن عربی،از:شیخ محب اللہ الہ آبادی،(دیباچہ)،محولا بالا،ص۴،۵

☆۴۷۔تین مسلمان فیلسوف،محولا بالا،ص۲۳۴،۲۳۵

☆۴۸۔برصغیر پاک وہند میں تصوف کی مطبوعات،مؤلف:محمد نذیر رانجھا،میاں اخلاق اکیڈمی لاہور،۱۹۹۹ء،ص۶۴

☆۴۹۔سید شاہد زعیم فاطمی،فصوص الحکم کی تلخیص،مشمولہ ماہنامہ"سیارہ ڈائجسٹ"لاہور،شمارہ جون۱۹۷۶ء،صفحات۱۴تا۱۹

☆۵۰۔فصوص الحکم،مترجم:عبدالقدیر صدیقی،ص۷۹

☆۵۱۔عقلیات ابن تیمیہ،ص۳۱۲تا۳۱۴

☆۵۲۔سید صباح الدین عبدالرحمٰن،ہندوستان میں وحدت الوجود کے مسئلہ پر ایک نظر،مشمولہ"بزمِ صوفیا" نفیس اکیڈمی کراچی،طبع اوّل،نومبر۱۹۸۷ء،ص۶۹۷،۶۹۸

☆۵۳۔مولانا ابوالکلام آزاد،ترجمان القرآن(جلد اوّل)،اسلامی اکادمی لاہور،۱۹۷۶ء،ص۱۷۲

☆۵۴۔محی الدین ابن عربی۔حیات وآثار،ص۲۶۹

☆۵۵۔محی الدین ابن عربی،فتوحات مکیہ،مترجم:صائم چشتی(جلد دوم)علی برادران فیصل آباد،۱۹۹۱ء،ص۲۴

☆۵۶۔مہر منیر،مرتب:مولانا فیض احمد فیض،لاہور،۱۳۷۶ھ،ص:۴۶۸۔

☆۵۷۔تین مسلمان فیلسوف،محولا بالا،ص۱۴۵،۱۴۷

☆۵۸۔سید علی عباس جلال پوری،اقبال کا علمِ کلام،کتاب نما،لاہور،۱۹۷۲ء،ص۱۰۵،۱۰۶

☆۵۹۔محی الدین ابن عربی،فصوص الحکم،مترجم:محمد برکت اللہ لکھنوی فرنگی محلی،تصوف فاؤنڈیشن لاہور،۱۹۹۹ء،ص۲۷۷،۲۷۸

☆۶۰۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ،جلد اوّل،ص۶۱۲

☆۶۱۔محی الدین ابن عربی،حیات وآثار:ص۲۳۷

☆۶۲۔ایضاً،ص۳۵۳

☆۶۳۔ایضاً،ص۳۷۷تا۳۸۶

☆۶۴۔ایضاً،ص۴۰۵تا۴۲۱

☆۶۵۔ایضاً،ص۴۴۶

تیسراباب

☆۱۔شیخ اکبرمحی الدین اوراقبال،از:ڈاکٹرسیدعبداللہ،مغربی پاکستان اردواکیڈمی لاہور،۱۹۷۹ء،ص۱۰

☆۲۔عبدالوہاب شعرانی،الیواقیت والجواہر،(فصل اول)،مطبوعہ مصر،۱۳۲۱ھ،ص۷

☆۳۔**شیخ عزالدین بن عبدالسلام:** (۵۷۷ھ۔۵۷۸...۶۶۰ھ) جامع علوم وکمالات شخصیت،فقہ اور عربی زبان وادب کے زبردست ماہر،دمشق کے خطیب اور مملکت مصر کے قاضی رہے۔شروع میں شیخ الاکبر کی مذمت کی بعد میں مدح وتعریف کی اور انہیں ولی،قطب اور غوث تک کہا۔(شذرات الذھب جلد پنجم،ص۱۹۳)۔شیخ الاکبر کے معاصرین میں سے تھے۔شیخ عزالدین کے خادم خاص نے ان سے دریافت کیا کہ آج کل قطب وقت کون ہے؟ تو شیخ عزیزالدین نے کہا''شیخ اکبرمحی الدین ابن عربی''۔خادم نے عرض کیا ''لیکن آپ نے تو ان پرکفر کے فتوے لگائے ہیں''انہوں نے جواب دیا کہ جب مجھ سے تم نے خاص وقت میں پوچھا ہے تو یہی جواب ہے اگر عام وقت یعنی عوام کے سامنے پوچھو گے تو وہی فتوے دوں گا۔

(مقامیس المجالس،از:مولانا رکن الدین،مترجم:کپتان واحد بخش سیال،بزم اتحاد المسلمین،لاہور،۱۴۱۱ھ،ص۱۰۴۸)

☆۴۔**شیخ رکن الدین علاؤالدولہ سمنانی:** (۶۵۹ھ۔۷۳۶ھ) ایران کے بزرگ،عارف وسالک،فارسی اور عربی میں گرانقدر تالیفات وتصنیفات۔فصوص الحکم کی شرح اور فتوحات مکیہ پر بھی حاشیہ آرائی کی۔ابن عربی کی تعظیم وتکریم اور احترام کے باوصف ان کے نظریہ وحدت الوجود کو قبول نہیں کیا اور حواشی میں مختلف جگہوں پر سخت نکتہ چینی کی ہے۔

☆۵۔**حافظ تقی الدین ابوالعباس احمد المعروف بہ ابن تیمیہ:** ۱۰ربیع الاول ۶۶۱ھ/۱۲۶۳ء کو حران میں پیدا ہوئے جو موصل اور شام کے درمیان چھوٹا سا شہر ہے۔آپ عرب نژاد بہرحال نہیں تھے بلکہ غالباً کرد تھے۔آپ کے والد شیخ عبدالحلیم شہاب الدین (المتوفی ۶۸۲ھ۔دمشق) بلند پایہ عالم دین اور دادا مجد الدین کی کتاب ''المحرر''فقہ حنبلی کی اہم کتاب تصور کی جاتی ہے۔آپ کے دادا نے ۶۵۲ھ میں تہران میں وفات پائی۔چھ سات برس کی عمر میں ابن تیمیہ کا خاندان حران سے دمشق ہجرت کر آیا۔قرآن وحدیث

کے حفظ کے ساتھ ساتھ فقہ میں دسترس حاصل کی- بائیس برس کی عمر میں مسند درس و تدریس سنبھالی- ۷۰۰ھ/۶۹۹ھ میں تاتاریوں کے خلاف جہاد میں بہ نفس نفیس حصہ لیا- بدعات اور عقائد باطلہ کے خلاف زبان اور قلم سے جہاد کیا- مخالفین نے بہت اذیتیں دیں- ۱۳۰۵ء میں سلطان مصر کے حکم سے گرفتار کر لئے گئے- مگر تصنیف و تالیف کا سلسلہ جاری رہا- دو سال بعد رہا ہوئے مگر پھر قید کر دیے گئے- قید خانے میں ہی ۲۰ ذیقعد ۷۲۸ھ/ ۱۳۲۸ء کو وفات پائی- تفسیر' حدیث' فقہ' نحو' لغت' ہیئت' جبر و مقابلہ' ریاضی' علوم عقلی و نقلی اور علوم اہل کتاب کے فاضل تھے- تصانیف کی تعداد تین سو کے لگ بھگ ہے- ان کے معروف حریف علامہ کمال الدین الزملکانی نے ان کی علمی جامعیت اور ہمہ دانی کا اعتراف ان الفاظ میں کیا ہے: ''ابن تیمیہ کے لیے اللہ تعالیٰ نے علوم اس طرح نرم کر دیے تھے جس طرح داؤد علیہ السلام کے لیے لوہا نرم کر دیا تھا۔'' زبان و بیان اور فتاویٰ میں انتہائی متشدد تھے- علامہ ذہبی لکھتے ہیں:

''میرا خیال یہ ہے کہ ابن تیمیہ علم کی ہمہ گیری' شجاعت و جوانمردی' ذہن کی اعلیٰ اقدار اور دین اسلام' محرمات کی تعظیم اور تکریم کے باوجود بشر ہیں اور بشریت کے عناصر سے خالی نہیں اس لیے کہ بحث اور مناظرے میں بہت جلدی غضبناک ہو جاتے ہیں- تیوری پر بل پڑ جاتے ہیں اور اپنے مدمقابل پر بعض اوقات ایسی چوٹیں کر جاتے ہیں کہ اس کے دل میں دشمنی اور عداوت کا بیج بو یا جاتا ہے اور اگر یہ کمزوری ان کے مزاج میں نہ ہو تو یقیناً مجموعہ صفات ہو سکتے تھے۔'' (بحوالہ: امام ابن تیمیہ، از: پروفیسر ابو زہرہ، مترجمین: رئیس احمد جعفری، نائب حسن نقوی، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۵۱)

مستشرقین کے نزدیک کٹر رجعت پسند تھے جیسا کہ سارٹن نے ''ہسٹری آف سائنس'' میں ان پر دو واضح الزام عائد کیے ہیں- ایک اپنے سوا دیگر فرق و مذاہب کے مقابلہ میں ان کی عدم رواداری اور تشدد کا اور دوسرے یہ کہ یہ قرآن و حدیث کی تعبیر و تشریح کے سلسلہ میں حد درجہ حرفیت پسند (LITERALIST) تھے-(Georj Sarten; "Histroy of Science" vol.3.Balti More,1927,p;421.)

''امام ابن تیمیہ'' نامی کتاب کے مصنف پروفیسر ابو زہرہ مصری ''ابن تیمیہ'' کے مزاج کے اسی رخ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''امام موصوف کے کمالات پر محققانہ نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ میں ایک صفت ایسی بھی موجود تھی جو اچھی نہیں کہی جا سکتی اور وہ تھا گفتگو میں درشت لہجہ- یہ فعل کبھی کبھی اتنا تکلیف دہ ہو جایا کرتا کہ آدمی دوا کی تلخی کے سبب اچھا ہونے کی بھی خواہش چھوڑ دیتا ہے اور

آپ کی تیزیٔ طبع تو بعض اوقات دلیل و حجت سے قطع نظر کر کے طعن کی منزل میں پہنچا دیا کرتی تھی'' (محولا بالا، ص ۱۹۶)

ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد ابن قیم کے بارے میں پیر مہر علی شاہ صاحب نے سب سے زیادہ متوازن رائے قائم کی ہے، کہتے ہیں:

''ان کے متبحر عالم اور خادمِ اسلام ہونے میں کلام نہیں مگر بعض اجماعی مسائل میں رعائت توحید کے زعم میں تشدد اختیار کر گئے ہیں اور حضرات اہل اللہ خصوصاً حضرت شیخ اکبر قدس سرہ العزیز کے مسلک توحیدِ وجودی کو غلط طور پر پیش کر کے ایک بُری مثال قائم کی''

(مہر منیر، مرتب: مولانا فیض احمد فیض، لاہور، ۱۳۷۶ھ، ص ۱۴۲)

یہاں ج- مقدیسی کا ایک وضاحتی مقالہ بعنوان ابن تیمیہ: قادریہ سلسلہ کے ایک صوفی جس کے مترجم محمد سہیل عمر ہیں' کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا اس مقالے میں فاضل مقالہ نگار نے ابن تیمیہ کو تصوف یا ابنِ عربی کا مخالف تو کجا 'انہیں قادریہ سلسلہ کا ایک صوفی ثابت کیا ہے- وہ لکھتے ہیں:

''ابن تیمیہ کو صرف ابن عربی کے وحدت الوجود پر گرفت کرنے والا سمجھا جانے لگتا ہے- ساتھ ہی یہ بھی کہا جانے لگا کہ وہ تصوف کو ردّ کرنے کے باوجود اسلام کے دائرہ کار میں روحانی اقدار کے موید تھے--- حنابلہ کی تصوف دشمنی کا تصور ذہنوں میں ایسا گہرا گڑا ہوا ہے کہ اس سے چھٹکارا مشکل ہے- حتیٰ کہ جب ہمیں یہ بھی پتہ چل جاتا ہے کہ عبدالقادر الجیلیؒ (حضرت غوث الاعظم) حنبلی تھے تو ہم جھٹ اس ظاہری انحراف کیلیے توجیہہ ڈھونڈ لیتے ہیں' یہ فرض کر لیتے ہیں کہ تصوف سے وابستہ ہونے کے بعد وہ حنبلی نہ رہے تھے اور انہوں نے جو سلسلۂ تصوف کی بنا ڈالی تو اس میں وہ غزالی سے متاثر تھے-

حنابلہ اور تصوف کی مخاصمت کا کلیہ اب قرین قیاس نہیں رہا---- وہ سلاسل بیعتِ طریقت جن میں ان حنابلہ کے نام تھے جنھیں ممتاز حنبلی صوفی عبدالقادر الجیلانی نے خرقہ خلافت عطا کیا تھا ان کی تاریخ ہائے وفات ۵۶۱ھ سے لے کر ۷۹۵ھ تک پھیلی ہوئی ہیں- چنانچہ عبدالقادر الجیلانی نے جن سے قادریہ سلسلہ منسوب ہے' ابو عمر بن قدامہ (وفات ۶۰۷ھ/۱۲۱۰ء) اور ان کے بھائی موفق الدین بن قدامہ (وفات ۶۳۰ھ/۱۲۲۳ء) دونوں کو خرقۂ خلافت عطا کیا- اوّل الذکر کے فرزند اور موخر الذکر کے بھتیجے ابن ابی عمر بن قدامہ (وفات ۶۸۲ھ) کو اپنے چچا اور والد دونوں سے براہ راست خرقہ ملا اور یہ ابن قدامہ ہیں جنھوں نے ابن تیمیہ کو خرقۂ خلافت عطا کیا- یہ شجرۂ روحانی ابن تیمیہ کے واسطے سے ابن قیم الجوزیہ (۷۵۱ھ/۱۳۵۰ء) مصنف مدارج السالکین تک پہنچتا ہے- یہ کتاب مشہور حنبلی صوفی خواجہ انصاری ہروی کی کتاب منازل السائرین کی شرح ہے- ابن قیم الجوزیہ کے بعد اس سلسلہ بیعت کا آخری نام ابن رجب (وفات ۷۹۵ھ/۱۳۹۳ء) کا ہے جو حنابلہ کے سوانح نگار بھی ہیں-

چسٹر بیٹی لائبریری ڈبلن میں موجود ایک اور مخطوطے سے ابن تیمیہ کے اس شجرۂ تصوف کی ایک اور شہادت فراہم ہوتی ہے۔ مذکورہ تصنیف کا عنوان ہے ترغیب المتحابین فی لبس خرقۃ المتمیزین۔ مصنف ہیں جمال الدین الطیلیانی۔ اس میں ابن تیمیہ کے اپنے فقرے کا حوالہ ہے کہ:

''مجھے سیدنا عبدالقادر (الجیلانیؒ) کا بابرکت خرقۂ تصوف نصیب ہوا اور میرے اور ان کے مابین دو صوفی مرشد تھے''

مزید تائید ناصرالدین کی الطفاء المعرقات المعوبۃ بالباس خرقۃ التوبۃ سے ہوتی ہے۔ یہ کتاب گو مفقود ہو چکی ہے لیکن اس کے بعض حصے یوسف بن عبدالہادی کی بداء الخلقۃ میں محفوظ ہیں۔ اس میں ابن تیمیہ کا ایک بیان درج ہے جس میں انھوں نے اپنی ایک سے زیادہ سلاسل تصوف میں نسبتوں کا اثبات کیا ہے اور قادریہ سلسلے کی سب پر عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ ان کی عبارت یوں ہے:

''میں نے متعدد شیوخ کا خرقۂ خلافت حاصل کیا جو مختلف طریقوں (سلاسل) سے متعلق تھے ان میں شیخ عبدالقادر الجیلیؒ بھی ہیں جن کا طریقہ معروف طریقوں میں عظیم ترین۔''

(ج۔مقدسی ؍ محمد کمیل عمر ''ابن تیمیہ۔قادریہ سلسلہ کے ایک صوفی'' مشمولہ ''روایت'' لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۱۵۹، ۱۶۲ تا ۱۶۳)

☆۶۔مجموعۃ الرسائل، از شیخ الاسلام امام ابن تیمیہ، مطبعۃ السنۃ المحمدیہ، مصر، ۱۳۶۸ھ/ ۱۹۴۹ء، ص ۱۷ تا ۴۰

☆۷۔ایضاً، ص ۴۱

☆۸۔ایضاً، ص ۱۷، ۲۸، ۲۹

☆۹۔عقلیات ابن تیمیہ، از: مولانا محمد حنیف ندوی، ص ۳۲۷ تا ۳۲۹

☆۱۰۔**ابوعبداللہ محمد بن احمد بن عثمان ذہبی:** (۶۷۳ھ/ ۱۲۷۴ء-۷۴۸ھ/ ۱۳۴۸ء): اسلام کے بہت بڑے مورخ، محدث، شمس الدین نام۔ دمشق میں پیدا ہوئے۔ **تذکرہ الحفاظ** اور **میزان الاعتدال فی نقد الرجال** مشہور کتابیں ہیں۔ دمشق اور قاہرہ میں درس و تدریس کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

☆۱۱۔میزان الاعتدال، جلد سوم، ص ۶۶۰

☆۱۲۔**محمد بن ابوبکر بن ایوب بن سعد بن حریز الزرعی، المعروف بہ ابن قیم:** کنیت ابوعبداللہ اور لقب شمس الدین۔ ۷ صفر ۶۹۱ھ کو دمشق میں پیدا ہوئے اور ۱۳ رجب ۷۵۱ھ کو وفات پائی۔ اساتذہ میں امام ابن تیمیہ، اسماعیل بن مکتوم، قاضی القضاۃ تقی الدین سلیمان وغیرہ شامل ہیں۔ ابن کثیر اور ابن رجب آپ کے شاگرد تھے۔ متعدد کتب تصنیف کیں چند معروف کتب کے نام یہ ہیں: **زاد المعاد** چار جلدیں (سیرت)، **مدارج السالکین فی شرح منازل السائرین** ۳ جلد (تصوف)، **اعلام الموقعین** ۴ جلد، **الفوائد المشوقہ الی علوم القرآن**، **کتاب الروح**، **مفتاح دار السعادہ** وغیرہم۔

(امام ابن القیم، حیات و آثار، از: عبدالعظیم عبدالسلام شرف الدین، مترجم: حافظ سید رشید احمد ارشد نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۴، ص ۷۸)

☆۱۳۔امام ابن القیم، حیات و آثار، از: عبدالعظیم عبدالسلام شرف الدین، مترجم: حافظ سید رشید احمد ارشد، نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۴ء، ص ۸۳

☆۱۴۔**ابو محمد عبداللہ بن اسعد بن علی بن سلیمان یافعی یمنی مکی اشعری شافعی:** (۷۰۰ھ-۷۶۸ھ) المعروف شیخ حجاز- اپنے دور کے معروف شاعر، عالم اور ادیب تھے-

☆۱۵۔**عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر بصری دمشقی شافعی المعروف بہ حافظ ابن کثیر:** (۷۰۰ھ-۷۷۴ھ) حافظ قرآن، مفتی، مورخ، محدث اور مفسر- البدائیۃ والنہایۃ کتاب کے مصنف، علامہ ابن الزملکانی کے شاگرد تھے۔

☆۱۶۔البدایہ والنہایہ، از: حافظ ابن کثیر، (جلد: ۱۳) طبع مصر، ۱۹۶۶ء، ص ۱۵۶

☆۱۷۔**احمد بن یحیٰی ابو العباس شہاب الدین التلمسانی:** ابن ابی حجلۃ بھی کہتے ہیں- حنبلی مسلک سے متعلق تھے- ابن تغری اور ابن حجر کے مطابق حنفی تھے- عرب کے معروف شاعر، ۷۲۵ھ/۱۳۲۵ء میں تلمسان میں پیدا ہوئے- وہاں سے قاہرہ پھر بعد حج دمشق میں مقیم ہوئے- ادب میں مہارت حاصل کی- قاہرہ میں مستقل سکونت اختیار کی- قصائد نبویۃ کے نام سے وحدت الوجود اور ابن الفارض کے رد میں جوابی قصائد لکھے- ۷۷۶ھ/ ۲ مئی ۱۳۷۵ء کو بعارضہ طاعون وفات پائی- ابن الفارض کی مخالفت ہی کی وجہ سے سراج ہندی قاضی حنفیہ کے ہاتھوں مبتلائے اذیت ہوئے- بامروت، صاحب فضیلت اور بہت اچھے حافظے کے مالک تھے۔ عروض میں مہارت نہ ہونے کے باوجود شعر گوئی میں کمال حاصل تھا- تصانیف کی تعداد ساٹھ تک پہنچتی ہے- (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد اول، ص ۳۰۶)

☆۱۸۔**حافظ ابن حجر عسقلانی:** ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد الکنانی العسقلانی المصری القاہری- شافعی مذہب کے معروف و مستند مورخ، محدث، فقیہہ اور شاعر۔ ۱۲ شعبان ۷۷۳ھ/ ۱۸ فروری ۱۳۷۲ء کو مصر العتیق (OLD CAIRO) میں پیدا ہوئے- تصانیف کی تعداد ۱۵۰ بتائی جاتی ہے- ۱۸ ذوالحجہ ۸۵۲ھ/ ۱۳ فروری ۱۴۴۹ء کو وفات پائی- فتح الباری فی شرح البخاری، تہذیب التہذیب، الدرایۃ فی منتخب تخریج احادیث الھدایہ، طبقات المدلسین اور لسان المیزان اہم تصانیف ہیں-

(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد اول، ص ۴۷۹، ۴۸۱)

☆۱۹۔**حسین بن عبدالرحمٰن بن محمد المعروف ابن اہدل:** (۷۷۹ھ-۸۵۵ھ) فقہ کے ماہر، اشعری

متکلم' یمنی محدث ومورخ۔

☆۲۰۔محی الدین ابن عربی' حیات وآ ثار،ص ۵۴۱

☆۲۱۔ایضاً،ص ۵۴۷تا ۵۵۰

☆۲۲۔ایضاً،ص ۵۵۵

☆۲۳۔اسم،احمد' کنیت' ابوالبرکات' لقب بدرالدین اور خطاب امام ربانی مجدد الف ثانی ؒ -شجرہ نسب ۲۸ واسطوں سے حضرت عمرؓ بن خطاب سے ملتا ہے- ولادت سرہند میں شب جمعہ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ/ ۵ جون ۱۵۶۴ء کو ہوئی- لفظ ''خاشع'' سے سال ولادت ظاہر ہے- وفات روز سہ شنبہ ۲۸ صفر ۱۰۳۴ھ/ ۱۰ دسمبر ۱۶۲۴ء سرہند میں ہوئی- قرآن مجید حفظ کیا اور دیگر متداول علوم وفنون اور تصوف کی زیادہ تر کتب والد سے پڑھیں۔سلسلہ چشتیہ میں اپنے والد مخدوم عبدالاحدؒ (جو کہ شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کے صاحبزادے شیخ رکن الدینؒ کے خلیفہ تھے) سے بیعت ہوئے- ان کی وفات کے بعد نقشبندیہ سلسلہ کے بزرگ حضرت خواجہ باقی باللہؒ سے بیعت ہوئے اور خلافت پائی- سلسلہ قادریہ میں شاہ کمال کیتھلیؒ سے خرقہ خلافت حاصل کیا- مسند درس وتدریس پر فائز رہے- شیخ صفر احمد مخدومی نے آپ کے سات رسائل اور تین دفتر مکتوبات کا ذکر کیا ہے۔

☆۲۴۔مسئلہ وحدت الوجود اور اقبال،محولا بالا،ص ۸۷

☆۲۵۔شیخ محمد اکرام،رودِ کوثر،ادارہ ثقافتِ اسلامیہ،لاہور،۱۹۸۷ء،ص ۳۱۰

☆۲۶۔مسئلہ وحدت الوجود اور اقبال،ص ۹۳،۹۴

☆۲۷۔ایضاً،ص ۹۵

☆۲۸۔رودِ کوثر،حوالہ بالا،ص ۲۴۷

☆۲۹۔عزیز احمد،پروفیسر: برصغیر میں اسلامی کلچر،مترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی،ادارہ ثقافتِ اسلامیہ،لاہور،۱۹۹۰ء،ص ۲۸۲

☆۳۰۔رودِ کوثر،حوالہ بالا،ص ۲۸۶،۲۸۷

☆۳۱۔رودِ کوثر،ص ۳۱۱ تا ۳۱۴

☆۳۲۔ایضاً،ص ۳۱۶

☆۳۳۔ایضاً،ص ۳۱۷

☆۳۴۔ڈاکٹر ازکیا ہاشمی،برصغیر پاک وہند میں مسلم قومیت کے احیاء میں وحدت الشہود کا کردار،(مقالہ) مشمولہ: سہ ماہی ''فکر ونظر'' اسلام آباد،جلد ۳۴،شمارہ ۴،اپریل تا جون ۱۹۹۷ء،ص ۳۳

☆ ۳۵۔ بشیر احمد ڈار (مرتب) ''مکتوبات و نگارشاتِ اقبال'' (انگریزی)، اقبال اکادمی، کراچی، ۱۹۶۹ء، ص ۹۰۔۷

☆ ۳۶۔ پروفیسر میاں محمد شریف، مقالاتِ شریف، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۹۴ء، ۱۳، ۱۴

☆ ۳۷۔ سیّد علی عباس جلالپوری، اقبال کا علم کلام، کتاب نما، لاہور، ۱۹۷۲ء، ص ۸۳، ۸۴

☆ ۳۸۔ علامہ محمد اقبال، 'فلسفۂ عجم' مترجم: میر حسن الدین نفیس اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۴ء، ص ۱۰۸ تا ۱۱۰

☆ ۳۹۔ مقالاتِ شریف، محولا بالا، ص ۱۸

☆ ۴۰۔ عطا اللہ، شیخ (مرتب) ''اقبال نامہ'' جلد اوّل، شیخ محمد اشرف، لاہور، ۱۹۴۵ء، ص ۴۰

☆ ۴۱۔ رفیع الدین ہاشمی، (مرتب) ''خطوطِ اقبال'' خیابانِ ادب، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۱۱۷

☆ ۴۲۔ بشیر احمد ڈار، ''انوارِ اقبال'' اقبال اکادمی لاہور طبع دوم، ۱۹۷۷ء، ص ۱۷۷

☆ ۴۳۔ سیّد عبدالواحد معینی، محمد عبداللہ قریشی (مرتبین) ''مقالاتِ اقبال'' آئینہ ادب، لاہور، ۱۹۸۸ء ص ۲۰۲، ۲۰

☆ ۴۴۔ ایضاً، ص ۱۹۵، ۱۹۶

☆ ۴۵۔ عطا اللہ، شیخ (مرتب) ''اقبال نامہ'' جلد دوم، لاہور، ۱۹۵۱ء، ص ۳۴

☆ ۴۶۔ ابنِ عربی اور اقبال، مقالہ، از محمد سہیل عمر، محولا بالا، ص ۳۶

☆ ۴۷۔ اقبال نامہ، جلد ا، محولا بالا، ص ۴۷

☆ ۴۸۔ ابنِ عربی اور اقبال، مقالہ، از محمد سہیل عمر محولا بالا، ص ۳۸

☆ ۴۹۔ فلسفۂ عجم، محولا بالا، ص ۱۰

☆ ۵۰۔ علامہ اقبال، تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، (ترجمہ: سیّد نذیر نیازی)، بزم اقبال، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۲۸۱

☆ ۵۱۔ طاہر تونسوی، اقبال اور سید سلیمان ندوی، مکتبہ عالیہ لاہور، ۱۹۷۷ء، ص ۸۹، ۹۰

☆ ۵۲۔ اقبال نامہ، جلد ا، ص ۴۴۳

☆ ۵۳۔ تشکیل جدید الٰہیات اسلامیہ، محولہ بالا، ص ۲۷۸، ۲۷۹

☆ ۵۴۔ ایضاً، ص ۲۸۳

☆ ۵۵۔ ڈاکٹر الف۔ د۔ نسیم، مسئلہ وحدت الوجود اور اقبال، بزم اقبال لاہور، ۱۹۹۲ء، ص ۱۵۷، ۱۵۸

☆ ۵۶۔ محمد شریف بقا' اقبال اور تصوّف، جنگ پبلشرز لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۱۴۲

☆ ۵۷۔ سیّد علی عباس جلالپوری، اقبال کا علم کلام، ص ۱۰۵، ۱۰۶

☆ ۵۸۔ فصوص الحکم، مترجم: محمد برکت اللہ لکھنوی فرنگی محلی ص ۲۷۷، ۲۷۸

☆۵۹۔اردو دائرہ معارف اسلامیہ،جلد اوّل،محولہ بالا،ص۶۱۲

☆۶۰۔سیّد واجد رضوی،دانائے راز،مقبول اکیڈمی لاہور،طبع دوم۱۹۶۹ء،ص۱۴۴،۱۴۵

☆۶۱۔یوسف سلیم چشتی،شرح جاوید نامہ،عشرت پبلشنگ ہاؤس،لاہور،سن ندارد،ص۹۱۲ تا ۹۲۳

☆۶۲۔پروفیسر محمد فرمان،اقبال اور تصوف،بزم اقبال لاہور،طبع سوم۱۹۸۴ء،ص۹۶

☆۶۳۔ایضاً،ص۱۴۲

☆۶۴۔ڈاکٹر سیّد عابد علی عابد،تلمیحات اقبال،بزم اقبال لاہور،طبع سوم،۱۹۸۵ء،۱۵۱

☆۶۵۔ڈاکٹر وزیر آغا،تصورِ عشق وخرد اقبال کی نظر میں،اقبال اکادمی پاکستان،لاہور،۱۹۸۷ء،ص۱۶۵،۱۶۶

☆۶۶۔اختر النساء،(مرتبہ)''مقالاتِ یوسف سلیم چشتی''،بزمِ اقبال،لاہور،۱۹۹۹ء،ص۱۴۴۔۱۴۵

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

چوتھا باب:

☆۱۔**قطب الدین محمود بن مسعود شیرازیؒ:** (۶۳۴ھ-۷۱۰ھ): ایران کے مسلمان حکماء میں سے تھے- خواجہ نصیر الدین طوسیؒ کے شاگرد اور رصد خانہ مراغہ میں ان کے شریکِ کار تھے- شرح قانون ابن سینا،شرح حکمۃ الاشراق اور درۃ التاج اہم تالیفات ہیں-مولانا رومیؒ سے بھی اکتساب ہے اور صدرالدین قونویؒ تو آپ کے استاد تھے ہی-

☆۲۔تھانوی،مولانا اشرف علی؛التنبیھۃ الطربی فی تنزیۃ ابن العربی،اشرف المطابع،تھانہ بھون(انڈیا)۱۳۴۶ھ،ص۲۰،۲۱

☆۳۔**مجدّ دالدین محمد بن یعقوب فیروز آبادیؒ:** (۷۲۷ھ-۸۱۱ھ) شیخ ابواسحٰق شیرازیؒ کی نسل سے تھے- قاضی القضاۃ اور علّامہ دہر-القاموس المحیط کے علاوہ دیگر کئی عمدہ کتابیں لکھیں-

☆۴۔التنبیھۃ الطربی فی تنزیۃ ابن العربی،محولا بالا،ص۱۸

☆۵۔**ابوالحسن علی بن حسین خزرجیؒ:** (۷۴۲ھ-۸۱۲ھ) لقب موفق الدین،یمن کے نامور مورخ اور مشہور کتاب السعد المسلوک کے مصنف-

☆۶۔شذرات الذھب،جلد ہفتم،ص۹۷،۹۸

☆۷۔الدر الثمین فی مناقب الشیخ محی الدین،محولا بالا،ص۴۱

☆۸۔شیخ الاسلام زکریا انصاریؒ: ۸۲۶ھ میں بمقام سُنیکہ پیدا ہوئے۔ جامعہ الازہر میں تعلیم پائی۔ حافظ قرآن، قایاتی، العلم البلقینی، الشرف السبکی، حافظ ابن حجر وغیرہ سے علوم متداولہ کی تعلیم حاصل کی۔ ساٹھ کے قریب تصانیف ہیں۔بھجۃ اور الروضۃ کی شرح لکھی۔ سیوطیؒ کے بعد قاضی القضاۃ مقرر ہوئے۔آخری عمر میں نابینا ہو گئے۔قریباً سو سال کے لگ بھگ عمر پائی۔

☆۹۔الشذرات الذہب، جلد ہفتم، ص۱۳۴ تا ۱۳۶

☆۱۰۔التنبیھة الطربی فی تنزیة ابن العربی، محولا بالا، ص۱۹

☆۱۱۔ایضاً، ص۲۱

☆۱۲۔ایضاً، ص۲۲

☆۱۳۔ایضاً، ص۲۶

☆ ..۔ابوالمواہب، عبدالوہاب بن احمد بن علی انصاری الشافعی المعروف امام شعرانیؒ: ڈاکٹر زکی مبارک نے اپنے تحقیقی مقالہ التصوف الاسلامی فی الادب والاخلاق میں تحریر کیا ہے کہ عبدالواب شعرانی اپنے نانا کے گھر میں بمقام فلقشندہ میں ۸۹۹ھ میں پیدا ہوئے۔ (مطبوعہ دارالکتاب العربی، مصر، جلد دوم، ۱۹۵۴ء/۱۳۷۳ھ، ص۲۷۶) علامہ جلال الدین سیوطی سے بھی تعلیم حاصل کی۔ حدیث وفقہ سے گہری دلچسپی تھی۔شافعی مسلک کے حامی تھے۔شیخ شعرانیؒ کی وفات قاہرہ میں ۹۷۳ھ میں ہوئی۔ تصانیف کی کل تعداد ۳۰۸ ہے۔ الیواقیت والجواہر فی بیان عقائد الاکابر ان کی معروف کتاب ہے جس میں اکابر صوفیہ کے عقائد وافکار کی توضیح وتشریح شریعت کی روشنی میں کی گئی ہے۔ بالخصوص شیخ اکبر کے افکار و خیالات پر جو اعتراضات کئے گئے ہیں ان کے مدلل جواب دیے گئے ہیں۔اسی طرح فتوحات مکیہ کا انتخاب اور اس کی شرح پر مشتمل کتاب الکبریت الاحمر فی علوم شیخ الاکبر۔

☆۱۵۔عبدالوہاب الشعرانی، طبقات الکبریٰ، مترجم: سید عبدالغنی وارثی، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۵ء، ص۳۵۶

☆۱۶۔یوسف بن اسمٰعیل بن محمد ناصر الدین نبہانی الفلسطینی المصریؒ: ۱۲۷۵ھ/۱۸۴۹ء میں مصر کے قبیلہ نبہان میں پیدا ہوئے۔ جامع ازہر میں علوم دینیہ کی تکمیل کی۔متعدد کتب کے مصنف۔ ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء میں وفات پائی اور اپنے آبائی گاؤں احزام میں آسودہ خاک ہوئے۔

☆۱۷۔علامہ یوسف بن اسماعیل نبہانی، افضل الصلوٰۃ علیٰ سیّد السادات، مترجم: حکیم محمد اصغر فاروقی، مکتبہ نبویہ، لاہور، ۱۹۹۰ء، ص۱۱۳، ۱۱۴

☆۱۸۔ابن ابی جمہور: محمد بن زین الدین ابی الحسن علی بن حسام الدین ابراہیم بن حسن بن ابراہیم بن ابی جمہور احسائی ہجری المعروف بہ ابن جمہور۔حکیم مجتہد عارف متکلم شیعی صوفی اور اخباری (محدث)۔ابن جمہور نے فلسفہ وکلام اور عرفان (تصوف) میں تطابق کی کوشش کی۔سترہ کتب ابن جمہور سے منسوب ہیں۔ **عوالی اللآلی العزیزیه فی الاحادیث الدینیه (النبویة و الامامیه)** اور عرفان کی کتاب **المُجلّی فی مراة المنجی فی المنازل العرفانیه و سیرها** نہائت اہم کتب ہیں۔۹۱۲ھ کے بعد وفات پائی۔(اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد اول، ص ۴۰۴)

☆۱۹۔قاضی نوراللہ شوستری: (۹۵۶ھ-۱۰۱۹ھ): ایرانی امامیہ شیعوں کے امام، ماہر علم الکلام مُفسّر اور اَدیب۔فقہ، کلام، تفسیر، ادب اور ارضیات کے متعلق فارسی اور عربی زبان میں کتب ورسائل تصنیف کیے۔شاعر بھی تھے۔ایک سو چالیس کتب گنوائی جاتی ہیں۔

☆۲۰۔محی الدین ابن عربی حیات وآثار، ص ۵۲۷

☆۲۱۔سید صالح موسوی خلخالی: (المتوفی ۱۳۰۶ھ) میرزا ابوالحسن جلوہ اصفہانی کے شاگرد۔تہران کے مدرسہ دوست علی خاں نظام الدولہ میں علم کلام، فلسفہ اور فقہ واصول کا درس دیتے تھے۔

☆۲۲۔سیّد روح اللہ موسوی المعروف امام خمینی: ایران کے عظیم عالم دین، مفکر اور انقلابی رہنما ۲۰ رجمادی الثانی ۱۳۲۰ھ مطابق ۲۴ ستمبر ۱۹۰۲ء کو ایران کے ضلع خُمین میں پیدا ہوئے۔والد سیّد مصطفےٰ موسوی، آئت اللہ تھے۔امام خُمینی نے اپنے پیچھے اخلاقیات، عرفان وتصوّف، فقہ، فلسفہ، سیاسیات اور عمرانیات کے موضوعات پر عربی اور فارسی زبان میں درجنوں بیش قیمت تصانیف چھوڑیں۔۳رجون ۱۹۸۹ء کو ۸۷ برس کی عمر میں انتقال کیا۔

☆۲۳۔حمید انصاری؛ ''سخن بیداری ''موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خُمینی، بین الاقوامی امور، تہران (ایران)، چھاپ اوّل، ۱۹۹۸ء، ص ۳۰۴

☆۲۴۔کمال الدین عبدالرزاق الکاشانی: (المتوفی ۷۳۶ھ اور بعض کے نزدیک ۷۳۰، ۳۱، ۳۵ بھی ہے) شیخ نورالدین عبدالصمد نطنزی کے فیض یافتہ، عربی اور فارسی میں متعدد تصانیف۔

☆۲۵۔داؤد بن محمود قیصری: (المتوفی ۷۵۱ھ)، قونیہ کے ایک نواحی گاؤں قرمان کے رہنے والے تھے۔جوانی میں مصر آگئے اور ایک مدت تک وہیں مقیم رہے۔

☆۲۶۔نورالدین عبدالرحمن جامی: ۲۳ شعبان ۸۱۷ھ / ۷ نومبر ۱۴۱۴ء کو اصفہان کے ایک قصبہ جام

میں پیدا ہوئے اور ۱۸ محرم ۸۹۸ھ/۹ نومبر ۱۴۹۲ء کو ہرات میں وفات پائی۔ والد کا نام احمد بن محمد یا نظام الدین احمد وشتی تھا۔ علوم ظاہری کی تعلیم ہرات میں پائی۔ اساتذہ میں مُلّا جنید، خواجہ علی سمرقندی اور قاضی روم سمرقندی وغیرہ شامل ہیں۔ مولانا سعد الدین کاشغری سے بیعت ہوئے۔ مثنوی، غزل، قصیدہ وغیرہ جیسی نظم کی ہر صنف پر قادر تھے اور مدح، تشبیب، معرفت، توحید ہر مضمون میں دسترس رکھتے تھے۔ فارسی کے عظیم نعت گو شاعر تھے۔ فارسی اور عربی کی مختلف النوع تصانیف کی تعداد لفظ "جام" کی مناسبت سے ۴۴ ہے جن میں لوائح، لوامع اور نفحات الانس خاص طور پر مشہور ہیں۔

☆۲۷۔ علامہ اقبال، فلسفہ عجم، محولا بالا، ص ۱۴۵، ۱۴۶

☆۲۸۔ **سعد الدین، نجم الدین محمود بن عبدالکریم بن یحییٰ الشبستری:** ۱۲۵۰ء میں شبستر (نزد تبریز) میں پیدا ہوئے۔ تبریز کے شیخ امین الدولہ سے علوم ظاہری و باطنی کا اکتساب کیا۔ ۷۲۰ھ/۱۳۲۰ء میں وفات پائی۔ حق الیقین فی معرفۃ رب العالمین، سعادت نامہ، رسالہ شاہد اور گلشنِ راز اہم تصانیف ہیں۔ پروفیسر براؤن نے "تاریخ ادبیاتِ عجم" میں گلشنِ راز کو تصوّف کی نہائت اہم کتاب قرار دیا ہے۔

☆۲۹۔ **آقا محمد رضا قشمائی:** ۱۲۴۱ھ میں قشمہ (ایران) میں پیدا ہوئے۔ اصفہان میں بھی تعلیم حاصل کی۔ اساتذہ میں مُلّا صدرا، میرزا حسن پسر اخوند، مُلّا علی نوری، مُلّا محمد جعفر لاہجی اور سید رضی لاریجانی شامل ہیں۔ آخری عمر میں تہران آ گئے اور درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں معروف رہے۔

☆۳۰۔ محی الدین ابن عربی، حیات و آثار، ص ۶۰۶

☆۳۱۔ ث، ج، دو بوائر، تاریخ فلسفہ اسلام، مترجم: ڈاکٹر سید عابد حسین، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۰

☆۳۲۔ برصغیر پاک و ہند میں مسلم قومیت کے احیا میں وحدت الشہود کا کردار، (مقالہ) محولا بالا، ص ۳۳

☆۳۳۔ خلیق احمد نظامی، تاریخ مشائخ چشت، دار المؤلفین، اسلام آباد، سن ندارد، ص

☆۳۴۔ **ابوالحسن علی بن عثمان الہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش:** حسنی سید تھے۔ غزنی (افغانستان) میں ۴۰۱ یا ۴۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ محمد بن حسن ختلیؒ سے بیعت ہوئے۔ **کشف المحجوب** کے علاوہ بھی کئی کتب تصنیف کیں۔ متبحر عالم دین اور صوفی باصفا تھے۔ ۴۶۵ھ میں لاہور میں وفات پائی۔

☆۳۵۔ ابوالحسن علی بن عثمان الہجویری، کشف المحجوب، مترجم: ابوالحسنات سیّد محمد احمد قادری، رضوی کتب خانہ، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۸

☆۳۶۔ **شیخ حمید الدین ناگوریؒ:** بخارا میں پیدا ہوئے۔ شیخ شہاب الدین سہروردی کے مرید اور خواجہ

بختیار کاکی کے استاد- مقبرے بھی ساتھ ساتھ- تین سال تک دہلی کے قاضی رہے- تین سال حرمین شریفین میں گزارے- سماع کا بہت زیادہ شوق رکھتے تھے- بزم صوفیہ کے مطابق رمضان ۶۴۱ھ اور اخبار الصالحین کے مطابق ۶۴۳ھ میں دہلی میں وفات پائی- متعدد تصانیف مگر صرف طوالع الشموس کا پتہ ملتا ہے-

☆۳۷- شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار فی اسرار الابرار، اردو ترجمہ بعنوان ''انوارِ صوفیہ'' مترجم: محمد لطیف ملک، مقبول اکیڈمی، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۷۷، ۷۸

☆۳۸- **حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ**: (۵۳۰ھ-۶۲۷ھ) عابدی سیّد تھے- سنجر سے ہندوستان آئے اور پھر اس ظلمت کدہ میں اسلام کی شمع جل اُٹھی- فارسی کا ایک دیوان آپ سے منسوب ہے جس میں ۱۲۱ غزلیں اور ایک قطعہ ہے- تخلص معین اور کہیں معینی لکھا ہوا ہے-

☆۳۹- پروفیسر محمد معین الدین دردائی، مجلسِ صوفیہ، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۸ء، ص ۲۷۳

☆۴۰- مولانا رکن الدین، مقابیس المجالس، مترجم: کپتان واحد بخش سیال، محولا بالا، ص ۴۸۷

☆۴۱- **شیخ شرف الدین بوعلی قلندرؒ**: (۶۰۵ھ-۷۲۴ھ) امام اعظمؒ کی اولاد میں سے تھے- شیخ نظام الدین اولیاءؒ اور خواجہ بختیار کاکیؒ سے بیعت تھے- عمر آخر میں پانی پت سے کرنال کے ایک گاؤں میں مقیم ہو گئے پانی پت میں مدفون ہیں- مکتوبات کا مجموعہ اور مثنوی وغیرہ کے علاوہ دیگر کئی تصنیفات تھیں-

☆۴۲- شیخ عبدالحق محدث دہلوی، اخبار الاخیار، ص ۱۲۱، ۱۲۲

☆۴۳- مثنوی بوعلی قلندر، (اردو ترجمہ)، ملک سراج الدین اینڈ سنز لاہور، ص ۶

☆۴۴- **محمد بن سید احمد بن سید علی المعروف بہ سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاءؒ**: علوی سید تھے- ۶ صفر ۶۳۶ھ/ ۱۲۳۸ء کو بدایوں میں پیدا ہوئے- مولانا علاؤالدین اصولیؒ سے ابتدائی تعلیم حاصل کی- بابا فریدالدین گنج شکرؒ سے بیعت وخلافت- امیر خسروؒ آپ کے مرید وخلیفہ- ۱۸ ربیع الآخر ۷۲۵ھ دہلی میں وفات- تاریخ فیروز شاہی میں ضیاء الدین برنی لکھتا ہے:

> ''خدا تعالیٰ نے شیخ نظام الدینؒ کو پچھلی صدیوں میں شیخ جنیدؒ اور شیخ بایزیدؒ کے مثل پیدا کیا تھا-'' (اردو ترجمہ: سراج عفیف، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۶۵ء، ص ۴۳۶)

☆۴۵- شیخ محمد اکرام، آبِ کوثر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص ۲۴۲، ۲۴۳

☆۴۶- **حضرت شیخ شرف الدین احمد بن یحییٰ منیریؒ**: بھارت کے صوبہ بہار کے ضلع پٹنہ کے ایک

گاؤں منیر میں ۲۶ یا ۲۹ شعبان ۶۶۱ھ/ ۵ جولائی ۱۲۶۳ء کو پیدا ہوئے۔ سلسلہ نسب اسماعیل بن امام جعفر صادقؓ سے ملتا ہے۔ شیخ نجیب الدین فردوسی سے بیعت ہوئے۔ ۱۰۸ سال عمر پائی۔ ۵ شوال ۷۸۲ھ/ ۵ جنوری ۱۳۷۱ء عہد فیروز تغلق میں وفات پائی۔ مجلسِ صوفیہ کے مصنف نے آپ کے مکتوبات کے چار دفاتر، ملفوظات کی گیارہ اور دیگر بارہ تصانیف کا ذکر کیا ہے۔

☆۴۷۔ آبِ کوثر، ص ۴۴۰

☆۴۸۔ شرف الدین احمد بن یحییٰ مُنیری، مکتوباتِ صدی، مترجم: شاہ الیاس فردوسی بہاری، مہران پریس، حیدرآباد (سندھ)، ۱۹۶۸ء، ص ۶

☆۴۹۔ **سید اشرف جہانگیر سمنانی:** (۷۰۹ھ۔۸۰۸ھ) والیِ سمنان، مگر حکومت بھائی کو دے کر عازمِ ہندوستان ہوئے۔ حافظِ قرآن، علاؤ الدین علاؤ الحق سے بیعت و خلافت۔ ایک سو نوے مشائخ سے فیوض حاصل کیے۔ ۲۵ کتب کے مصنف۔ شیخ عبدالرزاق کاشی سے فصوص، فتوحات اور الاصطلح الکبیر پڑھیں۔ فصوص، عوارف المعارف اور کنز الدقائق کی شرحیں لکھیں۔ مدفن کچھوچھہ (بھارت) میں ہے۔

☆۵۰۔ نظام یمنی: ''لطائفِ اشرفی دربیان طوائف صوفی'' مترجم: مشیر احمد کاکوروی، خانقاہ اشرفیہ، کچھوچھہ، ۱۳۶۲ھ، ص ۳۵

☆۵۱۔ **امیر کبیر سید علی ہمدانی:** (پیدائش: پیر ۱۲ رجب ۷۱۴ھ/ ۲۲ اکتوبر ۱۳۱۴ء، بمقام ہمدان۔ وفات: ۶ ذی الحج ۷۸۶ھ، مزار، ختلان (تاجکستان)۔ نجیب الطرفین سید تھے۔ والد کا نام سید شہاب الدین ہمدانیؒ، اور والدہ سیدہ فاطمہؒ، بارہ برس کی عمر میں حفظِ قرآن اور کسبِ علومِ دینی سے فراغت حاصل کر لی۔ آپ نے یہ تعلیم اپنے ماموں سید علاء الدین سمنانیؒ اور شیخ نجم الدین محمد بن احمد الموافق سے حاصل کی۔ شیخ علی دوستیؒ سے بیعت، مشرق و مغرب کے سیاح، بیس سالہ دورِ سیاحت میں ۱۴۰۰ اولیائے کامل کی زیارت کی اور ان سے فیوض حاصل کیا۔ بارہ حج کیے۔ شیخ یحییٰ منیریؒ اور شیخ محمد الاذکانی اسفرائنی سے اجازت و خلافت حاصل کی۔ ۱۷۰ کتب کے مصنف۔ شاہِ ہمدانؒ کی دینی و علمی عظمت و فضیلت کا علامہ اقبال یوں اعتراف کرتے ہیں:

سیدِ السادات، سالارِ عجم — دستِ اُو معمارِ تقدیرِ اُمم
تا غزالی درسِ اللہ ہو گرفت — ذکر و فکر از دودمانِ او گرفت

(میر سید علی ہمدانی ـ ایران کی ایک تاریخ ساز شخصیت، از پروفیسر ڈاکٹر سید عبد الرحمٰن ہمدانی، مشمولہ ''پیغام آشنا''، شمارہ ۱۳، ۱۴، جون ۲۰۰۳ء، ثقافتی قونصلیٹ، اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد، ص: ۵۰ تا ۶۷)

☆۵۲۔سید محمد حسینی خواجہ بندہ نواز گیسو دراز: امام زین العابدینؒ کی اولاد میں سے تھے۔۴ رجب ۷۲۰ھ/۱۳۲۱ء کو پیدا ہوئے۔ (سیر الاولیاء ص۲۲)،نصیر الدین چراغ دہلویؒ سے بیعت۔ ۱۶ ذیقعد ۸۲۵ھ/۱۴۲۲ء کو گلبرگہ میں انتقال کیا۔کثیر التصانیف صوفی۔دستیاب کتب کی تعداد چالیس۔تفسیر'تلاوت الوجود' شرح مشارق الانوار' ترجمہ عوارف المعارف' شرح آداب المریدین' شرح فصوص الحکم اور شیخ الاکبر کے ایک اور رسالہ کا ترجمہ'حواشی قوت القلوب 'مکتوبات کے علاوہ معراج العاشقین. دکنی زبان کے شاعر کبھی شہباز اور کبھی بندہ تخلص کرتے تھے۔

☆۵۳۔تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک وہند،(جلد ششم) پنجاب یونیورسٹی،لاہور،۱۹۷۱ء،ص ۲۵۷

☆۵۴۔مجلسِ صوفیہ،ص ۳۰۸

☆۵۵۔شیخ علی مہائمی: (۷۷۶ھ-۸۳۵ھ) بمبئی کے مضافاتی گاؤں مہائم کے رہنے والے تھے۔ان کے بارے میں مولانا عبدالحئی،نزهة الخواطر جلد سوم صفحہ ۲۲۰ پر لکھتے ہیں: ''میرے نزدیک ہندوستان کے ہزار سالہ دور میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سوا حقائق نگاری میں ان کا کوئی نظیر نہیں۔'' شیخ علی مہائمی نے عوارف المعارف اور فصوص الحکم کی شرحیں لکھیں۔

☆۵۶۔اخبار الاخیار،ص ۲۷۷

☆۵۷۔ڈاکٹر زبید احمد،عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ،مترجم: شاہد حسین فاروقی،ادارہ ثقافتِ اسلامیہ،لاہور،۱۹۹۱ء،ص ۱۰۶

☆۵۸۔شیخ امان اللہ پانی پتی: عبدالمالک بن شیخ عبدالغفور، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے والد شیخ سیف الدینؒ کے مرشد،یمن کے قادریہ سلسلہ کے شیخ محمد حسن سے بیعت۔تصوف اور توحید کے موضوع پر متعدد کتب تصنیف کیں۔جامی کی لوائح کی شرح بھی لکھی۔۱۳ ربیع الثانی ۹۵۷ھ/۱۵۵۰ء کو پانی پت میں وفات پائی اور وہیں مدفون ہوئے۔

☆۵۹۔رودکوثر،ص ۳۴۵

☆۶۰۔مولانا سید عبدالحئی لکھنوی،نزہۃ الخواطر،(جلد سوم) مترجم: ابو یحیٰ امام خان،مقبول اکیڈمی ،لاہور،سن ندارد،ص ۲۲۹،۲۳۰

☆۶۱۔عبدالقدوس بن شیخ اسماعیل بن صفی الدینؒ۔امام اعظمؒ کی اولاد میں سے،ظاہری و باطنی علوم میں صاحب کمال،الکھ داس تخلص،شیخ احمد عبدالحق رودلویؒ سے بیعت،ہمایوں جیسا بادشاہ عقیدت مند،مجدد الف

ثانیؒ کے والد شیخ عبدالاحد آپ کے خلیفہ و مرید۔ ۹۴۵ھ/ ۱۵۳۸ء میں گنگوہ (مضافات دہلی) میں وفات پائی۔ شیخ عبدالقدوس گنگوہیؒ کا معروف عالم جملہ ہے کہ بقول علامہ اقبالؒ جس کی نظیر تصوف کے سارے ذخیرۂ ادب میں مشکل سے ہی ملے گی:

''محمد مصطفیٰ ﷺ آسمانوں پر تشریف لے گئے جہاں ان کا خدا سے کمان کے دوسروں سے بھی کم فاصلہ تھا اور وہ واپس پلٹ آئے۔ خدا کی قسم اگر میں جاتا تو کبھی واپس نہ آتا''

(شیخ عبدالقدوس گنگوہی اور ان کی تعلیمات، از: اعجاز الحق قدوسی، اکیڈمی آف ایجوکیشنل ریسرچ، کراچی، ۱۹۶۱ء، ص ۳۲۷)

☆ ۶۲۔ مونس پرکاش، ڈاکٹر: اردو ادب پر ہندی کا اثر، الہ آباد (بھارت) ۱۹۷۸ء، ص ۱۷۲

☆ ۶۳۔ عبدالرزاق بن احمد بن محمد فاضل بن عبدالعزیز نورالدین بن کمال الدین بن ابوسعید علوی۔ ۸۸۶ھ/ ۱۴۸۱ء میں پیدا ہوئے۔ محمد بن حنفیہؓ کی اولاد میں سے تھے۔ قرآن مجید حفظ کیا۔ پانی پت اور دہلی میں تعلیم حاصل کی۔ دہلی کے مدرسہ ملا عبداللہ میں تیس برس تک تدریس کی۔ شیخ محمد بن الحسن عباسی جونپوری اور دیگر شیوخ سے تصوف کے مختلف سلاسل میں اجازت و خلافت حاصل کی۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے مکتوبات کی مبسوط شرح بھی لکھی۔ ۹۴۹ھ/۱۵۴۲ء میں وفات پائی۔

☆ ۶۴۔ نزہۃ الخواطر، (جلد سوم) محولا بالا، ص ۱۸۵ تا ۱۸۹

☆ ۶۵۔ نجیب اشرف ندوی، تاریخ ادب اردو، علی گڑھ، ۱۹۶۲ء، ص ۱۱۱

☆ ۶۶۔ انور سدید، ڈاکٹر: اردو ادب کی مختصر تاریخ، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۱ء، ص ۷۵، ۷۶

☆ ۶۷۔ رود کوثر، ص ۳۵۲

☆ ۶۸۔ **ابوالمؤید رضی الدین عبدالباقی باللہ**: ۵ ذوالحجہ ۹۷۱ھ/۱۵۶۴ء کو کابل میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی درسی کتب والد عبدالسلام اویسی سمرقندیؒ سے پڑھیں۔ بخارا کے خواجہ امکنگی بن خواجہ محمد درویشؒ سے بیعت و خلافت۔ ۱۰۰۸ھ میں ہندوستان آئے۔ لاہور اور پھر دہلی میں قیام۔ تاج الدین سنبھلیؒ خواجہ حسام الدینؒ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ جیسی ہستیاں خلفاء و تلامذہ۔ ۲۵ جمادی الآخر ۱۰۱۲ھ/۱۶۰۳ء کو وفات۔ مزار دہلی میں ہے۔ سلسلتہ الاحرار' کلیات' مکتوبات' حقیقتہ الحقائق وغیرہ اہم تصانیف۔

☆ ۶۹۔ ڈاکٹر مسعود انور علوی کاکوروی: ''حضرت خواجہ محمد باقی باللہ اور وحدت الوجود'' (مقالہ) مشمولہ ''دانش'' شمارہ ۳۸، سفارت خانہ اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد، ۱۹۹۴ء، ص ۱۳۰

☆ ۷۰۔ عربی ادبیات میں پاک و ہند کا حصہ، ص ۱۰۳

☆ ۷۱۔ **حضرت میاں میر قادریؒ**: قاضی دتہ بن قاضی قلندر کے گھر سیہون (سندھ) میں ۹۳۸ھ اور

۹۵۷ھ کی درمیانی مدت میں کسی سال پیدا ہوئے۔ سندھ کے قادری صوفی شیخ خضر سیوستانیؒ سے بیعت ہوئے۔ اکبری عہد میں لاہور آ گئے اور یہاں کے معروف علماء سے مستفید ہوئے۔ حاجی نعمت اللہ سرہندی' مُلّا خواجہ کلاں' مُلّا بدخشی جیسے مشائخ آپ کے خلفاء میں سے تھے۔ داراشکوہ تو آپ کا عاشق تھا۔ ۷ ربیع الاوّل ۱۰۴۵ھ/۱۶۳۵ء کو لاہور میں وفات پائی۔

☆۷۲۔ رود کوثر، ص ۴۲۶

☆۷۳۔ **شاہ امیر ابوالعلیٰؒ**: دادا خواجہ امیر عبدالسلام سمرقند سے ہجرت کر کے نریلہ (دہلی) آئے۔ والد کا نام امیر ابوالوفا۔ والد کی طرف سے حسینی اور والدہ کی طرف سے احراری۔ نریلہ دہلی میں ۹۹۰ھ میں پیدا ہوئے۔ نانا خواجہ محمد فیض نے تربیت دی۔ امیر عبداللہ سے بیعت ہوئے۔ رسالہ فنا و بقا (اسرار ابو العلیٰ) علمی یادگار ہے۔ ۹ صفر ۱۰۶۱ھ کو آگرہ میں وفات پائی۔

☆۷۴۔ ڈاکٹر ظہور الحسن شارب، تذکرہ اولیائے پاک وہند (خم خانہ تصوف)، الفیصل ناشران، لاہور، سن ندارد، ص ۳۰۱

☆۷۵۔ **شیخ محب اللہ الہ آبادیؒ**: بابا فرید گنج شکرؒ کی اولاد میں سے تھے۔ صفر ۹۹۶ھ میں صدر پور خیر پور (اودھ) میں پیدا ہوئے۔ شیخ ابوسعید گنگوہی سے بیعت ہوئے۔ **فصوص الحکم** کی شرح کے علاوہ متعدد اور کتب تصنیف کیں۔ ۱۰۵۸ھ/۱۶۴۷ء میں وفات پائی۔

☆۷۶۔ عربی ادبیات میں پاک وہند کا حصہ، ص ۱۰۷، ۱۰۸

☆۷۷۔ **مُلّا خواجہ بہاری**: (المتوفی ۱۰۶۰ھ) میاں میر کے خلیفہ و مرید تھے اور ان کے پہلو میں ہی دفن ہیں۔ حدیث، تفسیر و فقہ کے جیدّ عالم، واقفِ اسرار ربانی اور نہائت خوش کلام و خوش بیان شاعر۔ گورداسپور (بہار) میں پیدا ہوئے۔

☆۷۸۔ داراشکوہ، سکینۃ الاولیاء، مترجم: محمد اکرم رہبر، مکتبہ عالیہ، لاہور، ۱۹۷۱ء، ص ۲۹۰، ۲۹۱

☆۷۹۔ **داراشکوہ قادری**: مغل شہنشاہ شاہجہاں کا بیٹا' مُلّا شاہ بدخشی سے بیعت۔ ممتاز محل کے بطن سے ۲۱ صفر ۱۰۲۴ھ/۳۰ مارچ ۱۶۱۵ء کو اجمیر میں بمقام ساگر تال، پیدا ہوا۔۔ نظم و نثر میں ماہر کامل۔ عربی' فارسی' ہندی' ترکی اور سنسکرت پر مکمل عبور حاصل تھا۔ ۲۱ ذی الحجہ ۱۰۶۹ھ/۵۷-۱۶۵۶ء کو اپنے بھائی عالمگیر کے حکم پر قتل کر دیا گیا۔

☆۸۰۔ رود کوثر، ص ۴۵۱

☆۸۱۔ داراشکوہ، مجمع البحرین، مترجم: فضل الدین، رائل بک کمپنی، کراچی، ۱۹۹۰ء، ص ۸۰

☆۸۲۔ سکینۃ الاولیاء، ص ۲۷۴

☆۸۳۔ **حضرت سلطان باہوؒ**: شورکوٹ ضلع جھنگ میں ۱۰۳۹ھ/۱۶۲۹ء کو پیدا ہوئے۔ والد حضرت بازید محمدؒ اور والدہ بی بی راستیؒ، اولیاء میں سے تھے۔ سید عبدالرحمٰن قادری دہلویؒ سے بیعت ہوئے۔ سلسلہ نسب حضرت علی کرم اللہ وجہٗ سے ملتا ہے۔ ۱۴۰ کے قریب کتب نظم ونثر تصنیف کیں۔ فارسی اور پنجابی کے عظیم الشان صوفی شاعر۔ جمعرات یکم جمادی الثانی ۱۱۰۲ھ/۱۶۹۱ء کو وصال ہوا اور گڑھ مہارلجہ ضلع جھنگ کے قریب مدفون ہوئے۔

☆۸۴۔ سلطان الطاف علی، ڈاکٹر: ابیاتِ باہو (ترجمہ وشرح)، حضرت غلام دستگیر اکادمی، ناشاد پبلشرز لاہور، بار چہارم ۱۹۹۵ء، ص: ۴۸

☆۸۵۔ سلطان باہوؒ، عین الفقر، مترجم: ملک فضل دین، اللہ والے کی قومی دُکان، لاہور، سن ندارد، ص ۴، ۱۲، ۱۳، ۴۳

☆۸۶۔ تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک وہند، چھٹی جلد، ص ۲۰

☆۸۷۔ **شاہ ولی اللہؒ**: ۴ شوال ۱۱۱۴ھ/۲۱ فروری ۱۷۰۳ء کو دہلی میں شاہ عبدالرحیمؒ کے گھر پیدا ہوئے۔ علمائے ہند وحجاز سے تعلیم حاصل کی۔ برصغیر میں قرآن کا پہلا فارسی ترجمہ (الفوز الکبیر)، اصول تفسیر)، شرح موطا، حجتہ البالغہ، فیوض الحرمین، البلاغ المبین، ہمعات، لمعات، سطحات وغیرہ اہم کتب ہیں۔ شاہ محمد دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنی آپ کے فرزند تھے۔ ۲۹ محرم ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء کو دہلی میں وفات پائی۔

☆۸۸۔ برصغیر میں اسلامی کلچر، محولا بالا، ص ۳۱۰، ۳۱۱

☆۸۹۔ پروفیسر محمد سرور، ارمغانِ شاہ ولی اللہ، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۸۸ء، ص ۲۴۵

☆۹۰۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، ہمعات، (اردو ترجمہ بعنوان: تصوف کی حقیقت اور اس کا فلسفہ، مترجم: پروفیسر محمد سرور) سندھ ساگر اکیڈمی، لاہور، ۱۹۴۶ء، ص ۵۰، ۵۱

☆۹۱۔ شاہ ولی اللہؒ، مکتوبِ مدنی، مشمولہ ''تفہیماتِ الٰہیہ'' مترجم: مولانا محمد حنیف ندوی، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ۱۹۶۵ء، ص ۳۰

☆۹۲۔ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ، ''فیصلہ شاہ عبدالعزیز دہلوی'' مترجم: مشتاق احمد انبیٹھوی، فخر المطابع حیدر آباد دکن، ۱۳۳۱ھ، ص ۱۹ تا ۲۲

☆۹۳۔شاہ اسماعیل بن شاہ عبدالغنی بن شاہ ولی اللہ: ۱۲ ربیع الثانی ۱۱۹۳ھ/ ۱۷۷۹ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔سید احمد شہید کے مرید و خلیفہ۔اُن کے ساتھ مل کر یاغستان میں سکھوں کے خلاف جہاد کیا اور ۲۴ ذیقعدہ ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۱ء کو شہید ہوئے۔تقویۃ الایمان' صراط مستقیم' وغیرہ اہم کتب ہیں۔

☆۹۴۔مولانا محمد اسماعیل شہید،عبقات،مترجم: مولانا مناظر احسن گیلانی،المجلس علمی،کراچی،۱۹۶۰ء،ص ۸۹تا۹۱

☆۹۵۔پنجاب کے صوفی دانشور،حوالہ مذکورہ بالا،ص ۲۳۵،۲۳۶

☆۹۶۔**قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ:** محدث،فقیہ ،محقق،مفسر۔شیخ جلال الدین کبیر الاولیاء کی اولاد میں سے تھے۔سات برس کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔۱۶ برس کی عمر میں تمام علوم کی تکمیل کر لی۔شاہ محمد عابد سنامیؒ سے بیعت ہوئے۔ان کی وفات کے بعد مرزا مظہر جان جاناں سے بھی اکتساب کیا۔مولانا شاہ عبدالعزیز دہلوی اُنہیں بیہقی وقت کہا کرتے تھے۔متعدد کتابوں کے مصنف تھے۔ان کی ایک کتاب تفسیرِ مظہری کے نام سے مشہور ہے جو سات ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے۔یکم رجب ۱۲۲۵ھ/۲ اگست ۱۸۱۰ء کو وفات پائی۔

☆۹۷۔ثناءاللہ پانی پتی،قاضی: تفسیرِ مظہری،(مترجم: عبدالدائم جلالی) جلد ۱۲،کراچی،۱۹۷۱ء،ص: ۵۸۱

☆۹۸۔**سید غوث علی شاہؒ:** رمضان ۱۲۱۹ھ کو موضع استھاون میں سید احمد علی کے گھر پیدا ہوئے۔حسنی حسینی سید۔شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور مولانا شاہ محمد اسحاق سے حدیث و فقہ اور مولوی فضل امام خیر آبادی سے منطق وغیرہ پڑھی۔مختلف سلسلوں میں بیعت ہوئے۔حجاز' نجف اور بیت المقدس کی زیارات سے مشرف ہوئے۔۲۶ ربیع الاول ۱۲۹۷ھ کو وفات پائی۔مزار پانی پت میں ہے۔

☆۹۹۔مولانا محمد قاسم نانوتوی،شہاب ثاقب،دارالعلوم دیوبند (بھارت)،ص ۲۲۶

☆۱۰۰۔**حاجی نجم الدین شیخا والیؒ:** (۳ رمضان ۱۲۳۴ھ۔۱۲۸۷ھ) حمید الدین ناگوریؒ کی اولاد میں سے تھے۔سلیمان تونسویؒ کے مرید و خلیفہ۔راجپوتانہ میں اردو کی ترویج میں اہم کردار ادا کیا۔

☆۱۰۱۔تاریخ مشائخ چشت،محولا بالا،ص ۶۸۵

☆۱۰۲۔**خواجہ شمس الدین سیالویؒ:** (۱۲۱۴ھ/ ۱۷۹۹ء۔۔۲۴ صفر ۱۳۰۰ھ/ ۴ جنوری ۱۸۸۳ء) سیال شریف ضلع سرگودھا کے ایک متجر عالم دین اور صوفی باصفا تھے۔خواجہ سلیمان تونسویؒ سے بیعت و خلافت۔خواجہ محمد دینؒ،پیر مہر علی شاہ گولڑویؒ اور پیر غلام حیدر شاہ جلالپوری آپ کے خلفاء تھے۔مراۃ العاشقین کے نام سے سید محمد سعید نے آپ کے ملفوظات کا مجموعہ مرتب کیا۔

☆۱۰۳۔ پنجاب کے صوفی دانشور، ص ۲۵۸

☆۱۰۴۔ سید محمد سعید (جامع و مرتب)، ''مراۃ العاشقین'' مترجم: غلام نظام الدین مرولوی، اسلامک بک فاؤنڈیشن، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۲۷۶، ۲۷۷

☆۱۰۵۔ **حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ**: (۲۲ صفر ۱۲۳۲ھ/ ۹ جنوری ۱۸۱۷ء۔۔۱۳ جمادی الآخر ۱۳۱۷ھ/ ۱۹ر اکتوبر ۱۸۹۹ء)۔ دیوبندی مکتبِ فکر کے اکثر علماء آپ کے مرید اور خلفا تھے۔ مولانا رشید احمد گنگوہیؒ مولانا محمد قاسم نانوتوی اور مولانا اشرف علی تھانوی جیسے عالم آپ کے شاگرد اور مرید تھے۔ نانوتہ ضلع سہارنپور میں پیدا ہوئے اور ۱۸۵۹ء میں مکہ ہجرت کر گئے اور وہیں وفات پائی۔ مکہ مکرمہ میں مثنوی مولانا روم کا درس دیا کرتے تھے۔ بلادِ عرب میں شیخ العرب والعجم کے لقب سے موسوم تھے۔

☆۱۰۶۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی، شمائم امدادیہ (ملفوظات)، خورشید بک ڈپو لکھنؤ، سن ندارد، ص ۵۵

☆۱۰۷۔ **حاجی سید وارث علی شاہؒ**: ۱۲۳۲ھ/ ۱۸۲۱ء میں دیوہ، ضلع بارہ بنکی میں پیدا ہوئے۔ سات برس کی عمر میں قرآن پاک حفظ کیا۔ اپنے بہنوئی سید خادم علی شاہ سے ظاہری و باطنی تعلیم حاصل کی۔ مختلف ممالک کی سیاحت بھی کی۔ ۳ محرم ۱۳۲۳ھ کو انتقال کیا۔ مشکوٰۃ حقانیت المعروف معارف وارثیہ ملفوظات کی کتاب ہے۔

☆۱۰۸۔ مولوی شیخ فضل حسین وارثی (مرتب)، مشکواۃ حقانیت المعروف بمعارف وارثیہ، مطبع اخلاقی، رمنہ (بانکی پورہ)، ۱۳۳۸ھ، ص ۴۲

☆۱۰۹۔ **اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ**: ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ/ ۱۴ جون ۱۸۵۶ء کو بریلی میں پیدا ہوئے۔ شاہ آل رسول قادری مارہروی سے بیعت ہوئے اور تمام سلاسل میں اجازت و خلافت حاصل کی۔ فتاویٰ رضویہ (بارہ جلدوں اور بارہ ہزار صفحات پر مشتمل)۔ کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کے علاوہ پچاس علوم و فنون پر ایک ہزار کے لگ بھگ تصانیف ہیں۔ باکمال نعتیہ شاعر تھے حدائق بخشش کے نام سے نعتیہ دیوان ہے۔ آپ کے سلام کے زمزمے پورے برصغیر میں گونجتے ہیں۔ آپ کے نام سے ایک مکتب فکر وجود میں آ گیا۔ ۲۵ صفر ۱۳۴۰ھ/ ۱۸ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو انتقال کیا۔

☆۱۱۰۔ مولانا ظفر الدین بہاری، المجل المعدد لتالیفات لمجدد، مرکزی مجلسِ رضا، لاہور، ۱۹۷۶ء، ص ۱۴

☆۱۱۱۔ اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلوی، صلواۃ الصفا فی نور مصطفےٰ، مجلسِ

رضا، واہ کینٹ، ۱۹۸۳ء، ص ۳۴

☆۱۱۲۔ **پیر سید مہر علی شاہ گولڑویؒ:** یکم رمضان ۱۲۷۵ھ/۱۴ اپریل ۱۸۵۹ء بروز سوموار کو گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام سید نذر الدین تھا۔ نوعمری میں قرآن پاک حفظ کیا۔ علی گڑھ میں اڑھائی برس تعلیم حاصل کی۔ مولانا لطف اللہ علی گڑھی آپ کے استاد تھے جن سے تمام ظاہری علوم کی تکمیل کی۔ مولانا احمد علی سہارنپوری سے علوم حدیث کی تکمیل کی۔ خواجہ شمس الدین سیالوی سے بیعت ہوئے اور خلافت حاصل کی۔ عمر آخر میں جذب کی کیفیت طاری رہتی۔ **تحقیق الحق فی کلمتہ الحق، شمس الهدائته فی اثبات حیات المسیح، سیف چشتیائی، اعلا کلمته الله فی بیان ما اُهِلَّ بِهٖ لِغیر الله، الفتوحات صمّدیّه، تصفیه مابین سنی و شیعه، فتاویٰ مهریه،** کے علاوہ ملفوظات و مکتوبات وغیرہ اہم تصانیف ہیں۔ فارسی اور پنجابی کے قادر الکلام صوفی شاعر تھے۔ ۲۹ صفر ۱۳۵۶ھ/۱۱ مئی ۱۹۳۷ء کو وفات پائی۔

☆۱۱۳۔ مولانا فیض احمد (مرتب)، ملفوظات مہریہ، گولڑہ شریف ضلع راولپنڈی، ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء، ص ۱۲

☆۱۱۴۔ ایضاً، ص ۸، ۹

☆۱۱۵۔ **مولانا اشرف علی تھانوی:** (۱۸۶۳ء-۱۹۴۳ء) تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ قرآن کے حافظ۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے بیعت ہوئے۔ دیوبند مکتب فکر کے معروف اور کثیر التصانیف عالم تھے۔ **تفسیر بیان القرآن** اور بہشتی زیور اہم کتب ہیں۔ تصوف پر بھی متعدد کتب تصنیف کیں۔

☆۱۱۶۔ مولانا اشرف علی تھانوی، التکشف عن مہمات التصوّف، علی کامران پبلشرز، لاہور، ۱۹۸۶ء، ص ۱۱۵

☆۱۱۷۔ ایضاً، ص ۶۰

☆۱۱۸۔ فضل حسین، الحیاۃ بعد الممات، مظفر پور (بھارت)، ۱۹۰۷ء، ص ۱۲۳

☆۱۱۹۔ **فقیر نور محمد قادری سروریؒ:** حضرت سلطان باہوؒ کے خلیفہ مجاز، ۱۸۸۳ء میں کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان میں پیدا ہوئے۔ سید محمد گیسو درازؒ سے سلسلہ نسب ملتا ہے۔ والد کا نام حاجی گل محمد تھا۔ ابتدائی تعلیم گھر میں ہی حاصل کی۔ اسلامیہ کالج لاہور میں بھی زیر تعلیم رہے۔ ۱۷ اکتوبر ۱۹۶۰ء کو انتقال کیا۔

☆۱۲۰۔ فقیر سیّد نور محمد قادری سروری، **عرفان** (جلد اوّل)، کلاچی، ضلع ڈیرہ اسماعیل خان، سن ندارد، ص ۳۰

☆۱۲۱۔ **میاں علی محمد خان چشتی نظامیؒ:** ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء کو بسی عمر خان ضلع ہوشیار پور میں پیدا ہوئے

اور ۲۸ رجنوری ۱۹۷۵ء/۵ محرم الحرام ۱۳۹۵ھ کو لاہور میں انتقال کیا اور پاکپتن درگاہ حضرت بابا فرید گنج شکرؒ میں مدفون ہوئے۔

☆۱۲۲۔میاں علی محمد خان چشتی نظامی،مکتوب در شرح وحدت الوجود والشہود،پاکپتن ضلع منٹگمری،۱۳۷۴ھ،ص ۸

☆۱۲۳۔علامہ سید احمد سعید کاظمیؒ: ساداتِ امروہہ سے تعلق،علمی فضیلت کی بنا پر انہیں رازیٔ دوراں اور غزالیٔ زماں کہا جاتا ہے۔۱۳۳۲ھ/۱۹۱۳ء میں مراد آباد (بھارت) میں سید محمد مختار کاظمی کے گھر پیدا ہوئے۔علم وسلوک کی منازل اپنے بڑے بھائی سید خلیل کاظمی کی معرفت طے کیں۔۱۹۳۵ء میں ملتان میں مدرسہ انوار العلوم کی بنیاد رکھی۔قرآن مجید کے ترجمہ وتفسیر البیان کے علاوہ متعدد اہم کتب تصنیف کیں۔ ملتان میں ۴ جون ۱۹۸۶ء کو انتقال کیا۔

☆۱۲۴۔علامہ احمد سعید کاظمی،عبادت اور استعانت،الاصلاح پبلیکیشنز،خانیوال،سن ندارد،ص ۱۶

☆۱۲۵۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ،محمد رسول اللہ (انگریزی)،کراچی،۱۹۷۹ء،ص ۱۷۰

☆۱۲۶۔ابن عربی اور اقبال (مقالہ)،از:محمد سہیل عمر،حوالہ بالا،ص ۵۲

☆۱۲۷۔روحانیاتِ اسلام،ص ۱۰۵

☆۱۲۸۔ابن میمون: ابو عمران موسیٰ بن میمون بن عبداللہ (۱۱۳۵ء-۱۲۰۴ء)، شیخ الاکبر کا ہمعصر وہم وطن۔سب سے بڑی تصنیف دلالت الحیران جس کا متعدد زبانوں میں ترجمہ ہوا۔دوسری اہم تصنیف مقالہ فی التوحید ہے۔

☆۱۲۹۔دانتے:(ALIGHIERI DANTE) (۱۲۶۵ء-۱۳۲۱ء)، اطالوی شاعر،فلارنس میں پیدا ہوا۔۱۳۰۲ء میں ترکِ وطن کیا اور راوینا (AVENNA) میں وفات پائی۔ LAVITA NUOVA (حیات نو)، MONARCHIA CONVIVO اور طربیہ خداوندی (DIVINE COMEDY) معروف تصانیف ہیں۔

☆۱۳۰۔ڈاکٹر ہیرلڈ ہولڈنگ،تاریخ فلسفہ جدید (جلد اول)،مترجم:ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم،نفیس اکیڈمی،کراچی،۱۹۸۷ء،ص ۳۳

☆۱۳۱۔ایضاً،ص ۱۲۵

☆۱۳۲۔ایضاً،ص ۱۷۲

☆ ۱۳۳۔ایضاً،ص۸۰،۸۱

☆ ۱۳۴۔بینڈ کٹ سپائی نوزا (BENEDICT SPINOZA): ڈچ فلسفی۔ ۲۴ نومبر ۱۶۳۲ء کو ایمسٹرڈم میں پیدا ہوا۔ پرتگیزی یہودیوں کے خاندان کا فرد زمانہ طالب علمی میں ہی یہودیوں کے بڑے بڑے مقدس عالموں اور دینی رہنماؤں کی تعلیمات پر اعتراضات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ اس کے خلاف تادیبی کاروائی کرتے ہوئے اُسے یہودیوں نے اپنے دین اور حلقے سے خارج کر دیا۔ ۱۶۶۶ء میں وہ رتز برگ چلا گیا جہاں اس نے اپنے نظریات پر مبنی کچھ رسالے لکھے جو خدا' آدمی اور خدا کے وجود کے بارے میں تھے پھر اس نے وہیں اپنی کتاب ETHICS (اخلاقیات) کا ایک بڑا حصہ مکمل کیا۔ ۱۶۷۰ء میں وہ دور برگ آ گیا اسی برس اس کی مشہور عالم کتاب TRACTATUS THEOLOGIOCO POLITIEUS (رسالہ دربارہ دینیات و سیاسیات) کی اشاعت نے بڑا تہلکہ مچایا اور یورپ میں اس کا شہرہ ہوا۔ اس کے اس رسالہ کو سرکاری اور اجتماعی طور پر مذمت کا نشانہ بنایا گیا اور کہا گیا کہ یہ شیطان کی تصنیف ہے۔ اسپائی نوزا ۲۰ فروری ۱۶۷۷ء کو صرف پینتالیس برس کی عمر میں انتقال کر گیا۔

☆ ۱۳۵۔عبدالرؤف ملک، مغرب کے عظیم فلسفی، الجدید، لاہور، ۱۹۶۴ء، ص ۱۲۷، ۱۲۸

☆ ۱۳۶۔تاریخ فلسفہ جدید (جلد اول)، ص ۴۷۹

☆ ۱۳۷۔ڈاکٹر ہیرلڈ ہولڈنگ، تاریخ فلسفہ جدید (جلد دوم)، مترجم: ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۷ء، ص ۱۱۱

☆ ۱۳۸۔ایضاً، ص ۱۳۳

☆ ۱۳۹۔روایاتِ فلسفہ، ص ۱۶۷

☆ ۱۴۰۔تاریخ فلسفہ جدید (جلد دوم)، ص ۱۹۱

☆ ۱۴۱۔ہیگل: جارج ولیم فریڈرک: جرمن کے شہر اسٹ گرٹ میں ۲۷ اگست ۱۷۷۰ء میں پیدا ہوا۔ ٹیوبنجن یونیورسٹی سے الہیات کی ڈگری حاصل کی پہلے جینا یونیورسٹی میں پھر ۱۸۱۶ء میں ہائیڈل برگ یونیورسٹی میں فلسفہ کا پروفیسر مقرر ہوا۔ بہت مستغرق فلسفی تھا۔ ۱۸۳۱ء میں وفات پائی۔

☆ ۱۴۲۔تاریخ فلسفہ جدید (جلد دوم)، ص ۲۳۴

☆ ۱۴۳۔ایضاً، ص ۲۴۱

☆ ۱۴۴۔William Wordsworth,"The Prelude ,book 1&2" Lahore,p:23.

☆۱۴۵۔تاریخ فلسفہ جدید (جلد دوم)،ص ۴۳۹

☆۱۴۶۔ایضاً،ص ۵۳۸

☆۱۴۷۔برگساں: (۱۸۵۹ء-۱۹۴۱ء)- یہودی الاصل- پیرس میں پیدا ہوا- ادب کا نوبل پرائز بھی ملا- فرانس کی مختلف درسگاہوں میں فلسفہ کا پروفیسر رہا-

☆۱۴۸۔الفریڈ ویبر،تاریخِ فلسفہ،مترجم: ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم،جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن،۱۹۲۸ء،ص ۱۹۷

☆۱۴۹۔غلام احمد پرویز،انسان نے کیا سوچا؟ طلوعِ اسلام ٹرسٹ،لاہور،۱۹۹۶ء،ص ۳۸۳

☆۱۵۰۔ایضاً،ص ۳۸۵

پانچواں باب:

☆۱۔اے حمید،اردو شعر کی داستان،شیخ غلام علی اینڈ سنز،لاہور،سن ندارد،ص ۲

☆۲۔مولانا شبلی نعمانی،شعر العجم،رشید آرٹ پریس پیسہ اخبار،لاہور،ص ۱۳۴

☆۳۔عقلیاتِ ابن تیمیہ،ص ۳۰۱

☆۴۔ابو نصر سراج طوسی،اللمع فی التصوف،مترجم: ڈاکٹر پیر محمد حسن،ادارہ تحقیقاتِ اسلامی،اسلام آباد،۱۹۹۶ء،ص ۳۶۷

☆۵۔ایضاً،ص ۳۷۶

☆۶۔حسین بن منصور حلاج،طواسین،مترجم: عتیق الرحمن عثمانی،المعارف،لاہور،۱۹۸۳ء،ص ۱۳۰

☆۷۔ایضاً،ص ۱۳۴

☆۸۔کشف المحجوب،ص ۱۱۰

☆۹۔قریشی محمد سعید،بوعلی سینا اور سینائیت،لاہور،۱۹۷۳ء،ص ۶۴

☆۱۰۔عقلیاتِ ابن تیمیہ،ص ۳۰۷

☆۱۱۔سید عبدالکریم بن ابراہیم الجیلی،الانسان الکامل،مترجم: فضل میراں،نفیس اکیڈمی،کراچی،۱۹۸۰ء،ص ۸۳

☆۱۲۔،اللمع فی التصوف،ص ۴۹۵

☆۱۳۔ایضاً،۵۱۵

☆۱۴۔ایضاً،ص ۵۷۵

☆۱۵۔ایضاً،ص ۵۱۶

☆۱۶۔ایضاً،ص ۵۴۷

☆۱۷۔کشف المحجوب،ص ۱۳۱

☆۱۸۔ایضاً،ص ۱۳۲

☆۱۹۔تصورات عشق وخرد اقبال کی نظر میں،ص ۲۳

☆۲۰۔ڈاکٹر سید عبداللہ، فارسی زبان وادب،مجلس ترقی ادب،لاہور،۱۹۷۷ء،ص ۲۵

☆۲۱۔مولانا جلال الدین رومی،''مثنوی مولوی معنوی''(دفتر اول،دوم)مترجم:مولانا قاضی سجاد حسین،حامد اینڈ کمپنی،لاہور،۱۹۷۴ء،ص ۱۵

☆۲۲۔مولانا شبلی نعمانی،شعر العجم (جلد پنجم)،لاہور،۱۹۳۴ء،ص ۱۲۹

☆۲۳۔امام خمینی ،دیوانِ امام،موسسہ تنظیم ونشر آثار امام خمینی،تہران،۱۳۷۳ش،ص ۲۱۲

☆۲۴۔ڈاکٹر جمیل جالبی،تاریخ ادبِ اردو (جلد دوم)،مجلس ترقی ادب،لاہور،۱۹۸۷ء،ص ۳۱۲

☆۲۵۔ایضاً،ص ۶۳۱

☆۲۶۔ایضاً،ص ۹۳۷

☆۲۷۔اردو دائرہ معاف اسلامیہ،جلد اول،ص ۱۱

☆۲۸۔ڈاکٹر جمیل جالبی،ادب کلچر اور مسائل،رائل بک کمپنی،کراچی،۱۹۸۶ء،ص ۲۸۲

☆۲۹۔حمید اللہ ہاشمی،پنجابی زبان دا بچھوکڑ،پھُل کلیاں،لاہور،سن ندارد،ص ۲۴۹ تا ۲۵۵

☆۳۰۔ڈاکٹر نذیر احمد (مرتب)،کلام بابا فرید،پیکجز،لاہور،۱۹۸۴ء،۱۰۰

☆۳۱۔عبدالمجید بھٹی،شاہ حسین (کلام اور اردو ترجمہ)،لوک ورثہ اشاعت گھر،اسلام آباد،۱۹۸۷ء،ص ۹۵

☆۳۲۔مسعود قریشی،عکسِ باہو،لوک ورثہ اشاعت گھر،اسلام آباد،۱۹۸۷ء،ص ۳۱

☆۳۳۔ماجد صدیقی (مترجم)،کلام شاہ مراد،لوک ورثے کا قومی ادارہ،اسلام آباد،۱۹۸۰ء،ص ۳۲،۹۸

☆۳۴۔بشیر حسین ناظم،ابدی آوازاں،عزیز بک ڈپو،لاہور،۱۹۷۲ء،ص ۹۴

☆۳۵۔شفقت تنویر مرزا (مترجم)،''کوک''(ابیات علی حیدر)،لوک ورثے کا قومی ادارہ،اسلام آباد،۱۹۸۰ء،ص ۲۳۱

☆۳۶۔شفقت تنویر مرزا (مترجم)،ہاشم شاہ،لوک ورثے کا قومی ادارہ،اسلام آباد،۱۹۷۹ء،ص ۱۴

☆۳۷۔پروفیسر قیوم شاکر،(مرتب)''پیر دی ہیر''لوک ورثے کا قومی ادارہ،اسلام آباد،۱۹۸۸ء،ص ۲۳

☆۳۸۔ابدی آوازا

ں، ص ۲۸۲

☆۳۹۔ ہدائت اللہ، مجموعہ سی حرفی، جہانگیر بک ڈپو، لاہور، سن ندارد، ص ۱۹

☆۴۰۔ محمد بوٹا، پنج گنج، حمید بک ڈپو، لاہور، سن ندارد، ص ۴،۳

☆۴۱۔ میاں ظفر مقبول (مرتب)، ''لنگیں لنگیں آگیا'' (کافیاں سائیں مولا شاہ) کڑیال کلاں، گوجرانوالہ، ۱۹۸۵ء، ص ۱۵

☆۴۲۔ شہزاد قیصر، تلاوتِ وجود (کافیاں)، سنگ میل پبلیکیشنز، لاہور، ۱۹۹۴ء، ص ۱۲

☆۴۳۔ سلطان ارشد القادری (مدیر)، سہ ماہی ''دستگیر'' کوئٹہ، جلد ۴، شمارہ ۲، اپریل تا جون ۱۹۹۳ء، ص ۶۱

☆۴۴۔ ایضاً، ص ۶۲

☆۴۵۔ شیخ ایاز (مترجم)، ''رسالہ شاہ عبداللطیف، انسٹیٹیوٹ آف سندھالوجی، سندھ یونیورسٹی جام شورو، ۱۹۷۷ء، ص ۶۷

☆۴۶۔ ایم۔ ایس۔ ناز، آفتابِ مہران، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۷۵ء، ص ۳۳

☆۴۷۔ ڈاکٹر عبدالجبار جونیجو، سندھی ادب کی مختصر تاریخ، زیب ادبی مرکز، حیدرآباد، ۱۹۸۳ء، ص ۶۷

☆۴۸۔ اختر درگاہی، حضرت قادر بخش بیدل، مشمولہ: ماہنامہ ''اظہار'' کراچی، شمارہ اپریل ۱۹۸۷ء، ص ۳۰

☆۴۹۔ وحدت افکار، مطبوعہ محکمہ فلم و مطبوعات وزارتِ اطلاعات و نشریات حکومتِ پاکستان، اسلام آباد، سن ندارد، ص ۲۶۸

☆۵۰۔ ایضاً، ص ۲۷۶

☆۵۱۔ ایضاً، ص ۲۸۰

☆۵۲۔ فیاض محمود (مدیر)، تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاک و ہند (جلد ۱۴)، علاقائی ادبیات مغربی پاکستان (جلد دوم) سرائیکی ادب، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۷۳ء، ص ۲۶۵

☆۵۳۔ وحدت افکار، ایضاً، ص ۲۲۲

☆۵۴۔ ایوب صابر، ''پشتو شاعری، امیر کروڑ سے سلمیٰ شاہین تک'' مشمولہ ماہنامہ ''ماہِ نو'' لاہور، شمارہ جنوری ۱۹۸۸ء، ص ۲۰، ۲۱

☆۵۵۔ رودِ کوثر، محولا بالا، ص ۶۰

☆۵۶۔ فارغ بخاری، رحمٰن بابا، لوک ورثہ اشاعت گھر، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء، ۱۶

☆۵۷۔ وحدتِ افکار، ایضاً، ص ۳۰۰، ۳۰۱

☆۵۸۔فارغ بخاری،رضا ہمدانی (مرتبین)''خوشحال خان خٹک''لوک ورثہ اشاعت گھر،اسلام آباد،۱۹۸۷ء،۲۰۔۲۱

☆۵۹۔وحدتِ افکار،ص۲۹۶

☆۶۰۔محمداشرف شاہین قیصرانی بلوچ''بلوچستان،تاریخ اورمذہب''ادارہ تدریس،کوئٹہ،۱۹۹۴ء،ص۳۳۸

☆۶۱۔منظور بلوچ،بلوچی شاعری میں حمد ونعت کے خزائن،مشمولہ ماہنامہ''ماہِ نو''لاہور،اپریل ۱۹۸۹ء،ص۴

☆۶۲۔وحدتِ افکار،ص۳۰۶،۳۰۷

☆۶۳۔پروفیسر عبدالرزاق صابر''بلوچی براہوی عارفانہ شاعری میں تچل سرمست کارنگ''مشمولہ سہ ماہی''دستگیر''کوئٹہ،جلد۳،شمارہ۱،۲ جنوری تا جون۱۹۹۳ء،ص۴۸

☆۶۴۔ایضاً،ص۴۶

☆۶۵۔محمد حنیف مہر کاچیلوی''پنج تارے''پنجابی ادبی بورڈ،لاہور،۱۹۸۴ء،ص۹۱تا۱۱۴

☆۶۶۔سبط حسن،پاکستان میں تہذیب کا ارتقاء،مکتبہ دانیال،کراچی،۱۹۸۹ء،ص۲۱۲

☆۶۷۔ایضاً،ص۲۱۳

☆۶۸۔ڈاکٹر سریندر سنگھ کوہلی،پنجابی ساہت دا اتہاس (گُرمکھی)،چنڈی گڑھ(انڈیا)،۱۹۷۳ء،ص۲۸۱

ہماری دیگر کتب

اُم الکتاب (تفسیر سورہ فاتحہ)	مولانا ابوالکلام آزاد
غبارِ خاطر	مولانا ابوالکلام آزاد
تذکرہ	مولانا ابوالکلام آزاد
قرآن کا قانون عروج وزوال	مولانا ابوالکلام آزاد
قول فیصل	مولانا ابوالکلام آزاد
خطبات آزاد	مولانا ابوالکلام آزاد
ارکان اسلام	مولانا ابوالکلام آزاد
مسلمان عورت	مولانا ابوالکلام آزاد
حقیقت صلوٰۃ	مولانا ابوالکلام آزاد
ولادت نبوی ﷺ	مولانا ابوالکلام آزاد
مسئلہ خلافت	مولانا ابوالکلام آزاد
صدائے حق	مولانا ابوالکلام آزاد
انسانیت موت کے دروازے پر	مولانا ابوالکلام آزاد
رسول اکرم ﷺ اور خلفائے راشدین کے آخری لمحات	مولانا ابوالکلام آزاد
آزادی ہند	مولانا ابوالکلام آزاد
افسانہ ہجر ووصال	مولانا ابوالکلام آزاد
مولانا آزاد نے پاکستان کے بارے میں کیا کہا	مرتبہ: ڈاکٹر احمد حسین کمال
مقام دعوت	مولانا ابوالکلام آزاد
اسلام میں آزادی کا تصور (الحریت فی الاسلام)	مولانا ابوالکلام آزاد
طنزیاتِ آزاد	مولانا ابوالکلام آزاد
ملفوظاتِ آزاد	مولانا ابوالکلام آزاد

مکتبۂ جمال
تیسری منزل، حسن مارکیٹ، اُردو بازار، لاہور۔فون: 7232731
Email
maktaba_jamal@email.com
maktabajamal@yahoo.co.uk